بسم الله الرحمن الرحيم

ہندوستان میں
شیعیت کی تاریخ

(جلد دوم)

مرتبہ

سید مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی

نام کتاب	:	ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ (جلد دوم)
مرتبہ	:	سید مصطفیٰ حسین نقوی اسیف جائسی
طباعت	:	بار اول
تعداد اشاعت	:	پانچ سو (۵۰۰)
سال اشاعت	:	جولائی ۲۰۱۸ء
قیمت	:	(۳۰۰) روپئے

ناشر

ولایت پبلیکیشنز، نئی دہلی

عرض ناشر

فہرست

ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ (جلد دوم)

عرضِ مرتب

ہندوستان میں شیعیانِ علیؑ کی آمد و رفت معصومینؑ کے ادوار میں جاری رہی لیکن ۴۱۹ھ کے آخر میں سبزوار، ایران کے صوبیدار عالم و متقی نجم الملک سید نجم الدین اپنے چچا میر عماد الدین قلعچی اور اپنے برادران و فرزندان نیز دوسرے صاحبان تقویٰ و شجاعت کئی ہزار افراد کے ساتھ سید سالار مسعود غازی (مدفون بہ بہرائچ) کی مدد کے لئے ہندوستان تشریف لائے۔ بڑے بیٹے سید ابراہیم دہلی میں، سب سے چھوٹے سید نصر اللہ بدایوں میں اور منجھلے فرزند سید شرف الدین جائس میں مقیم ہوئے جہاں ان کی اولاد نے زندگی بسر کی۔ خود نجم الدین بنارس میں شہید ہوکر اور چچا جائس میں شہید ہوکر مدفون ہوئے۔ کچھ برسوں کے بعد اسی نسل کی ایک اہم فرد سید زکریا نے جائس (جس کا پرانا نام وڈّیا نگر تھا) سے تھوڑے فاصلے پر پٹاک پور نامی جگہ کو اپنے بزرگ سید نصیر الدین کے نام پر نصیر آباد کے نام سے آباد کیا جہاں ۱۱۶۶ء میں برصغیر کے عالمِ مجدد آیۃ اللہ العظمیٰ سید دلدار علی غفران مآبؒ متولد ہوئے۔

جائس اور نصیر آباد کی طرح بہرائچ، مانکپور، دہلی، بدایوں زید پور، امروہہ کے علاوہ اور بھی سادات کی بستیاں ہیں جن میں شیعہ ہجرت کرکے ایران سے آئے۔

گجرات، کشمیر، دہلی، دکن اور بنگال میں شیعوں نے آنے کا سلسلہ جاری رکھا دکن میں تو شیعہ حکومتیں قائم ہوئیں جہاں شیعہ علماء نے اپنے کارناموں سے ہندوستان میں شیعیت کو پہچنوایا۔ دہلی میں بھی شیعہ علماء دربار سے رشتہ رکھ کر مناصب جلیلہ کے حصول میں کامیاب رہے اور بڑے بڑے عقلی کارنامے انجام دیئے۔

اودھ میں شیعہ نوابوں کی صوبیداری کے بعد شمالی ہند میں شیعوں نے راحت کی سانس لی اور عہد

معدلت مہدنواب آصف الدولہ میں مجدد شریعت حضرت غفران مآب کے علمی وتبلیغی مجاہدات کی وجہ سے مکمل تقیہ شکنی ہوئی۔ خاندان کے خاندان اور علاقے کے علاقے شیعہ ہو گئے بلکہ بڑے بڑے علماء غفران مآب کی دلیلوں سے لا جواب بلکہ مطمئن ہوکر شیعہ ہوئے جن میں سے خانِ علامہ کا نام خاص طور پر لیا جاسکتا ہے۔ غفران مآب علیہ الرحمہ کی تبلیغ کا ایسا اثر ہوا کہ محدث دہلوی کو تحفۂ اثناعشریہ جیسی کتاب لکھنی پڑی جس کے جواب غفران مآب کے محب خاص شہید رابع مرزا محمد کاملؔ اور خود غفران مآب اوران کے فرزندوں نیز شاگردوں نے بھرپور اور لا جواب کر دینے والے لکھے۔
ان جوابات نیز اخباریت ،صوفیت کی مخالفت کے باوجود غفران مآبؒ نے شیعہ اور سنی اتحاد کی فضا کو مستقل ساز گار رکھا۔

غفران مآبؒ، ان کی اولاد اور تلامذہ نیز فرزندان وتلامیذ کے تلامذہ نے عزاداریٔ امام حسینؑ کے وسیلے سے پورے برّصغیر میں شیعیت کی تبلیغ اور عزائے حضرت سید الشہداء علیہ التحیۃ والثنا کی ترویج کی۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہندوستان بلکہ برصغیر کے جس علاقے میں شیعیت اور خاص طور پر اصولی شیعیت پر تحقیقی کام ہوتا ہے تو غفران مآب کو سر براہ کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط اور اودھ حکومت کے خاتمہ کے بعد غفران مآبی تحریکِ دینداری و بیداری کو کافی نقصان پہنچا پھر بھی اس کے پائدار اور دوررس اثرات کل بھی تھے اور آج بھی ہیں۔
ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ کی دوسری جلد حاضر ہے اس میں آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی طاب ثراہ کے دو عدد مضامین ہیں جن میں شیعہ عقائد واعمال اور مذہب شیعہ کے ترویجی تسلسل اور تبلیغی سفر پر بحث کی گئی ہے۔
دو مضمون دو انگریز فلسفیوں کے ہیں جو ان کے معلومات کے اعتبار سے ہیں اور کسی حد تک مفید بھی ہیں۔
چوتھا مقالہ سید المفسرین آیۃ اللہ سید علی ابن مجدد شریعت حضرت غفران مآبؒ کی تفسیر زبر وبینہ یعنی اردو زبان کی دنیا کی پہلی تفسیر توضیح المجید پر ہے جو ہندوستان کے بڑے دانشور، ادیب اور ناقد ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی کا لکھا ہوا ہے۔

سید العلماءؒ کے دوسرے مضمون ''مذہب شیعہ اور تبلیغ'' کے بعد مشہور مورخ، محقق اور تذکرہ نگار زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی لکھنوی کی کتاب ''تاریخ شیعہ کا خونچکاں ورق'' ہے جس میں شیعہ تاریخ اور مختلف ادوار میں شیعوں کے کارنامے اور قربانیوں کا بیان ہے، آخر میں ہندوستان کی شیعہ تاریخ مذکور ہے۔ اس کے بعد صفوۃ العلماء حجۃ الاسلام والمسلمین سید کلب عابد صاحب رحمت مآب کا بیان ''ہندوستان میں شیعیت'' کو لے کر اور عمدۃ العلماء آیۃ اللہ سید کلب حسین نقوی اخترؔ طاب ثراہ کا بیان ''آل انڈیا شیعہ کانفرنس'' کے سلسلے میں ہے۔ بعدہٗ ممتاز ادیب، جناب ممتاز حسین جونپوری کا مضمون ''ہندوستان میں شیعوں کی مجمل تاریخ'' ہے پھر صاحب کمال ادیب و شاعر جناب سید محمد رضا عابد رضوی زید پوری کا مختصر لیکن وزنی مضمون ہے۔

آخری مضمون ادیب اعظم مولانا سید محمد باقر شمسؔ کا ہے جو ہندوستان کی شیعہ تاریخ سے متعلق ہے اور یقیناً ''کوزے میں دریا'' کا مصداق ہے۔ پھر حسب سابق مرثیے ہیں پہلا مرثیہ خطیب اکبر شاعرؔ اجتہادی کا ہے جس میں برصغیر کی شیعیت و عزاداری کا تذکرہ ہے۔ دوسرا مرثیہ ساحرؔ اجتہادی کا ہے جو فقہ و شمشیر کے عنوان سے ہے اور تیسرا مرثیہ خلاق مضامین مولانا مرزا سلامت علی دبیرؔ مرحوم کا ہے جس میں فضائل معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ اودھ کی حکومت شرعیہ، بادشاہ متشرع ثریا جاہ نواب امجد علی شاہ نیز سلطان العلماء و سید العلماءؒ کے تذکار ہیں۔ یہ کتاب بھی صاحبان علم و ادب کی ضیافتِ تحقیق کے لئے حاضر ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

گدائے باب علم
مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی
مدیر ماہنامہ شعاع عمل، لکھنؤ
نور ہدایت فاؤنڈیشن، امام باڑہ حضرت غفران مآبؒ
مولانا کلب حسین روڈ، چوک لکھنؤ
موبائل نمبر:09335276180

مذہب شیعہ ایک نظر میں

مصنف
آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

مذہب شیعہ ایک نظر میں

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ الطَّاهِرِیْنَ۔

شیعیت کیا ہے؟

دین اسلام کو اس کے تمام نظری (Theoretical) اور عملی (Practical) تقاضوں کے ساتھ اختیار کرنا۔

اسلام کے معنی ایک ''سر نہادن بطاعت'' (Submission to obedience) کے ہیں اور دوسرے ''سپردن'' (To surrender) یہ دونوں باتیں کس کے لئے؟ اللہ کے لئے۔ اسی کو دوسری لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ حکومت الٰہیہ کو اس کے پورے تقاضوں کے ساتھ تسلیم کرنا جس کے لئے حاکم اور اس کے مرتب کردہ نظام کی معرفت ضروری ہے۔ یہ ''اصول دین'' ہیں۔ اور پھر اس نظام کے قواعد وضوابط کو معلوم کر کے ان پر عمل ہے۔ یہ پابندی شریعت ہے جس کے خاص ارکان کو ''فروعِ دین'' کہتے ہیں۔

یہ عقائد وہ ہیں جو عمل کا احساس پیدا کرتے ہیں اور اعمال وہ ہیں جو عقیدہ پر جلا کرتے ہیں۔

جامع لفظ سے تعبیر کرنا چاہیں تو برابر کے دو جزء ہیں۔ ''حق شناسی'' و ''فرض شناسی''۔ اسی کو وسعت دی جائے تو عقائد واعمال کی پوری دنیا آجائے اور انہی کے ماننے اور برتنے کا نام

ہوگا ''حقیقی اسلام'' اور ''شیعیت''، جس کی تفصیل مجمل طور پر یہ ہے:-

اصول دین

(۱)توحید (۲)عدل (۳)نبوّت (۴)امامت (۵)معاد

اب ان میں سے ہر ایک کی کسی حد تک تشریح پر نظر ڈالئے۔

توحید

یہ ایک جامع عنوان ہے جس کے تحت میں حسبِ ذیل حقیقتیں مضمر ہیں:-

(۱) حدوثِ عالم:۔ یعنی دنیا اور اس کی ہر چیز نابود تھی۔ ہوا، پانی، آگ، زمین، چاند، سورج اور سیارے، کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو ہمیشہ موجود ہو اور وہ چھوٹے چھوٹے ذرّے بھی جن سے اس تمام دنیا میں مختلف شکلیں نمودار ہوتی ہیں وہ بھی قدیم یعنی ہمیشہ سے موجود نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ ان میں حرکت موجود ہے اور حرکت کا ہونا خود زوال اور تغیر کی نشانی ہے۔

(۲) خالق کا وجود:۔ جب یہ تمام کائنات ہمیشہ سے وجود نہیں رکھتی تو ضرور اس کا کوئی وجود میں لانے والا ہے، اسی کو خالق کہتے ہیں۔

(۳) خالقِ کل:۔ جو ہے وہ سراسر ''ہستی'' ہے اس لئے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ بھی اسی دنیا کا جزء ہو اور اس کے واسطے بھی کسی پیدا کرنے والے کی ضرورت ہو۔

(۴) خالق نے اس دنیا کو ارادہ واختیار کے ساتھ پیدا کیا ہے اس لئے کہ اس کی پیدا کی ہوئی مخلوق میں حکمتیں اور مصلحتیں مضمر ہیں اور ایک خاص انتظام نظر آتا ہے جو کسی بے شعور اور بے حس قوت کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔

(۵) کمال ذات مستغنی از صفات:۔ یعنی خدا کو سراسر ''ہستی'' (Being) ماننے ہی کا نتیجہ ہے کہ اس کی ذات ہر حیثیت سے کامل ہو کیونکہ نقائص اور خرابیاں سب ''نیستی'' کے پہلو

سے پیدا ہوتی ہیں اور خدا کی ذات میں نیستی کا گزر نہیں۔ تمام صفات ثبوتیہ وسلبیہ کا خلاصہ اتنا ہی ہے، نہ یہ کہ اس میں علاوہ ذات کے نو صفتیں ہوں اور خدا ذات اور صفات کے مجموعہ کا نام ہو جس طرح عیسائی اسے ایک ہوتے ہوئے تین مانتے ہیں۔ یہ تصور، توحید خالق کے خلاف ہے اور تعلیم اہلبیتؑ کے لحاظ سے درست نہیں ہے۔

(۶) کمالِ ذات کے تقاضے جنھیں صفات ثبوتیہ کہا جاتا ہے،

۱۔ قدیم: یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ یہ کوئی اس کی ذات سے جداگانہ صفت نہیں ہے بلکہ اس کے سراسر ''ہستی'' (Being) ہونے ہی کا تقاضا ہے کہ وہ ''واجب الوجود'' ہو یعنی اس کی ذات کے لئے 'نیستی' (Non-Existence) ممکن ہی نہ ہو اور جو واجب الوجود ہو وہ ضرور اصطلاحی معنی کے لحاظ سے ''قدیم'' ہی کی لفظ سے یاد کیا جائے گا کیونکہ ''حادث'' تو وہ ہوتا ہے جو ''نیستی'' کے بعد ''ہست'' (Exist) ہوا ہو اور یہ وہی ہوگا جس کی ذات سے ''ہستی'' الگ ہو مگر جہاں ''ہستی'' ذات سے جدا ہو ہی نہ، اس میں نیستی کا شائبہ کہاں ممکن ہے لہٰذا اسے یہی ماننا پڑے گا کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

۲۔ قادر یعنی ہر چیز پر قابو رکھتا ہے اور کسی امر میں بے بس نہیں کیونکہ عاجزی نقص ہے اور قدرت کمال اور یہ بات معلوم ہو چکی کہ اس کی ذات کامل ہی کامل ہے، ناقص نہیں ہے۔

بے شک محال یعنی غیر ممکن چیزوں میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ ان سے خدا کی قدرت کا تعلق ہو لیکن اس سے خدا کی ذات میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔

۳۔ عالم یعنی وہ ہر شے کا جاننے والا ہے اس لئے کہ جہالت نقص ہے اور خدا کی ذات ہر نقص سے بری ہے۔

چھوٹی سے چھوٹی چیز اور چھوٹی سے چھوٹی بات ہر ایک خداوندِ عالم کے علم میں ہے۔ یہی مطلب ہے اس کا کہ وہ حاضر و ناظر ہے۔ اس کے علم میں کبھی تغیر نہیں ہوتا اور یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی

امر کے پہلے نہ جانتا ہو، پھر اس سے واقف ہوا اور اس لئے اس کے افعال میں ندامت اور پشیمانی کا گزر نہیں ہے۔

۴۔ وہ قدرت اور علم کا مالک ہے۔ اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہے۔

۵۔ اس کے صفات ثبوتیہ میں مُدرِک ہونا بھی ہے۔ اس کے معنی صحیح طور پر یہی ہیں کہ وہ تمام چیزوں کا جو احساس (Senses) سے متعلق ہیں، جاننے والا ہے۔ جس طرح مسموعات یعنی آوازوں کے جاننے کی بناء پر سمیع اور مُبصَرات یعنی دیکھنے کی چیزوں کو جاننے سے بصیر ہے۔ یہ عالم ہونے کے مفہوم کے شعبے ہیں۔ الگ الگ صفتیں نہیں ہیں۔ نہ یہ سمجھنا صحیح ہے کہ خدا کے جسمانی طور پر آنکھ اور کان ہیں جن سے وہ دیکھتا اور سنتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

۶۔ قدرت کو علم مصالح کے مطابق صرف کرنے کی بناء پر وہ مُرید (Willful) ہے یعنی ارادہ کے ساتھ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور کارہ ہے یعنی جو نہیں چاہتا نہیں کرتا۔

۷۔ اس کے متکلم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ زبان ودہن سے کلام کرتا ہو بلکہ اپنی قدرت سے اپنے علم کے مطابق جب چاہتا ہے اپنی طرف نسبت کے ساتھ کلام پیدا کر دیتا ہے۔

۸۔ نقائص سے کلیۃً بری ہونا۔ اس کے تحت میں جو کچھ باتیں آئیں انھیں صفات سلبیہ سمجھنا چاہئے۔ اس میں چند باتیں جو خصوصیت کے ساتھ سمجھنے کی ہیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ خدا کا کوئی شریک نہیں۔ یہ اصل توحید ہے، اس کا ثبوت اسی سے ظاہر ہے کہ خدا کامل ''وجود'' ہے۔ اگر اس کے ساتھ دوسرے کی ضرورت ہو تو وہ کامل نہ رہے گا، ناقص ہو جائے گا۔

اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ دو کی طاقت کا مجموعہ ایک سے زیادہ نہیں ہے تو دوسرا بیکار محض ہے اور اگر زیادہ ہے تو ہر ایک ناقص اور محدود ہے اور خدائی کے قابل نہیں ہے۔

۲۔ خدا مرکّب (**Compound**) نہیں ہے یعنی اس کے اجزاء (Components)

نہیں پائے جاتے کیونکہ اس صورت میں وہ ان اجزاء کا محتاج ہوگا اور اجزاء اس سے مقدم ہوں گے۔لہٰذا وہ سب کا پیدا کرنے والا نہیں قرار پاسکے گا۔

۳۔خدا جسمیّت نہیں رکھتا کیونکہ ہر جسم کا مرکب ہونا ضروری ہے اور یہ معلوم ہو چکا کہ خدا مرکب نہیں ہے۔

۴۔خدا کسی مکان اور سمت میں نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں وہ محدود (Limited) ہوجائے گا اور محتاج (Needy) قرار پائے گا اور اس کی ذات پابندی (Binding) واحتیاج (Need) سے بری ہے۔

۵۔حلول واتحاد نہیں ہوسکتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک چیز دوسرے میں ہوکر پائی جائے اس طرح کہ اس کی صفت بن جائے جیسے رنگ وبو پھول میں یا دو چیزیں اس طرح ایک ہوجائیں کہ ایک کی طرف اشارہ عین دوسرے کی طرف اشارہ قرار پائے۔خدا کی ذات اس سے بالکل بری ہے کیونکہ اس صورت میں وہ محتاج اور محدود ہوجائے گا اور ناقص کے ساتھ یکساں بلکہ ایک ہوکر خود بھی ناقص ہوجائے گا۔

۶۔وہ مَرئی نہیں ہے۔ یعنی آنکھوں سے دیکھنا اس کو غیر ممکن ہے کیونکہ آنکھوں سے وہی چیز دیکھی جاتی ہے جو سامنے ہو اور رنگ، شکل رکھنے والا جسم ہو۔

خدا نہ جسم ہے، نہ رنگ وشکل رکھتا ہے۔نہ کسی خاص سمت میں محدود ہے اس لئے اس کے دیدار کا اعتقاد صحیح نہیں ہے۔

۷۔اس کی ذات میں تغیرات کا ہونا اور حالتوں میں تبدیلی پیدا ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ پیدا ہونے والی حالت اگر کمال ہے تو اس کی ذات سے جدا نہیں ہے اس لئے ہمیشہ سے یہ کمال ثابت ہوگا اور اگر کمال نہیں ہے تو اس کی ذات سے اس کا تعلق نہیں ہوسکتا۔

بے شک اس کے افعال دنیا میں مصالح کے مطابق مختلف صورتوں سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں

اور مصلحتوں کی تبدیلی سے ان میں تبدیلیاں بھی ہوتی ہیں۔ انہی کو ''بدا'' کہا جاتا ہے۔ لیکن ان تمام تبدیلیوں کا علم اس کو ہمیشہ سے ہوتا ہے اس لئے نہ وہ علم کے تغیر کا سبب ہیں اور نہ پشیمانی وندامت کا نتیجہ۔

۸۔ خدا کی ذات کے علاوہ صفتیں نہیں ہیں اس لئے کہ اگر خدا کی صفتیں ذات کے علاوہ ہوں تو خود ذات کمال سے خالی ہوگی اور صفتوں کی محتاج ہوگی۔ پھر اس کو ان صفتوں سے متصف (Characterized) ہونے کے لئے کسی دوسرے سبب کی ضرورت ہوگی تو خدا کی ہستی اپنے کمال میں غیر کی محتاج ہوجائے گی اور اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ غیر اس سے مقدم ہوگا اس طرح توحید کا جو اصل اصول ہے قلع قمع ہوجائے گا۔

عدل

خدا کے افعال سب حکمت اور مصلحت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ وہ کوئی برا کام نہیں کرتا اور نہ کسی ضروری کام کو ترک کرتا ہے۔ اس میں حسب ذیل باتیں داخل ہیں:

(۱) دنیا کے تمام افعال بجائے خود یا اچھے ہیں یا برے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی بات کی اچھائی، برائی کو ہماری عقل پورے طور پر نہ سمجھ سکے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ حقیقۃً بھی وہ اچھے یا برے نہیں ہیں۔ خدا جو کام کرتا ہے وہ اچھا ہی ہوتا ہے۔ برا کام وہ کبھی نہیں کرتا۔ خدا ظلم اور ناانصافی سے بری ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ بندوں کو غیر ممکن باتوں کا حکم دے یا ایسے کام کرے جو بالکل فضول ہوں اور جن کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ تمام باتیں نقص ہیں اور خدا ہر نقص سے بری ہے۔

(۲) خدا نے انسان کو اس کے افعال میں خود مختار بنایا ہے یعنی وہ جو کچھ کام کرتا ہے اپنے ارادہ واختیار سے کرتا ہے۔ بے شک یہ قدرت خدا کی طرف سے عطا کی ہوئی ہے اور جب وہ چاہتا ہے تو اس قدرت کو سلب کر لیتا ہے لیکن جب وہ قدرت کو سلب کر لے تو انسان پر ذمہ داری باقی نہیں رہ سکتی۔ یعنی اس صورت میں جو کچھ سرزد ہو اس پر کوئی سزا نہیں دی

جاسکتی۔(جیسے پاگل آدمی ناشر)

خدا بندوں کو اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے اور بری باتوں سے روکتا ہے۔اچھے کاموں پر وہ انعام عطا کرتا ہے اور برے کاموں پر سزا دیتا ہے۔اگر اس نے انھیں مجبور پیدا کیا ہو یعنی وہ خود ان کے ہاتھوں سب کچھ کام کراتا ہو تو احکام نافذ کرنا اور جزا و سزا دینا بالکل غلط اور بے بنیاد ہوگا۔خدا کی ذات ایسے غلط اور بے جا طرزِ عمل سے بری ہے۔

(۳) خدا کو بندوں کے تمام افعال کا علم ہمیشہ سے ہے لیکن اس کا علم ان لوگوں کے افعال کا باعث نہیں ہوتا بلکہ چونکہ یہ لوگ ان افعال کو اپنے اختیار سے کرنے والے ہیں اس لئے خدا کو ان کا علم ہے۔

(۴) خدا کے لئے عدالت کو ضروری قرار دینے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ ظلم یا فعل شر یا عبث پر قادر نہیں ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ خدا کی کامل ذات اور اس کے علم وقدرت کے لئے یہ شایان نہیں ہے کہ وہ ظلم و فعل شر وغیرہ کا ارتکاب کرے۔اس لئے ان افعال کا صادر ہونا اس سے بالکل غیر ممکن ہے۔

عقیدۂ توحید وعدل کا انسانی معاشرہ پر اثر

توحید سے عالم انسانیت کو ایک مشترک نقطہ کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے جو سب کا مرکز قرار پائے۔ہزار در ہزار نسل، وطن، قوم اور رنگ کے تفرقوں کے باوجود دنیا منسلک ہوجاتی ہے ایک نظام میں اس ایک ہستی کے اقرار سے جو سب کا خالق اور معبود ہے۔

پھر یہ کہ اس سے انسان میں احساس پیدا ہوتا ہے کہ وہ مطلق العنان نہیں ہے۔اگر سب ذاتی خواہشوں کے غلام ہوتے تو ہر ایک کی طبیعت اور خواہش کے اختلاف سے مقصد اور عمل میں اختلاف پیدا ہوسکتا تھا مگر یہ سب ایک حاکم کے فرماں بردار ہیں اس لئے ان کا آہنگ عمل اور مقصد ایک ہونا چاہئے۔یہ حاکم کیسا ہے؟ حاضر و ناظر ہے۔ہر جگہ موجود ہے اور ہر بات کو

جانتا ہے۔اس لئے انسان کو ہوشیار رہنا چاہئے کہ کوئی بات خلاف قانون بجا نہ لائے، کسی کام کو چوری چھپے کرتے ہوئے مطمئن نہ ہو کہ کسی نے نہیں دیکھا کیونکہ اسی نے دیکھا ہے جس کے ہاتھ میں جزا و سزا ہے۔

وہ ایک اکیلا ہے۔کوئی اس کا مدمقابل نہیں۔اس لئے بس اسی کی رضامندی کی فکر رہنا چاہئے اور اسی کی ناراضگی سے اندیشہ کرنا چاہئے اس کی طاقت ہر ایک سے غالب ہے اس لئے ناحق کسی طاقت سے مرعوب نہ ہو۔وہ ہر بات پر قادر ہے اس لئے اپنی ناتوانی سے کبھی ناامید نہ ہو۔

اس عقیدہ سے ایسی انسانی برادری کی تشکیل ہوتی ہے جس میں ہر ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد و مساوات کا احساس رکھتا ہو اور سب ایک نصب العین پر گامزن ہوں۔سب اپنی خواہشوں کو مشترک مقصد اور اُصول میں فنا کر دیں اور سب اپنے واحد حاکم کی رضامندی کے خلوت اور انجمن ہر حالت میں طلبگار رہیں اور کسی وقت قانون کے احترام کو ہاتھ سے نہ دیں۔ اس جماعت کے افراد میں خودداری ہو کہ وہ کسی مادّی طاقت کے سامنے سر نہ جھکائیں، بلند حوصلگی ہو کہ کسی دشوار مقصد کو ناممکن نہ سمجھیں اور اعتماد ہو جس سے کبھی اپنے دل میں یاس کا گزر نہ ہونے دیں۔

یہی وہ عناصر ترقی ہیں جو مرتبہ اقوام کے شایان شان ہیں۔

عدل کے ماتحت یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اس کا قانون جو اس کے تمام کاموں میں جاری ہے وہ عدالت ہے لہٰذا وہ بندوں سے بھی انصاف اور عدالت کا طالب ہے۔اس نے ہمیں ایک امانت دی ہے جس کا نام ''قوتِ اختیار'' ہے ہمیں اس اختیار کو قانونِ عدالت کے مطابق صرف کرنا چاہئے۔

اس عقیدہ سے اس برادری میں جو انسانیت کے حدود میں قائم کی گئی ہے تبادلۂ حقوق اور انصاف و مساوات کی بنیادیں مضبوط ہوتی ہیں۔

اس برادری کے افراد ایک دوسرے کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے کیونکہ یہ ظلم ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ایک کو دوسرے پر دولت وثروت یا طاقت واقتدار میں جو فوقیت نظر آتی ہے، یہ بالکل وقتی ہے اور عارضی، خالق کی نگاہ میں ان سب کے لئے ایک قانون ہے کہ بلندی ان کی کردار سے وابستہ ہے۔ گناہ اگر غریب کرے تو سزا ملے گی اور امیر کرے گا تو سزا پائے گا۔

وہاں اس کی دولت مندی کچھ کام نہ آسکے گی۔ نہ وہ رشوت دے کر اپنے بچاؤ کا سامان نکال سکے گا۔ اسی طرح اچھا کام اگر امیر کرے گا تو جزا پائے گا اور غریب کرے گا تو جزا پائے گا۔ اس کی غربت اس کی کسمپرسی کا باعث نہ ہوگی۔

اس طرح ہر شخص کو اپنے فرائض کا احساس پیدا ہوتا ہے اور اپنے اعمال کی جانچ کی ضرورت پڑتی ہے۔

افراط اور تفریط، اسراف اور کنجوسی سب ظلم ہیں اور ہر چیز میں وسط کا نقطہ عدالت کا مرکز ہے۔ انسانی کمالات کی دنیا اسی اعتدال کے نقطہ پر مبنی ہے۔

خدا کو عادل سمجھنا، اس اعتدال کی پابندی کا واحد محرّک (Motive) ہے اور اسی لئے جو اس اعتدال پر قائم رہیں انھیں عادل کہا جاتا ہے اور سچے مسلمان وہی ہیں جو عدالت کی صفت سے ممتاز ہوں۔

نبوّت

اس کے تحت میں حسب ذیل باتیں ہیں:

(۱) انسانی جماعت کو صحیح راستے پر چلانے کے لئے خدا کی جانب سے رہنما اور مصلح مقرر ہوتے رہے ہیں جن کے ذریعہ سے ان کو خداوندی احکام پہنچتے رہیں اور انتظامِ خلق دُرست ہو۔ ان مصلحین کو جو خدا کی طرف سے احکام پہنچانے کے لئے مقرر ہوتے ہیں نبی اور رسول کہتے ہیں اور انسانوں کی بہبودی کے لئے جو تعلیمات خدا کی طرف سے کسی معلم کے ذریعہ سے آتے

ہیں ان تعلیمات کے مجموعہ کو ''شریعت'' کہتے ہیں اور وہ رسولؐ کے ذریعہ سے دنیا کو پہنچتے ہیں۔

(۲) انسانی آبادی کا کوئی خطّہ اور کوئی طبقہ خدا کی جانب سے رہنمائی سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ممکن ہے کہ بعض اقوام اور بعض ممالک کے متعلق ہم کو صحیح علم نہ ہو کہ ان کی سچی رہنمائی خدا کی طرف سے کن اشخاص سے متعلق تھی لیکن یہ کلّیہ بہر حال صحیح ہے کہ ہر قوم کے لئے خدا کی طرف سے رہنما ضرور قرار دیا گیا ہے۔

(۳) انبیاء یعنی خدا کی طرف سے مقرر شدہ مصلحین عملی حیثیت سے دنیا کے لئے نمونہ ہوتے ہیں اس لئے انھیں گنہگار نہیں ہونا چاہئے اور نہ غلطیوں میں مبتلا ہونا چاہئے۔ نہ بھول چوک میں گناہ کا مرتکب ہونا چاہئے۔ اگر ایسا ہوگا تو ان کے ہاتھوں خلق خدا کے گمراہ ہونے کا اندیشہ پیدا ہوگا اور ایسے اشخاص کا جن سے یہ اندیشہ ہو، خدا کی طرف سے مقرر کیا جانا درست نہیں ہے۔

(۴) خدا کی طرف سے مقرر شدہ نبی کے پاس کوئی ایسی غیر معمولی مخصوص بات ہونا ضروری ہے جس کو وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرے اور کوئی دوسرا شخص اس کے مقابلہ میں اس کی مثال پیش نہ کر سکے۔ ایسی غیر معمولی بات کو ''معجزہ'' کہتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو سچے اور جھوٹے میں کوئی تمیز نہ ہوگی اور ہر شخص نبوت کا دعویٰ آسانی کے ساتھ کر سکے گا۔

(۵) ہمارے رسول حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ جو دنیا کے سامنے ہمیشہ کے لئے باقی ہے، قرآن مجید ہے۔ یہ اس زمانہ کے لوگوں کے لئے بھی معجزہ تھا اس لئے کہ اس کی فصاحت و بلاغت انسانی طاقت سے بالاتر تھی اور اب بھی معجزہ ہے اور ہمیشہ معجزہ رہے گا۔

(۶) قرآن خدا کا کلام ہے یعنی وہ رسولؐ کی ذاتی طاقت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ خدا کی طرف سے ان کے دل پر اُتارا گیا ہے۔ وہ پورا رسولؐ کے زمانہ ہی میں متفرق طور پر لکھ

گیا تھا۔ بعد وفات رسولؐ وہ تمام وکمال کتابی صورت میں جمع ہوگیا۔ نہ اس میں کوئی زیادتی ہوئی ہے اور نہ کمی اور نہ تبدیلی...... ہاں اس کی ترتیب شانِ نزول کے مطابق نہیں ہے۔

(۷) شریعت اسلام اپنی جامعیت کے لحاظ سے ہر زمانہ کے ضروریات کے لئے مکمل حیثیت رکھتی ہے اس لئے اس شریعت کے بعد کسی شریعت کے آنے کی ضرورت نہیں رہی اور نہ حضرت محمد مصطفیؐ کے بعد کسی نبی ورسول کے آنے کا محل رہا۔ قرآن مجید میں واضح طور پر اعلان کردیا گیا ہے کہ یہ سب سے آخری رسولؐ ہیں اور خود پیغمبرؐ نے بھی بتلایا کہ آپ کے بعد کوئی نبی ورسول آنے والا نہیں ہے۔

عقیدۂ رسالت کا عملی تقاضا

رسول خدائے احکم الحاکمین کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اس کے احکام خدا کے احکام ہوتے ہیں لہٰذا کسی کو رسولؐ کے مقابلہ میں رائے زنی، عقل آرائی اور طبع آزمائی کا حق نہیں ہے، نہ اس کے فیصلے کے بعد کسی چون وچرا کا موقع۔ اس طرح رسولؐ کے اقتدار کے تحت آپس کی طرفداری، جاہ طلبی، خودغرضی، انانیت، جبروت اور نفسانیت سے پیدا شدہ ہر کشمکش کو جو جماعت کے افتراق کا باعث ہوتی ہے، ختم ہوجانا چاہئے اور اسی میں جماعت کی تنظیم اور ترتیب اور تمام افراد کی فرض شناسی کا راز مضمر ہے۔

امامت

چونکہ رسولؐ کی زندگی دارِ دنیا میں محدود ہے اور وہ شریعت جس کی تبلیغ رسولؐ کی زبانی ہوئی ہے اس کی حفاظت اور نیز افرادِ ملّت کی عملی تربیت اور ان کو احکام شریعت کی صحیح تعلیم دینے کی ضرورت ہے، اس لئے رسولؐ کے بعد آپ کا ایک جانشین ہونا ضروری ہے جو تمام افراد ملت میں پورے طور پر اس رسولؐ کی شریعت اور تعلیم کی حفاظت کرنے کے قابل ہو۔ یہ جانشین امام ہوتا ہے اور یہی رسولؐ کا واقعی خلیفہ (Successor) ہوتا ہے۔ اس جانشین کا انتخاب خدا کی

جانب سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر ہونا چاہئے اس لئے کہ اگر رسولؐ کے دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد عام افراد کو ان کی رائے، خواہش اور مرضی پر چھوڑ دیا جائے تو مطلق العنانی اور خودغرضی برسرِ کار آجائے گی جس کا نتیجہ افتراق و انتشار و ابتری کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا اور اس طرح جو شیرازہ پیغمبرؐ خدا کی اطاعت مطلقہ کی بنا پر جمع ہوا تھا وہ بکھر جائے گا۔ امامت منصوصہ کا عقیدہ اس اجتماعی انتشار کا سدّ باب ہے۔ اس کے تحت میں حسب ذیل امور ہیں:

(۱) رسولؐ کے بعد بھی خداوندی قانون پر دنیا کو چلانے کے لئے مرکز موجود رہتا ہے۔

(۲) یہ مرکز ایسا ہوگا جو خود قانون پر عمل کا بہترین نمونہ ہو، اس لئے اسے بھی گناہوں اور خطاؤں سے بری ہونا ضروری ہے ورنہ پھر اس کے ہاتھوں خلق خدا کی گمراہی کا امکان ہوگا اور مفادِ امامت ختم ہوجائے گا۔

(۳) اسلام کسی شہنشاہیت کی بنیاد قائم نہیں کرتا بلکہ انسانیت کا نظام بناتا ہے اور ایک قوم کی تشکیل کرتا ہے جو انسانیت کا صحیح نمونہ ہو اور اس نظام انسانیت کے لئے ایک محافظ قرار دیتا ہے جو تمام انسانوں کا واحد مرکز ہو۔ یہ اپنے زمانہ میں رسولؐ ہیں اور رسولؐ کے بعد ان کے نامزد کردہ (Nominated) جانشین یعنی امام اور اگر امام براہِ راست راہنمائی کے لئے سامنے نہ ہوں تو ایسے افراد جو ان کے تعلیمات پر زیادہ سے زیادہ مطلع اور عامل ہوں۔

(۴) امام کے مقابلے میں کسی کو حکومت کا حق نہیں ہے اور جو حکومت اس طرح کی قائم ہو وہ حکومت غیر شرعی ہوگی۔

(۵) نظریۂ امامت میں صرف قرابت یعنی رسولؐ سے رشتہ داری کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ اصل معیار صفات کی بلندی اور اس کے لحاظ سے خالق کی جانب سے بحیثیت جانشینِ رسولؐ نامزد ہونا ہے اور اسی لئے محبت اہلبیتِ رسولؐ جو نجاتِ آخرت کے لئے ضروری

ہے اور بغیر اس کے انسان باایمان نہیں سمجھا جاسکتا یہ انھیں ہستیوں کی محبت ہے جو اپنے کردار کے لحاظ سے ''معصوم'' ہیں اور جنھیں خالق کی طرف سے ہدایتِ خلق اور نیابتِ رسولؐ کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔

(۶) چونکہ ہدایت خلق اور حفاظت شریعت کا کام مستقل طور پر قائم ہے، اس لئے اس سلسلہ کی کسی فرد کا آخرِ عمرِ زمانہ تک موجود رہنا ضروری ہے اور جب کہ وہ آنکھوں کے سامنے نہ ہو تو اسے پردۂ غیبت میں باقی اور برقرار اور اپنے طور پر برسرِ کار ماننا ضروری ہے۔

معاد (Resurrection)

اس کے تحت میں حسب ذیل امور ہیں:

(۱) خدا کی طرف سے بندوں کو ان کے اچھے اور برے افعال کا بدلہ ملنا ضروری ہے۔ جو اچھے کام کریں انھیں جزاء اور جو برے کام کریں اُنھیں سزا ملے گی اس لئے کہ خدا عادل ہے اور عدالت کا تقاضا یہی ہے۔

(۲) جزاء وسزا کے لئے ایک دن مقرر ہے جسے ''قیامت'' کہتے ہیں اس دن سب مرنے والے دوبارہ زندہ ہوں گے تا کہ انھیں جزاء وسزا عطا کی جائے۔

(۳) جزاء یعنی اچھے کاموں پر جو انعام کا اعلان ہے وہ کبھی ٹل نہیں سکتا لیکن گناہوں پر سزا کا جو اعلان ہے وہ صرف استحقاق کا پتہ دیتا ہے۔

یعنی یہ شخص سزا کے قابل ہے لیکن عفو وکرم کے ماتحت ہوسکتا ہے کہ خدا اس سے درگزر کردے۔ اس کا نام ''مغفرتِ ذنوب''، یعنی گناہوں کی بخشش ہے۔

(۴) ان گناہوں کی بخشش کبھی رسولؐ یا ائمہ دینؑ کی بارگاہِ الٰہی میں عرضداشت سے ہوتی ہے۔ اس کو شفاعت کہتے ہیں۔

اصول دین کا خلاصہ یا اصل جوہر

مذکورۂ بالا اصول دین کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کو مان کر ایک ایسی قوم کی تشکیل ہوتی ہے جو خدا کی بادشاہت کو تسلیم کرے اور اسی کے ماتحت اس کے مقرر کردہ حاکم (رسولؐ) اور اس کے نائبین (اولوالامر) یعنی ائمہ معصومینؑ کے احکام پر وفاداری کے ساتھ عمل کرے۔ خالق کی عظمت کے مقابلہ میں کسی دنیوی طاقت سے مرعوب نہ ہو اور اس طرح کسی باطل اقتدار کی بیعت کے لئے تیار نہ ہو اور اقتدارِ الٰہی کے مقابلہ میں خود اپنے ذاتی اختیار اور خودرائی سے کبھی کام نہ لے اور اس کے مقرر کردہ مرکز سے منحرف نہ ہو اسی کا نام ہے ''شیعیت'' اور یہی ہے ''حقیقتِ اسلام''۔

اصول دین کے نمایاں پہلو یہ ہیں:

(۱) خالق کی ذات کو اس کے شایانِ شان کمال کے ساتھ ماننا۔ اس کا نام توحید ہے۔

(۲) خالق کے افعال کو اس کے شایانِ شان حکیمانہ رفعت کے ساتھ ماننا۔ یہ عدل ہے۔

(۳) رہنمایان دین کو جو اللہ کے مقرر کردہ ہیں کامل طور پر کردار کی ہر پستی سے اونچا ماننا۔ جس کا نام ''**عصمت**'' ہے۔ یہ نبوت کا لازمی جزء ہے۔

(۴) خالق کی طرف کے رہنمائی کے نظام کو تا قیامت باقی ماننا اور ''حکومت الٰہیہ'' کو اس کے تمام تقاضوں کے ساتھ قبول کرنا۔ اس کا نام ''**امامت**'' ہے۔

(۵) جزاء وسزا کے لئے اس دورِ زندگی کے اختتام کے بعد ایک دوسرے دورِ حیات کو تسلیم کرنا۔ اسے معاد کہتے ہیں۔

مذہب شیعہ کے خصوصیات

(عقائد کے لحاظ سے)

(۱) تنزیہ خالق یعنی خداوندعالم کے کمالِ ذات کے خلاف کسی طرح کے بھی نقص، کسی طرح کی جسمانیت، کسی طرح کی بھی مشابہت کو غیر کے ساتھ گوارا نہ کرنا۔

اسی بناء پر دنیا یا آخرت کسی عالم میں بھی وہ جسمانی آنکھ سے خالق کے دیدار کو صحیح نہیں سمجھتے۔

اس کے لئے ذات کے علاوہ صفات نہیں سمجھتے کیونکہ اس طرح ذات اپنے کمال میں صفات کی محتاج قرار پاتی ہے۔

ذاتِ خالق کے سوا کسی قدیم کا تصور نہیں کرتے مثلاً اگر ذات کے علاوہ اس کے کلام کو بھی قدیم سمجھا جائے یا مزید آٹھ صفتوں کو قدیم سمجھا جائے تو صفتِ قِدَم میں ذاتِ الٰہی کے شریک دوسرے امور ہوجاتے ہیں۔ اس لئے جس طرح تمام ادیانِ عالم میں دین اسلام میں توحید سب سے زیادہ مکمل ہے اسی طرح تمام فرقِ اسلامیہ میں شیعی مذہب کی توحید سب سے زیادہ خالص ہے۔

(۲) عدل الٰہی کو پورے اس کے تقاضوں کے ساتھ تسلیم کرنا جیسا کہ پہلے لکھا گیا اس کے معنی یہ ہیں کہ خالق کے افعال میں کوئی غلط (Wrong) کام، کوئی لغو (Worthless) کام، اور کوئی برا (Evil) کام نہیں ہوسکتا۔

(۳) شیعہ ''حق کو طاقت'' (Right is might) مانتے ہیں، اتنی ہمہ گیری کے ساتھ کہ خالق کے افعال میں بھی سوا حقّانیت اور انصاف کے کسی دوسرے تصور کے لئے تیار نہیں ہیں۔

یہ خیال کہ 'وہ قادر مطلق ہے لہٰذا اس پر کوئی پابندی نہیں' نتیجہ ہے ''طاقت کو حق'' (might is right) سمجھنے کا جو شہنشاہان خودمختار کی مطلق العنانی کا سنگ بنیاد ہے۔ شیعہ اس تصور کے شروع سے آخر تک خلاف ہیں۔

(۴) شیعہ ''تقدیر'' یا ''مشیتِ الٰہی'' کے کسی ایسے تصور کو درست نہیں جانتے جو ظالموں اور بدکاروں سے ان کے افعال کی ذمہ داری کو سلب کردے، اس طرح نہ خالق کے

افعال میں شر کا تصور رکھتے ہیں اور نہ دنیا میں کسی شر کے وقوع میں اس کے ارادہ اور عمل کی کارفرمائی کو صحیح سمجھتے ہیں۔اسی سے ظلم اور ظالموں سے نفرت کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے اور یہی صحیح معنی میں اُصول ''تبرّا'' کا سنگ بنیاد ہے۔

(۵) شیعہ حسن وقبح (اچھائی اور برائی) کو عقلی جانتے ہیں یعنی شریعت کے احکام سے قطع نظر کرتے ہوئے بجائے خود بھی افعال میں اچھائی اور برائی ہے۔یہ اور بات ہے کہ بعض چیزوں کی اچھائی اور برائی کے پہلوؤں تک ہمارا ذہن نہ پہنچ سکے مگر ذاتاً ان میں اچھائی یا برائی ہے ضرور اور اسی اچھائی یا برائی کی بناء پر شریعت میں حلال اور حرام کے احکام نافذ ہوتے ہیں۔ نہ یہ کہ اندھا دھند جس چیز کو خالق نے چاہا حلال کردیا اور جسے چاہا حرام کردیا۔

شیعی مذہب کے اس اصول کی بناء پر عقل انسانی کے لئے شرعی احکام کے فلسفہ تشریع پر غور وخوض کی راہیں کھلتی ہیں اور انسانی بصیرت کو جلا ہوتی ہے۔

(۶) شیعہ حکومت الٰہیہ کو اس کے پورے تقاضوں کے ساتھ تسلیم کرنے کے حامی ہیں۔ اسلام کے معنی ایک ''سر نہادن بطاعت'' کے ہیں اور دوسرے ''سپردن'' کے............دونوں کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ اللہ کی مرضی کے مقابلہ میں انسان کا حق خود ارادی خواہ شخصی ہو یا جمہوری کوئی چیز نہیں ہے۔حاکم مطلق صرف اللہ ہے اور جسے وہ اپنا نائب بنائے صرف اس کی اطاعت انسان پر فرض ہے۔اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا حقِ حکومت نہیں رکھتا اور جو حکومت اس کے مقابلہ پر قائم ہو وہ ناجائز ہے۔

(۷) شیعہ تعلیمات اسلامی اور کتاب وسنت کے علم کے لئے اس مرکز سے وابستہ ہیں جو خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بتایا ہوا تھا۔کبھی اس طرح کہ:

اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَ بَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ

بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِی۔

(میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑتا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور میری عترت جو میرے اہلبیتؑ ہیں، جب تک ان دونوں سے وابستہ رہو گے کبھی گمراہ نہ ہوگے۔)

کبھی فرمایا:

مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِیْ كَمَثَلِ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرَقَ وَهَوىٰ۔

(میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتی نوحؑ کی سی ہے۔ جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو اس سے الگ ہوا وہ غرق ہوا۔)

کبھی فرمایا:

اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا فَمَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيَاْتِ الْبَابَ۔

(میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے تو جو علم کا طلبگار ہو اسے دروازہ پر آنا چاہئے۔)

فرقۂ شیعہ نے رسولؐ اللہ کے بعد جس طرح حکومت کا حقدار صرف انھیں کو سمجھا جن کے لئے خدا و رسولؐ کا اعلان ہو چکا تھا، اسی طرح دینی تعلیمات کے باب میں بھی صرف انہی کی رہنمائی قبول کی اور وہ انھیں ارشادات کو دینی تعلیم کا سرچشمہ مانتے ہیں جو قرآن، حدیث رسولؐ اور ان اہلبیتؑ معصومینؑ سے پہنچے ہوں جنھیں پیغمبرؐ نے اپنے علوم کا ورثہ دار بنایا اور بتایا تھا۔

اسلام کے عملی ارکان اور احکام شرعی

قانون الٰہی کے تحت میں کچھ فرائض مقرر ہیں جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کی درستی کے لئے ضروری ہیں۔ ان میں سے جو بہت اہم حیثیت رکھتے ہیں وہ ''ارکان اسلام'' کہے گئے ہیں جنھیں عام طور پر ''فروع دین'' کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اُصول عقائد کے ساتھ وہی تعلق

رکھتے ہیں جو شاخوں کو درخت کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے اور بغیر ان پر عمل کے اسلام کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

قانون الٰہی کو مذہب کی زبان میں ''شریعت'' کہتے ہیں اور جو اس قانون کے تقاضے ہوں انھیں احکام شرعی کہا جاتا ہے۔

ضروریات دین

وہ شرعی احکام جو تمام مسلمانوں میں اس طرح تعلیم شدہ ہیں کہ بچہ بچہ انھیں جانتا ہے اُنھیں ''ضروریات دین'' کہا جاتا ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا واجب ہونا۔ شراب، زنا اور سودخواری کا حرام ہونا بلکہ نماز کی کچھ شرائط اور کچھ کیفیات مثلاً نماز کے لئے طہارت کا ضروری ہونا، قبلہ، شب وروز کی واجب نمازوں کی تعداد، ان کی رکعتیں اور قیام وقعود اور رکوع وسجود کا جزءِ نماز ہونا وغیرہ۔ یہ بھی ضروریات دین میں داخل ہیں جن کا منکر کافر ہے۔ اس طرح اگر فہرست ضروریات دین کی مرتب کی جائے تو وہ کافی بسیط ہوگی۔

احکام شرع کے ماخذ

احکام شرع حاصل کرنے کے چار ذریعے ہیں:

(۱) قرآن: اس میں جن آیات کے معنی ظاہر ہیں انھیں خود سمجھ کر عمل کرنا فرض ہے اور جن کے معنی مجمل یا مبہم ہیں ان کی شرح کو احادیث معصومینؑ سے معلوم کرنا چاہئے۔ اٹکل پچو ان آیتوں میں رائے زنی کرنا درست نہیں ہے۔

(۲) حدیث: یعنی رسولؐ اللہ اور آپ کے جانشین جو امامؑ تھے، ان کے اقوال وافعال۔

(۳) اجماع: اس میں عام اشخاص کا کسی بات پر متفق ہونا کوئی چیز نہیں جب تک کسی ذریعے سے یہ یقین نہ ہوجائے کہ امامؑ بھی ان سے متفق ہیں۔ اس کا موجودہ زمانہ میں حاصل ہونا غیر ممکن ہے۔

(۴) عقل: یقینی طور پر جو عقل کے فیصلے ہوں جیسے امانتداری کا مستحسن ہونا، خیانت کا فعل قبیح ہونا۔ یہ فیصلے عقل کے بھی مستند ہیں مگر قیاس یعنی ایک چیز کے شرعی حکم سے دوسری چیز کے شرعی حکم کا صرف گمان کی بناء پر اپنے دل سے نکالنا یہ ہمارے نزدیک بے اصل ہے اور اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

اصول عملیّہ

جس چیز کے بارے میں مذکورہ ماخذوں سے کوئی علم حاصل نہ ہو سکے اور اس میں شک ہو، اسے کیا سمجھا جائے اور عملاً کیا کیا جائے؟ اس کے قواعد وضوابط جو مذکورۂ بالا ماخذوں (Sources) ہی سے حاصل ہوئے ہیں، اصول عملیہ کہلاتے ہیں۔ یہ چار ہیں:

(۱) استصحاب (Convention): یعنی جو بات پہلے ہو، اسے باقی سمجھا جائے جب تک کہ اس میں تبدیلی کے وقوع کا علم نہ ہو۔

(۲) براءت (Non-conpulsion): یعنی جس شے کے متعلق شرع کی جانب سے فعل یا ترک کی پابندی ثابت نہ ہو، اسے جائز سمجھنا چاہئے۔

(۳) احتیاط (Precaution): یعنی جب شرع کی جانب سے وجوب یا حُرمت (واجب یا حرام ہونے) کی پابندی عائد ہونا ثابت ہو مگر پتہ نہ ہو کہ کیا واجب ہے یا کیا حرام ہے یا اس پابندی کے ادا کرنے کے طریقہ میں شک ہو تو ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ یقینی طور پر انسان بری الذمّہ ہو جائے اور حکمِ مولا کی تعمیل یقینی طور پر ہو جائے۔

(۴) تخییر (Option): جب کہ فعل یا ترک کی پابندی عائد ہونے کا یقین ہو مگر تعین کے ساتھ معلوم نہ ہو اور احتیاط کی کوئی صورت ہو ہی نہ، تو کسی بھی ایک پہلو پر عمل کرنے کا اختیار ہوگا۔

یہ تمام قاعدے جیسا کہ کہا گیا طبع زاد یا خود ساختہ (Self-styled) نہیں ہیں بلکہ انھیں شرع کے ماخذوں سے ثابت ہیں لہٰذا ان پر عمل درحقیقت انھیں شرعی دلائل پر عمل ہے

کوئی الگ چیز نہیں ہے۔

اجتہاد وتقلید

مذکورۂ بالا ماخذوں اور ان سے مستفاد اصول وقواعد سے احکام شرعیہ کو سمجھنے کی کوشش کا نام اجتہاد ہے، نہ کہ دل بخواہ احکام تراشنے کا اور جولوگ اس طرح احکام کو خود سمجھ سکیں، وہ ''مجتہد'' کہلاتے ہیں اور جو اتنی قابلیت نہیں رکھتے کہ وہ خود اس طرح احکام کو سمجھ سکتے ہوں تو ان کے لئے صحیح طریقہ احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا یہی ہوسکتا ہے کہ وہ کسی اپنے بھروسے کے مجتہد کی طرف رجوع کریں اور اس سے مسائل کو دریافت کر کے ان پر عمل کریں۔ اس کا نام ''تقلید'' ہے۔

وہ کوئی پیری مریدی کی طرح کی چیز نہیں ہے، اس لئے نہ مجتہد سے بیعت کرنا ہوتی ہے اور نہ کسی رسم کے ادا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ مجتہد کو اطلاع تک دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں آپ کا مقلد ہوتا ہوں۔

وہ بس مابین خود و خدا احکامِ الٰہی پر عمل کرنے کا ایک امکانی ذریعہ ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔

نماز اور اس کے لئے ضروری چیز طہارت

عملی ارکان میں سب سے اہم نماز ہے اور نماز کے لئے طہارت ضروری ہے۔

نجاسات

طہارت کے لئے سب سے پہلے ضرورت نجاستوں سے علاحدہ رہنے کی ہے جیسے پیشاب، پاخانہ، خون وغیرہ۔ ان میں سے اکثر چیزوں سے آلودگی طبّی حیثیت سے بھی امراض کا سبب ہے لیکن اس نجاست میں اصل دارومدار حکم شرع پر ہے۔ اس حکم شرعی کا باعث یہ طبّی مضرت بھی ہوسکتی ہے اور بسا اوقات دوسری مصلحتیں بھی ہوسکتی ہیں جیسے نفرت پیدا کرنا یا ایسے

لوگوں کے میل جول سے روکنا جن سے انسان کے لئے دینی حیثیت سے خطرہ ہے۔

ایک ضمنی مقصد ان تمام چیزوں سے علیحدہ رہنے میں صفائی بھی ہے مگر اصل مقصد صرف صفائی نہیں ہے۔ چنانچہ ان نجاسات میں علاوہ ان گندی چیزوں کے جیسے پیشاب، پاخانہ وغیرہ ایک نشہ دار سیّال چیز یعنی شراب وغیرہ بھی ہے۔ اس کی نجاست بظاہر اس کی حرمت کو طاقت پہنچانے کے لئے ہے تاکہ انسان اس سے متنفر ہو کہ رغبت نہ کرے۔ فعلِ حرام کی وجہ سے جنابت میں مبتلا ہونے والے کا پسینہ بھی نجس قرار دیا گیا جس سے اس فعل شنیع کی برائی کا ذہن نشین کرنا مقصود ہے اور اسی طرح غیر مسلمین کی نجاست کا حکم جو فقہِ جعفری کے مخصوصات میں سے ہے۔ یہ عقائد کفریہ سے ذہن کو دور کرنے کا ایک قوی ذریعہ ہے جس کی پابندی تعلیماتِ اہلبیتؑ کے رو سے قطعی طور پر ضروری ہے۔

مُطہّرات (پاک کرنے والی چیزیں)

جب کوئی شے مذکورہ بالا نجاستوں سے نجس ہوجائے تو اس کے پاک کرنے کے لئے سب سے اہم شے پانی ہے۔ یہ عارضی نجاست رکھنے والی ہر شے کا مطہر ہے۔

دوسرے زمین اس کے ذریعہ جوتوں کے تلے، ننگے پیر چلنے والوں کے پیروں کے تلوے۔ گاڑیوں کے پہیے وغیرہٗ غرض ہر ایسی چیز جو عموماً زمین پر چلتی ہے، اس نجاست سے جو اسی نقل وحرکت میں نجس مقامات پر چلنے سے پیدا ہو پھر اسی نقل وحرکت کے ذیل میں خودبخود پاک ہوتی رہتی ہے۔

تیسرے آفتاب۔ اس کے ذریعہ سے غیر منقولہ (Immovable/अचल) چیزیں جیسے دیوار، در، درخت اور میوہ جو درخت پر ہو۔ وہ اگر بحالت تری نجس ہوں تو دھوپ سے خشک ہوکر پاک ہوجائیں گی۔

یہ مطہرات وہ ہیں جن سے عارضی نجاستیں دور ہوتی ہیں اور جو اصلی نجاست ہے جیسے

پاخانہ، خون، کُتّا، سور اور کافر وغیرہ اس کی اگر نوعیت بالکل بدل جائے اس طرح کہ وہ پہلی شے باقی ہی نہ رہے جیسے جل کر راکھ ہو جائے یا کتّا نمک زار میں گر کر نمک ہو جائے تو اب جو شے وجود میں آئی ہے وہ پاک سمجھی جائے گی۔ اسی طرح کافر اگر مسلمان ہو جائے تو اب نجاستِ کفر اس کی ختم ہو گئی اور وہ مسلمان ہو کر طاہر ہو گیا۔

وہ سیال (Fluid) چیز جو بغیر کسی قید و اضافت کے پانی نہیں کہی جا سکتی، آبِ مضاف کہلاتی ہے۔ اس سے کوئی شے پاک نہیں ہو سکتی اور وہ ذرا سی بھی نجاست کے پڑ جانے سے فوراً نجس ہو جائے گا چاہے کتنا ہی زیادہ ہو، لیکن آبِ مطلق یعنی جو حقیقی معنی میں پانی ہو اس کی کئی قسمیں ہیں:

ایک آب جاری یعنی جس کا کوئی خزانہ (Reserroir) ہے جس سے اس کا اتصال (ملا ہونا) ہے خواہ قدرتی ہو جیسے دریا، چشمہ اور کنواں وغیرہ یا بنایا ہوا ہو جیسے نل کا پانی جو بڑی بڑی ٹنکیوں سے تعلق رکھتا ہے، پانی جب تک برس رہا ہے وہ بھی اسی حکم میں ہے۔ یہ قسم پانی کی نجاست کے اتصال سے اس وقت تک نجس نہیں ہوتی جب تک نجاست سے بو، رنگ یا مزہ اس کا بدل نہ جائے اور اگر تبدیل ہو جائے تو وہ اس وقت تک نجس رہے گا جب تک وہ تبدیلی باقی ہے اور جب وہ تبدیلی ختم ہو جائے تو وہ پانی خود بخود پاک ہو جائے گا۔

دوسرے آب کثیر یعنی ٹھہرا ہوا پانی جو کُر بھر ہو یا اس سے زیادہ اس کا حکم یہ ہے کہ وہ نجس تو اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ نجاست سے رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے، لیکن اگر یہ تبدیلی ہو جائے تو پھر وہ خود سے پاک نہیں ہوگا بلکہ زوالِ تغیر کے علاوہ ایک کُر پانی اس میں ڈالنے کی ضرورت ہوگی۔

تیسرے آب قلیل یعنی کُر سے کم پانی۔ یہ ایک قطرہ نجاست سے بھی نجس ہو جائے گا اور پاک اسی صورت سے ہو سکے گا کہ ایک کُر پانی سے اس کا اتصال ہو۔

نماز میں جسم کا نجاست سے پاک ہونا لازم ہے اور لباس کا بھی سوا ایسے چھوٹے لباس کے جیسے ازار بند وغیرہ جس سے مرد کے لئے جتنا ستر نماز میں ضروری ہے وہ نہیں ہوسکتا۔ اس کے علاوہ سجدہ گاہ یعنی پیشانی کے رکھنے کی جگہ کو طاہر (پاک) ہونا لازم ہے۔

طہارت شرعیہ یعنی رفع حدث

حدَث ایک قسم کی اندرونی نجاست کا نام ہے۔ اس کے لئے سابقہ نجاستوں سے پاک ہونے کے علاوہ غسل یا وضو کی ضرورت ہوتی ہے جس حدَث کے دور کرنے کے لئے غسل کی ضرورت ہو، اسے حدَث اکبر کہتے ہیں اور جس کے دور کرنے کے لئے وضو لازم ہوتا ہے، اسے حدَثِ اصغر کہتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے غسل یا وضو ممکن نہ ہوتو دونوں صورتوں میں تیمم لازم ہوتا ہے۔

چونکہ عام حالات میں زیادہ تر نماز وضو سے ہوتی ہے لہٰذا پہلے اسی کو بیان کیا جاتا ہے۔

وضو

اگر پیشاب، پاخانہ وغیرہ ہوا ہو یا ہو چکا ہو اور ایسا کوئی امر نہ ہو جس سے غسل واجب ہوتا ہے تو اب نماز کا وقت آنے پر وضو واجب ہوگا۔

وضو کی ترکیب قرآن مجید میں موجود ہے:

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔

(جب نماز کے لئے کھڑے ہونے لگو تو اپنے چہروں اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھوؤ اور مسح کرو اپنے سروں کا اور پیروں کا گٹوں تک۔)

اس میں صاف پیروں کا ذکر سر کے بعد مسح کے تحت میں ہوا ہے اس سے پیروں کا مسح کیا جانا ہی ثابت ہوتا ہے جس پر فرقۂ شیعہ کا عمل ہے۔

غسل

غسل جوواجب ہیں وہ کچھ مرد وعورت میں مشترک (Common) ہیں اور کچھ عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔

جومشترک ہیں وہ جنابت، غسل اموات اور غسل مس میت ہے اور جو عورتوں سے خاص ہیں وہ حیض واستحاضہ ونفاس ہیں۔

ترکیب غسل کی سب میں ایک ہے کہ اگر حوض، نہر یا تالاب وغیرہ موجود ہوتو غسل ارتماسی ہوسکتا ہے کہ نیت کے ساتھ ایک دم غوطہ لگالے نہیں تو ترتیبی کرے اور وہ اس طرح کہ نیت کے ساتھ پہلے سر وگردن دھوئے۔ پھر دایاں حصہ جسم کا، پھر بایاں حصہ، جو اعضاء وسط میں ہیں اور ایک ہیں جیسے ناف وغیرہ انھیں دونوں طرف کے دھونے میں ملالے۔

ان میں سے ایک یعنی غسل مسِ میت کا وجوب فقہِ جعفری سے مخصوص ہے یعنی جب روح جسم سے نکلنے کے بعد جسم سرد ہوجائے اور ابھی غسل میت نہ ہوا ہوتو جو شخص اس دوران میں اس کو چھوئے، اس پر غسل واجب ہوگا۔ اسے فقہ اہلسنت میں واجب نہیں قرار دیا گیا حالانکہ احادیث میں وہاں بھی اس کا ذکر ہے۔

نماز کے دیگر شرائط

سترِ عورتین (دونوں شرمگاہوں کا چھپانا)

یہ شرط مرد اور عورت سب کے لئے ہے لیکن عورت کے لئے اس کے علاوہ، سوا چہرے اور دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کے، باقی تمام جسم کا چھپانا بھی لازم ہے۔ مرد کے لئے یہ ضروری ہے کہ لباس خالص ریشم کا نہ ہو۔ نیز سونے کی کوئی چیز بطور زینت پہننا ناجائز ہے۔ عورت کے لئے یہ دونوں پابندیاں نہیں ہیں۔ بے شک ایک یہ پابندی سب کے لئے ہے

کہ غیر ماکول اللحم (حرام گوشت جانور) کا کوئی جز لباس سے متصل نہ ہو اور لباس غصبی نہ ہو۔

قبلہ

یعنی کعبہ کی سمت رُخ ہونا۔ یہ نماز فریضہ میں بلاشبہہ واجب ولازم ہے اور اس میں فرقِ اسلامیہ کے درمیان کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔

نماز واجب کے اقسام

نماز کی اصل شرع میں جو قسمیں واجب ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

نماز پنجگانہ جو ہر شب وروز میں ہے اور ہفتے کی ایک نماز جمعہ اور نمازیں اور خاص حالات سے متعلق نمازِ آیات جو چاند گرہن، سورج گرہن اور زلزلہ وغیرہ میں ہوتی ہے۔

نمازِ جمعہ کا وجوب عینی اور اسی طرح نمازِ عیدین کا وجوب فقہِ جعفری کے رو سے مشروط ہے اس امر کے ساتھ کہ امام معصوم کی قیادت میں وہ ادا ہو۔

اگر امام معصوم کی قیادت میں نہیں ہے تو پھر نماز جمعہ کو ہمارے اکثر علماء واجب تخییر سمجھتے ہیں یعنی جمعہ کے دن اختیار ہے کہ ظہر ادا کرے یا جمعہ ادا کرے بشرطیکہ جماعت کے ساتھ ہو سکے ورنہ ظہر پڑھنا معیناً لازم ہے کیونکہ جمعہ فرادیٰ طور پر نہیں ہوسکتا۔

عیدین امام معصومؑ کی قیادت نہ ہونے کی صورت میں بس مستحب ہے۔ واجب نہیں ہے اور اُسے فرادیٰ اور جماعت دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے۔

ترکیب نماز

نماز کی ترکیب قرآن مجید میں تو ہے نہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے ثابت ہوئی ہے۔ یعنی آپ نے نماز پڑھ کر دکھائی کہ اس طرح نماز پڑھا کرو اور رسولؐ کے عمل کو صحیح طور پر ان کے اہلبیتؑ طاہرین علیہم السلام جیسا بتا سکتے ہیں دوسرے اجنبی افراد نہیں بتا سکتے۔ چنانچہ شیعہ نماز کے اسی طریقہ پر قائم ہیں جو اہلبیتؑ طاہرین سے ثابت ہے جس کے امتیازی

خصوصیات میں یہ ہے کہ نماز کے قیام میں ہاتھ کھلے رہیں۔ امام مالک جو مدینہ منوّرہ یعنی وطن رسولؐ کے باشندے ہونے کی وجہ سے سیرتِ رسولؐ سے بہ نسبت بیرونی علماء کے زیادہ واقف ہوسکتے ہیں وہ بھی اسی کے قائل تھے۔ چنانچہ اہلسنت میں سے بھی مالکی حضرات عموماً ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں۔

اس کے علاوہ سورۂ حمد اور دوسرے سوروں کے ساتھ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لازمی جزء ہے جسے بآوازِ بلند کہنا بہتر ہے۔ اس میں امام شافعی اور ان کے تابعین شیعوں سے متفق ہیں۔ اس کے علاوہ سجدے میں یہ پابندی ہے کہ زمین یا نباتاتِ زمین ہی پر سجدہ کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ کھانے اور پہننے کی چیز نہ ہو۔ آسانی کے لئے سجدہ گاہ رکھی جاتی ہے تا کہ کسی وقت دقّت نہ ہو۔ احادیث اہلسنت سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سجدے کی جو کیفیت ثابت ہوتی ہے وہ اس کے مطابق ہے۔

حالت سفر میں ہر چار رکعت والی نماز دو رکعت ہوجائے گی، اسے قصر کہتے ہیں۔ قصر کا حکم قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے۔ نیز حالتِ سفر میں روزے کو ترک کر کے کسی اور زمانہ میں اس کی قضا کا حکم بھی قرآن سے ثابت ہے جس پر فرقۂ شیعہ کا عمل ہے۔

نماز جماعت

نماز کا بجماعت ہونا افضل ہے اور اس کا ثواب عظیم ہے مگر شیعہ ہر کس و ناکس کی اقتداء میں نماز درست نہیں سمجھتے بلکہ جماعت کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس شخص کے پیچھے نماز پڑھے وہ عادل ہو۔

''عادل'' کے معنی یہ ہیں کہ گناہ کبیرہ سے کلیتہً (پورے طور سے) پرہیز رکھتا ہو اور صغیرہ گناہ پر بھی اصرار نہ ہو (پھر نہ کرتا ہو) یعنی اگر ہوتا ہو تو اتفاق سے عمل میں آتا ہو۔ اس کا خوگر (Habitual) نہ ہو۔ اس کے علاوہ ایسی باتوں سے پرہیز کرے، جو عام طور پر انگشت نمائی

(Objection) کا باعث ہوتی ہیں۔ یہ باتیں ''خلاف مروّت'' کہلاتی ہیں۔

نماز جماعت میں فقہ جعفری میں کچھ اور شرطیں بھی ہیں مثلاً یہ کہ امام اور ماموم کے بیچ میں کوئی دیوار وغیرہ حائل نہ ہو، ورنہ اقتداء درست نہ ہوگی بلکہ اس طرح کھڑا ہونا چاہئے کہ امام کو دیکھ رہا ہو یا ایسے شخص کو جو امام کا مشاہدہ کرتا ہے، اس کے علاوہ اگر امام اوپر اور ماموم نیچے ہو یعنی درمیان میں دو ایک سیڑھیاں ہوں تو نماز صحیح نہ ہوگی۔

روزہ

سال کے ایک مہینے میں جو ماہِ رمضان ہے شروع سے آخر تک ہر دن طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک روزہ واجب ہے جس میں مسلمانوں کے درمیان اصل حکم میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور روزہ میں جن چیزوں کو ترک کرنا لازم ہے جنھیں ''مفطر اتِ صوم'' کہتے ہیں ان میں بھی کوئی خاص اختلاف نہیں ہے مگر فقہِ جعفری میں صرف سورج کا نگاہ سے چھپ جانا افطار کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ جب مشرق کی طرف کی سرخی دور ہو کر ذرا سیاہی چھا جائے اس وقت روزہ کھولنا چاہئے۔

قرآن مجید میں روزہ کی حد یہ بتائی گئی ہے کہ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ۔ (یعنی) ''روزہ کو رات تک پورا کرو'' اور یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ صرف سورج کے آنکھ سے چھپ جانے پر رات کا اطلاق کسی طرح نہیں ہوتا۔

زکوٰۃ

قرآن میں زکوٰۃ کا اکثر جگہ صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ زکوٰۃ اس پر واجب ہوتی ہے جس کے پاس بقدر نصاب مال سال بھر کا رکھا رہے۔ اس کے احکام میں فرقِ اسلامیہ کے درمیان بظاہر کوئی خاص اختلاف نہیں ہے۔

خمس

حقوق مالیہ میں زکوٰۃ کے علاوہ خمس کے متعلق قرآنِ مجید میں نصِّ صریح موجود ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔ (انفال آیۃ ۴۰)

(جو کچھ بطور مالِ غنیمت تمہیں حاصل ہو، اس میں پانچواں حصہ خدا اور رسولؐ اور مخصوص صاحبانِ قرابت اور یتیموں، مسکینوں اور اپنے وطن سے دُور افتادہ اور پریشان حال آدمیوں کا ہے۔)

اس نص کے بعد یہ تو گنجائش نکل سکتی تھی کہ مَا غَنِمْتُمْ کی تشریح کے ماتحت ان اموال کی تعیین میں اختلاف ہوتا جن میں خمس واجب ہے۔ چنانچہ علمائے شیعہ کے درمیان اس بارے میں کسی حد تک اختلاف ہے مگر اصل حکم خمس کو تمام مسلمانوں میں متفق علیہ ہونا چاہئے تھا مگر صورت واقعہ یہ ہے کہ صرف فقہ جعفری کے پیرووں میں یہ حکم قرآنی آج تک باقی سمجھا گیا ہے اور شریعت کے پابند افراد اس پر عامل ہیں۔ باقی فقہ کے دوسرے مکاتب خیال میں خمس کو احکام شریعت سے خارج کر دیا گیا ہے جس کا کوئی جواز از روئے قرآن نہیں نکلتا۔

یہ ایک اور حیرت ناک بات ہے کہ سادات آل رسولؐ کے لئے دو خصوصی حکم از روئے شریعت ثابت ہیں۔ ایک یہ کہ زکوٰۃ غیر سادات کی ان پر حرام ہے اور دوسرے یہ کہ خمس میں ان کا حق ہے۔ پہلا حکم ظاہری طور پر قرآن میں موجود نہیں ہے بلکہ ''سنت'' سے ثابت ہے اور دوسرا قرآن مجید میں موجود ہے لیکن شیعوں کو چھوڑ کر دوسرے مسلمانوں میں پہلا حکم تو مسلماً باقی رہا جو سادات کے زکوٰۃ سے ممنوع ہونے کا تھا اور دوسرا جو سادات کو خمس کے ملنے سے متعلق تھا، فقہِ اسلامی سے خارج کر دیا گیا فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۔

حج

زندگی میں ایک بار بشرطِ استطاعت حج ہر مسلمان پر فریضۂ لازم ہے جس پر عام فرقِ اسلامیہ کے ساتھ فرقۂ شیعہ کا بھی ایمان ہے۔ مگر خاص مسئلہ جو از روئے قرآن ثابت ہے وہ

یہ ہے کہ ان لوگوں کے لئے جو خانۂ کعبہ کے باشندے نہ ہوں، دور سے جائیں ''حج تمتّع'' لازم ہے یعنی پہلے عمرہ کا احرام باندھیں اور پھر عمرہ کے احکام پورے کرنے کے بعد اس احرام کو ختم کردیں اور دوبارہ آٹھ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر عرفات جائیں اور مناسک حج بجالائیں۔ اسے فرقۂ شیعہ کے علاوہ دوسرے مسلمان ممنوع تو نہیں سمجھتے مگر اسے ضروری ولازمی نہیں جانتے۔ شیعہ بمتابعتِ قرآن باہر سے جانے والوں کے لئے اس کو تعیّن کے ساتھ لازم سمجھتے ہیں۔

اس کے علاوہ احرام کی کچھ پابندیاں مرد کے لئے فقہِ جعفری میں زیادہ ہیں مثلاً بحالت رفتار سر پر سایہ کرنا درست نہیں ہے۔ یہ سب پابندیاں رسولؐ وآل رسولؐ کے احکام کی بناء پر ثابت ہیں جن پر عمل کرنا شیعوں کے یہاں ضروری ہے۔

جہاد

یعنی نصرتِ دین میں تلوار یا دوسرے خوں ریز اسلحہ کے ذریعہ سے مقابلہ کرنا۔ اس میں پیش قدمی کرنا شیعی فقہ کی رو سے بغیر معصومؑ کی سربراہی یا اجازت خاص کے نہیں ہوسکتی اس لئے کہ جان دینا شہادت اسی وقت قرار پاسکتا ہے جب فی سبیل اللہ ہو اور فی سبیل اللہ یعنی رضائے الٰہی کے صحیح معیار کی شناخت یقینی طور پر معصومؑ ہی کی نگاہ کرسکتی ہے۔ ہاں جب کوئی حملہ آور ہو تو دفاعی طور پر جنگ کرنا بہر صورت درست ہے۔

والسلام
علی نقی عفی عنہ
۳؍ جمادی الثانی ۱۳۸۸ھ
علی گڑھ

فلسفۂ مذہبِ شیعہ

مصنف

تحریر: مشہور و معروف مورخ روشن خیال فلاسفر و حکیم مسیو ماربین جرمنی

فلسفۂ مذہبِ شیعہ

تحریر: مشہور ومعروف مورخ روشن خیال فلاسفر وحکیم مسیو ماربین جرمنی

جس سے حضرت سید الشہداءؑ کے عقلی رموز اور عزاداری کے اسلامی فوائد اور اِن دونوں کا بقائے اسلام میں جزوِ اعظم ہونا اچھی طرح واضح ہورہا ہے۔

حسینؑ ابن علیؑ ابن ابی طالب ابن عبدالمطلب ابن ہاشم ابن عبد مناف نواسہ ہیں محمدؐ کے جو شکم (اقدس) سے ان کی پیاری صاحبزادی فاطمہؑ کے پیدا ہوئے ان کے حق میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ تمام اخلاق اور صفات جو اس وقت عرب میں اچھے سمجھے جاتے تھے ان میں موجود تھے (ان حضرت نے) شجاعت (بہادری) وراثتاً اپنے پدر بزرگوار سے حاصل کی تھی آنجناب اپنے پدر (بزرگوار) کے احکام کو تمام مسلمانوں سے زیادہ جانتے تھے۔ آپ میں صفت سخاوت جو محبوب ترین صفات میں سے ہے اعلیٰ درجہ پر پائی جاتی تھی، آپ نہایت خوش بیان اور طلیق اللسان شخص تھے بالاتفاق تمام مسلمان حسینؑ کو اچھا سمجھتے تھے یہاں تک کہ وہ گروہ بھی جو ان کے پدر بزرگوار اور برادر عالی مقدار کو ناسزا کلمات کے ساتھ یاد کرتے ہیں یعنی خوارج آپ کے مداح وثنا خواں ہیں اور ان کی کتابیں آپ کے محاسن صفات اور مناقب سے مملو ہیں آپ غیرت دار، راست گو اور نڈر شخص تھے۔

حسینؑ کے حق میں مسلمانوں کے اکثر گروہ بڑے بڑے اعتقادات رکھتے ہیں لیکن بلاخوف معارضہ (اعتراض) کے نہایت اطمینان سے جو بات ہم اپنی کتاب میں لکھ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ علیؑ کے پیرو (یعنی شیعہ) حسینؑ کے بارے میں اس سے زیادہ عقیدت کیش ہیں کہ جتنا

مسیح کے (اطاعت گذار) نصاریٰ ان کے حق میں عقیدہ رکھتے ہیں، جس طرح سے ہم قائل ہیں کہ مسیح نے تمام زحمتیں گناہوں کے بخشوانے کے واسطے گوارا کیں اسی طرح شیعہ حسینؑ کے حق میں اعتقاد کرتے ہیں اور ان حضرت کو قیامت کے روز گنہگاروں کے واسطے شفیع مطلق جانتے ہیں حسینؑ کے حق میں اگر ہم ایسی بات کے قائل ہونا چاہیں جو ہرگز قابل انکار نہ ہوسکے تو وہ یہ ہے کہ حسینؑ اپنے زمانہ میں سیاست میں اعلی درجہ رکھتے تھے بلکہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ارباب دیانت میں سے کسی شخص نے ایسی موثر سیاست اختیار نہیں کی جیسے آنجناب نے اختیار فرمائی اور باوجودیکہ ان کے والد بزرگوار علیؑ حکیم الاسلام تھے اور نیز ان کی ذاتی حکمت ان کے مخصوص کلمات مشہور زمانہ حکماء سے ہرگز کم نہ تھے لیکن پھر بھی حسینؑ کی ایسی سیاست ان سے ظاہر نہیں ہوئی۔ اس بات کے ثبوت کے واسطے عرب جاہلیت کی تاریخ کی طرف تھوڑی توجہ کرنا ضروری ہے جس سے واضح ہوگا کہ بنی امیہ اور بنی ہاشم کے مابین سلسلہ قرابت تھا۔

یعنی یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے چچا کے بیٹے تھے کیونکہ ہاشم اور امیہ دونوں عبد مناف کے فرزند ہیں اسلام کے پیشتر دونوں ان چچازاد بھائیوں میں باہم اعلیٰ درجہ کی عداوت اور کدورت تھی۔ متواتر جنگ وجدل ہوا کرتے تھے۔ عرب کی اصطلاح کے موافق ایک دوسرے کا خون خواہ تھا۔ عرب میں (یہ دونوں قبیلے) بنی ہاشم امیہ اور بنی عزیز اور محترم اور صاحب سیادت تھے بنی امیہ باعتبار ثروت اور ریاست کے اور بنی ہاشم بلحاظ علم اور روحانیت کے (ریاست روحانی سے مراد خدمت خانہ کعبہ ہے اور اب تک یہ ریاست بنی ہاشم ہی کے اختیار میں ہے شریف مکہ کے واسطے بنی ہاشم میں سے ہونا لازم ہے) ابتدائے اسلام میں بنی امیہ اور بنی ہاشم کے مابین نفاق اور کدورت ایک اعلیٰ پیمانہ پر پہنچ گئی تھی۔ یہاں تک کہ محمدؐ نے مکہ کو فتح فرمایا اور تمام قریش اور بنی امیہ کو اپنا مطیع اور فرمان بردار بنایا یہی وجہ تھی کہ عرب میں بنی ہاشم کو طبعاً بزرگی مل گئی اور بنی امیہ کبھی مطیع ان کے ہوگئے یہ واقعہ بنی امیہ کے دلوں میں

حسد کی آگ بھڑکائے رکھتا تھا اور وہ بنی ہاشم سے اس کینۂ دیرینہ کے سبب سے انتقام لینے کی تاک میں رہتے تھے تا اینکہ محمدؐ کی رحلت کے بعد موقع پا کر انہوں نے اچھی طرح کوشش کی کہ محمدؐ کی جانشینی، ولیعہدی اصول کے موافق نہ ہونے پائے انجام کار (الیکشن) کے اصول پر کثرت آرا سے جانشینی کا فیصلہ قرار دے دیا اور بنی امیہ کی مخالفانہ قوت نے ایسا موقعہ نہ دیا کہ بنی ہاشم کی طرف کثرت آرا ہونے پائے اس میدان میں بنی امیہ کامیاب اور بنی ہاشم پر غالب آ گئے۔ اس خلیفہ تراشی کی مناسبت سے بنی امیہ نے مقام بلند حاصل کیا اور اپنے آئندہ امور کے لئے راہ صاف کر لیا اور ہر روز محمدؐ کے جانشینوں اور خلفاء کے نزدیک اپنے مراتب ومناصب بڑھا بڑھا کر سلطنت اسلام کے امور میں خود بھی رکن رکین بن گئے یہاں تک کہ تیسری جانشینی محمدؐ کی بنی امیہ میں مسلم ہوگئی اور ہر مقام میں اور ہر کام میں بنی امیہ عام طور پر نظم ونسق کے مختار ہو گئے اور آئندہ کے لئے بھی انہوں نے اپنی جگہ کو محکم کر لیا۔ یہ لوگ اس دیرینہ عداوت و کدورت کے سبب سے اور ان خونوں کی معاوضہ طلبی میں جو رسم عرب کے موافق بنی امیہ بنی ہاشم کے ذمہ رکھتے تھے۔ پاک نیت اور خلوص عقیدت اسلام کے ساتھ بہت کم ظاہر کرتے تھے ،اور باطن میں انہیں عار معلوم ہوتی تھی کہ دین پر توسکہ بنی ہاشم کا ہو اور یہ اس دین کی پیروی کریں لیکن اس وقت چونکہ مسلمان بہت تھے اور یہ لوگ بھی اس دنیا کی پیروی کے سایہ میں حصول مطلب کو منحصر سمجھے ہوئے تھے ظاہر بظاہر مخالفت نہ کرتے تھے بلکہ اسی دین کی پیروی کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب انہوں نے دیکھا کہ عزت کا اعلیٰ زینہ اور ترقی کا بلند مقام ان کے ہاتھ آ گیا اور اپنے جاہ وجلال کو مستحکم کر چکے فوراً کھلم کھلا احکام سے تمرد اور سرکشی شروع کر دی اور عام دربار میں اس دین پر جسے بنی ہاشم لائے تھے، تمسخر اور استہزا کے کلمات کہنے لگے۔ (شاید یزید کے کلمات اور اس کی حرکات کی طرف اشارہ ہے) بنی ہاشم نے بھی جب یہ رنگ دیکھا اور بنی امیہ کے خیالات ان کی سمجھ میں آنے لگے تو بیکار نہیں بیٹھے۔ محمدؐ کے

تیسرے خلیفہ کی حرکتوں کو عجیب وغریب پیرایہ میں لوگوں کو سمجھانے لگے اور مسلمانوں کو مخالفت خلیفۂ سوم پر برانگیختہ کردیا یہاں تک کہ مسلمانوں کے مختلف طبقات کے جو رئیس اور سردار تھے سب نے شرکت کر کے محمدؐ کے تیسرے خلیفہ کو جس کا نام عثمان تھا اور وہ بنی امیہ سے تھے قتل کر ڈالا اور کثرت آراء کے اصول کے موافق علیؑ چوتھے جانشین بنائے گئے۔

یہ دیکھ کر بنی امیہ نے یقین کرلیا کہ بنی ہاشم پھر اسی عظمت وسیاست کے پایہ پر پہنچ جائیں گے جو دور محمدؐ میں انہیں حاصل تھی یہ سبب تھا کہ معاویہ نے جو مدت سے پہلے جانشینوں کی طرف سے شام کا حاکم اور بہت مقتدر اور ہوشیار اور دوربین آدمی تھا۔ بہانہ کر کے عثمان کا قتل علیؑ کے اشارہ سے تھا مخالفت کا جھنڈا کھڑا کردیا اور مسلمانوں میں اختلاف ڈال دیا کہ جاہلیت کے اصول کے موافق عرب میں پھر تلوار کھنچ گئی۔ اب متعدد لڑائیوں میں اگرچہ معاویہ علیؑ پر غالب نہ آیا، مگر مغلوب بھی نہ ہوا۔ یہ وجہ تھی کہ بنی ہاشم کی ریاست سے بنی امیہ کی سرتابی کو کچھ زیادہ طول نہ ہوا تھا کہ علیؑ کو بھی قتل کردیا پس اس وقت معاویہ کو پورا غلبہ ہوگیا اور حسنؑ نے جو حسینؑ کے بڑے بھائی تھے اور محمدؐ کے پانچویں خلیفہ تھے معاویہ سے صلح کرلی۔ اور محمدؐ کی جانشینی دوبارہ بنی امیہ میں مسلم ہوگئی، ادھر تو معاویہ کو اقتدار حاصل ہوا اور ادھر اس نے بنی ہاشم کی قوتوں کو ضعیف کرنے کے لئے عملی کوشش شروع کردی اور ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نابود کرنے کے واسطے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ حسینؑ اس وقت اگرچہ اپنے بڑے بھائی حسنؑ کے فرمانبردار تھے تاہم بنی امیہ کی اطاعت میں شریک نہ تھے اور مصلحتاً ظاہر بظاہر ان کی (بنی امیہ کی) مخالفت بھی نہ کرتے تھے حسینؑ نے بالاعلان کہہ دیا کہ میں خدا کی راہ میں عنقریب قتل کیا جاؤں گا اور میں ناحق بات کی پیروی نہیں کروں گا۔ اس وجہ سے بنی امیہ کو ان کی جانب سے اندیشہ تھا یہاں تک کہ اس کشمکش نے طول کھینچا اور وہ زمانہ آگیا کہ حسنؑ اور معاویہ نے رحلت کی اور یزید معاویہ کا جانشین قرار پایا یعنی بطور اصول ولیعہدی کے اس جانشینی کے بارے میں موقوف کردیا گیا تھا۔

ولیعہد کے مقرر کرنے کے بعد صرف ایک رضانامہ بزرگوں سے حاصل کرتے یعنی رؤسائے قوم سے بیعت لے لیتے تھے (امام) حسینؑ نے ایک جانب تو یہ دیکھا کہ بنی امیہ کی حرکتیں جنہیں عام سلطنت حاصل ہو چکی تھی اور ریاست روحانی پر بھی وہ مسلط ہو چکے تھے۔ عنقریب مسلمانوں کے عقیدہ کو ان کے جد کے دین سے متزلزل کر دیں گے اور دوسری جانب انہیں اس بات پر یقین ہو گیا کہ چاہے وہ یزید کی اطاعت اختیار کر لیں یا نہ کریں۔ بنی امیہ اپنی دیرینہ عداوت انجام اندیشی کے خیال سے بنی ہاشم کے نابود کر دینے میں کسی قسم کی فروگذاشت نہ کریں گے۔ اور اگر تھوڑے دنوں بھی یہ حالت باقی رہی تو دنیا میں بنی ہاشم کا نام و نشان باقی نہ رہے گا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے بنی امیہ کے برخلاف اسلام میں ایک رو ولیوشن قائم کرنے کا مصمم قصد فرما لیا تھا۔ چنانچہ جس وقت سے یزید معاویہ کا جانشین ہوا۔ اس وقت سے آپ نے اس کی اطاعت سے انکار کو اپنے واسطے واجب سمجھ لیا اور آپ اپنی اس مخالفت کو کسی سے پوشیدہ نہیں کرتے تھے۔ اسی بنا پر یزید بھی آپ سے بیعت لینے اور آپ کو اپنا مطیع بنانے کے واسطے مصر اور کوشاں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے دیدہ و دانستہ اعلیٰ خیال کے واسطے جو آپ کے دماغ میں موجود تھا۔ اپنے لئے موت کو گوارا کیا اور اسلامی دنیا میں ایک اعلیٰ رو ولیوشن (انقلاب) قائم کرنے کی جہت سے آپ نے شہید ہونے پر پیشقدمی کی۔

جو شخص اس زمانہ کے حالات اور بنی امیہ کا طرز معاشرت اور تمام اسلامی گروہوں پر غالب آ جانا اور مسلمانوں کی سست اعتقادی ان تمام باتوں سے اچھی طرح واقفیت رکھتا ہے۔ وہ بلا تامل اس امر کی تصدیق کر سکتا ہے کہ حسینؑ نے اپنی جان دے کر اپنے نانا کے دین اور اسلام کے قاعدوں کو زندہ کر دیا اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا اور برقی احساس آنحضرت کے شہید ہونے سے مسلمانوں میں پیدا نہ ہوتا۔ ہرگز اسلام اپنی موجودہ حالت پر باقی نہ رہتا اور چونکہ ابھی اس کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اس لئے یہ بات ممکن تھی کہ اس کے رسوم اور قوانین بالکل نابود ہو جاتے چونکہ

حسینؑ کو اپنے والد کے انتقال کے بعد سے اس عالی مطلب کے پورا کرنے کا ارادہ تھا۔ اسی لئے آپ نے یزید کے جانشین معاویہ ہونے کے تھوڑے ہی دنوں بعد مدینہ سے اس بنا پر سفر اختیار کیا تاکہ مسلمانوں کے بڑے بڑے مقامات (مکہ وعراق وغیرہ) میں پہنچ کر اپنے اعلیٰ خیال کو منتشر فرمائیں۔ یہ آپ کی سیاست کا مقدمہ تھا۔ کہ جہان آپ قدم رکھتے تھے وہاں کے مسلمانوں کے دلوں میں بنی امیہ کی جانب سے نفرت پیدا ہوتی جاتی تھی۔

چونکہ یزید بھی ان باریکیوں سے بے خبر نہ تھا اس لئے جانتا تھا کہ اگر کسی چھوٹے مقام میں بھی اس کا خیال کارگر ہوگیا اور آپ نے علم مخالفت بلند کر دیا تو بلحاظ اس نفرت کے جو مسلمانوں کے دلوں میں بنی امیہ کے طرز معاشرت اور حکومت نے پیدا کر دی ہے اور بلحاظ اس قلبی توجہ کے جو مسلمانوں کو حسینؑ کے ساتھ اس وقت میں موجود ہے نہایت سرعت کے ساتھ آپ کا وہ خیال تمام اسلامی ممالک میں جاری وساری ہوجائے گا اور سلطنت بنی امیہ کا دائمی قلع وقمع ہوجائے گا۔ یہ سبب تھا کہ یزید نے تخت پر بیٹھتے ہی تمام باتوں سے پہلے حسینؑ کے قتل کرنے کا پکا ارادہ کرلیا۔ بنی امیہ کی سیاسی غلطیوں میں سب سے بڑی غلطی یہی تھی اور یہی ایک ایسی خطائے سیاسی تھی کہ جس کے سبب سے اپنے نام ونشان کو (بنی امیہ) نے صفحۂ ہستی سے نیست ونابود کر دیا۔ بہت بڑی دلیل اس بات پر کہ حسینؑ قتل گاہ تک گئے اور ہرگز ان کا قصد سلطنت اور ریاست حاصل کرنے کا نہ تھا یہ ہے کہ حسینؑ اپنے اس علم وسیاست اور تجربہ سے جو انہیں پدر (بزرگوار) اور برادر (عالی مقدار) کے زمانہ سے بنی امیہ کے ساتھ جنگ وجدل کرنے کے متعلق حاصل تھا خوب جانتے تھے کہ بحالت نہ مہیا ہونے اپنے اسباب کے اور بسبب اس اقتدار وعظمت یزید کے اس کے ساتھ مقابلہ کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ حسینؑ اپنے پدر (بزرگوار) کے مقتول ہونے کے بعد اپنے مقتول ہونے کی ہمیشہ پیشین گوئی کیا کرتے تھے۔ اور جس وقت سے کہ مدینہ سے آپ نے حرکت کی

صاف صاف اور بآواز بلند کہتے تھے کہ میں مقتول ہونے کے لئے جارہا ہوں اور اپنے سب ہمراہیوں سے بھی محض اتمام حجت کے لئے یہی بیان کرتے تھے تاکہ جو کوئی جاہ وجلال کے حرص وطمع میں ہمراہی چاہتا ہو جدا ہوجائے اور یہی بات ان کے وردزبان تھی کہ قتل گاہ کا راستہ میرے سامنے ہے اور یہ بھی (سمجھنے کی بات) ہے کہ حسینؑ کا اگر یہ ارادہ نہ ہوتا یعنی غور وفکر اور علم وارادہ کے ساتھ مقتول ہوجانے پر آمادہ نہ ہوتے تو اس طرح اپنا قتل گوارا نہ کرتے اور لشکر کے جمع کرنے میں (بقدر امکان) کوشش عمل میں لاتے۔ نہ یہ کہ جو ہمراہ تھے انہیں بھی متفرق و پراگندہ کردیتے چونکہ کوئی قصہ سوائے مقتول ہوجانے کے کہ جو ان خیالات عالی اور اس مقدس روولیوشن کا مقدمہ تھا ان کے مدنظر نہ تھا اس لئے انہوں نے یہی سمجھ کر کہ بہت بڑا ذریعہ اس کا بیکسی اور مظلومیت ہے اسی کو اختیار کیا تاکہ ان کی مصیبت دلوں میں زیادہ تر مؤثر ہوجائے۔

ظاہر ہے کہ وہ محبوبیت کا مرتبہ جو اس زمانہ میں حسینؑ کو مسلمانوں میں حاصل تھا اگر اس کے ساتھ اپنی قوت بڑھانا چاہتے تو ایک (بڑا) لشکر فراہم کرسکتے تھے مگر اس صورت میں اگر وہ مقتول ہوئے اور وہ مظلومیت جس کا نتیجہ عظیم الشان (روولیوشن) انقلاب تھا حاصل نہ ہوتا۔ کہ اپنے پاس سوائے ان لوگوں کے جن کی جدائی امکان سے باہر تھی کسی کو اپنے ساتھ نہیں رکھا مثل فرزند و برادر اور بھتیجوں اور بنی اعمام اور چند مخصوص احباب باوفا کے تا اینکہ ان سے فرمایا کہ تم بھی چھوڑ کر جدا ہوجاؤ۔ مگر انہوں نے منظور نہ کیا اور وہ بھی ایسے حضرات تھے کہ مسلمانوں کے نزدیک تقدس اور جلالت قدر کے اوصاف رکھتے تھے۔ اور ان کا حسینؑ کے ساتھ قتل ہوجانا اس واقعہ کی زیادہ عظمت وتاثیر کا سبب ہوا۔ حسینؑ نے اپنے علم وسیاست کی قوت کے ساتھ بنی امیہ کے ظلم وستم کے افشا میں اور ان خیالات کے اظہار میں جو بنی ہاشم اور اولاد محمدؐ کی عداوت میں ان لوگوں کے دلوں میں تھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ چونکہ بنی امیہ کی عداوت کو آپ اپنے اور اپنے خاندان کے ساتھ جان چکے تھے کہ میرے

قتل کے بعد بنی ہاشم کی عورتیں اور بچے (جو کہ آل محمدؐ تھے) اسیر ومقید ہو جائیں گے اور یہ واقعہ مسلمانوں میں علی الخصوص عرب میں اس درجہ پر تاثیر ہو جائے گا جس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بنی امیہ کی ظالمانہ حرکت اور ان کے بے رحمانہ سلوک جو انہوں نے اپنے نبیؐ کے حریم (مخدرات) اور اطفال کے ساتھ کیا۔ اس قدر مسلمانوں کے دلوں میں تاثیر کر گیا جو کسی طرح حسینؑ اور ان کے ہمراہیوں کے قتل ہو جانے سے کم نہ تھا جس نے خاندان محمدؐ کے ساتھ بنی امیہ کی دشمنی کو اور اسلام کے ساتھ ان کے عقائد کو اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے برتاؤ کو (اچھی طرح) واضح کر دیا یہ سبب تھا کہ حسینؑ اپنے ان دوستوں سے جو انہیں اس سفر سے ممانعت کرتے تھے صاف طور پر کہہ دیتے تھے کہ میں تو مقتول ہو جانے کے لئے جا رہا ہوں چونکہ ان لوگوں کے خیالات محدود تھے اور حسینؑ کے مقاصد عالیہ پر انہیں اطلاع نہ تھی اس سفر سے ممانعت میں اصرار کرتے تھے جس کا آخری جواب حسینؑ کی طرف سے یہ تھا کہ خدا کی مشیت یہی ہے میرے نانا نے مجھے یہی حکم فرمایا ہے اور جب وہ یہ اصرار کرتے تھے کہ جب آپ مقتول ہو جانے کی غرض سے جاتے ہیں تو عورتوں اور بچوں کو ہمراہ نہ لے جایئے تو جواب دیتے تھے کہ خدا کی مشیت یہی ہے کہ میرے عیال اسیر ومقید ہوں اور حسینؑ کے یہ کلمات اس وقت چونکہ روحانی ریاست کی حیثیت سے تھے لاجواب تھے یعنی کسی کو مجال دم زدن نہ ہوتی تھی اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ حسینؑ سوائے ان عالی خیالات کے جو ان کے سر میں تھے کوئی دوسری غرض خیال میں لاتے ہی نہ تھے اور (ظاہر ہے) کہ یہ مصائب انہوں نے سلطنت و بادشاہی کے لئے برداشت نہیں کئے اور نہ بغیر سمجھے ہوئے اس مہلکۂ عظیم میں انہوں نے قدم رکھا ہے جیسا ہمارے بعض مورخین نے خیال کر لیا ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ وہ اپنے ان مخصوص اصحاب سے جن کا دماغ روشن اور عقل سلیم تھی اس واقعہ سے سالہا سال پیشتر اپنی مصیبتوں سے تسلی دینے کی غرض سے کہا کرتے تھے کہ میرے قتل ہو جانے کے بعد اور ان

جانکاہ مصائب گذر جانے کے بعد خداوند عالم ایک جماعت کو آمادہ کرے گا جو حق کو باطل سے جدا کرلیں گے اور ہماری قبروں کی زیارت کریں گے اور ہماری مصیبتوں پر روئیں گے اور دشمنان آل محمدؐ کو اچھی طرح ہلاک کریں گے یہ لوگ خدا کے دین اور میرے نانا کی شریعت کی ترویج کریں گے۔ اور میرے جد بزرگوار انہیں دوست رکھیں گے اور وہ قیامت کے دن ہمارے ساتھ محشور ہوں گے۔

اگر حسینؑ کے کلمات وحرکات پر باریک بیں نگاہ سے غور کیا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ بحیثیت سیاست انہوں نے بنی امیہ کے قبائح و شنائع اور بنی ہاشم کے ساتھ ان کی قلبی عداوت اور نیز اپنی مظلومیت ظاہر کردینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور یہ بات ان کے لئے حد درجہ کی سیاست اور قوت قلب اور اپنے مقصد عالی کے پورا کرنے میں خود رفتگی کو ثابت کررہی ہے حسینؑ نے اپنی زندگی کے آخری وقت میں اپنے طفل شیر خوار کے باب میں وہ کام کیا کہ زمانہ کے فلاسفہ کے عقول کو متحیر کردیا۔ یعنی اس وقت آخر میں ان جانکاہ مصیبت کے ہجوم میں ان افکار کثیرہ کے تراکم میں اس تشنگی میں اس کثرت سے جراحات میں بھی اپنے مقصد عالی سے چشم پوشی نہ کی اور باوجودیکہ جانتے تھے کہ ان کے فرزند صغیر پر بنی امیہ رحم نہ کریں گے محض اس غرض سے کہ اپنی مصیبتوں کی عظمت بڑھاویں۔ اور یہ مصائب زیادہ عظیم الشان ہوجائیں اس بچے کو اپنے ہاتھ پر بلند کرکے سب سے اس کے لئے پانی کی خواہش کی اور زبان تیر سے اس کا جواب سنا۔ گویا اس عمل سے حسینؑ کی غرض یہ تھی کہ تمام اہل عالم واقف ہوجائیں کہ بنی امیہ کی عداوت بنی ہاشم کے ساتھ کس حد کی تھی۔ اور تصور کرلیں کہ یزید دفاع کے لئے ایسے ظلم وستم کرنے پر مجبور نہ تھا اس لئے کہ شیر خوار بچے کا ایسی حالت میں اس وحشت ناک طریقہ سے قتل کردینا سوائے وحشیت اور بہیمانہ عداوت کے جو ہر دین و مذہب وقانون وقاعدہ کے منافی ہے اور کچھ ظاہر نہ کرتا تھا اور یہی ایک نکتہ قبائح اعمال اور نیّات فاسدہ اور عناد بنی امیہ کا

پردہ فاش اچھی طرح کرسکتا ہے اور تمام اہل عالم علی الخصوص مسلمانوں پر ظاہر کردیا کہ بنی امیہ فقط احکام اسلام کی ہی مخالفت میں ایسی حرکات نہیں کرتے بلکہ جاہلانہ تعصّبات کی وجہ سے کوشاں ہیں کہ ایک متنفس بھی بنی ہاشم میں کا خصوصاً عترت محمدؐ کا باقی نہ چھوڑیں ان خیالات عالیہ کے ساتھ جو حسینؑ کے مدنظر تھے بوجہ اس عقل عالی اور سیاست کے جو ان کے لئے مسلم تھی ۔ جب تک مقتول ہوں کوئی کام ایسا نہیں کیا جس سے یہ ظاہر ہو سکے کہ بنی امیہ اس کے دور کرنے میں مجبور ہیں یہاں تک کہ باوجود اس اقتدار کے جو مسلم تھا اور باوجود کمال یا اثر ہونے کے حسینؑ نے کسی ایک شہر پر بھی بلاد اسلامیہ میں سے قبضہ نہیں کیا اور نہ کسی حکومت پر مملکت یزید سے حملہ کیا اور انجام میں قبل اس کے کہ حسینؑ سے کوئی مخالفانہ یا غیر مطیعانہ حرکت یا شورش و بلوہ ظاہر ہونے پائے انہیں ایک بیابان بے آب وگیاہ میں محاصرہ کرلیا۔ حسینؑ نے ہرگز نہ کہا تھا کہ میں بادشاہ ہوں گا یا میں بادشاہی کا طالب ہوں فقط بنی امیہ کے اعمال قبیحہ کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا کہ ان کی وضع وطرز سلوک باعث اضمحلال اسلام ہے اور اپنے مقتول ہونے کی خبر دی تھی اور اپنی مظلومیت پر خوش ومسرور تھے۔ اور جب انہیں جنگل میں گھیرا تھا اس وقت بھی وہ کہتے تھے کہ اگر مجھے چھوڑ دو تو میں آمادہ ہوں کہ میں اپنے عیال واطفال کو لیکر سلطنت یزید یعنی مملکت اسلامیہ سے باہر چلا جاؤں اسی ایک نکتہ نے جس سے حسینؑ کی سلامت نفس واضح ہے مسلمانوں کے دلوں میں برخلاف بنی امیہ کے انتہا درجہ کا اثر کیا۔ حسینؑ سے پہلے بھی بہت سے رؤسائے روحانی اور ارباب دیانات بحالت ظلم قتل کئے گئے ہیں اور ان کے قتل کے بعد ہی (روولیوشن) انقلاب ہوا ہے اور ان کے تابعین نے ان کے دشمنوں پر تلوار کھینچی ہے جس طرح بنی اسرائیل میں مکرر اتفاق ہوا ہے اور حضرت (یحییٰ) کا قصہ تاریخی بڑے بڑے واقعات میں سے ایک بڑا واقعہ ہے اور اسی طرح جو سلوک یہود نے حضرت مسیح سے کیا اس زمانہ تک اس کی نظیر واقع نہ ہوئی تھی مگر حسینؑ کے واقعہ نے تمام وقائع پر فوقیت پیدا کرلی۔ تاریخ سے ایسا

نہیں معلوم ہوتا کہ روحانین وارباب دیانات میں سے جو شخص بھی قتل ہوا اس کے دشمنوں نے غفلتاً اس پر حملہ کر کے مظلومیت میں اسے قتل کر دیا اور موافق ان کی مظلومیت (رووليوشن)انقلاب بھی ان کے بعد پیش آیا مگر حسینؑ کا واقعہ عالمانہ اور حکیمانہ اور سیاسی حیثیت کا تھا اور دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ہے کتنے برس تک حسینؑ اپنے مقتول ہونے کا انتظام اور تہیہ کرتے رہے اور نہایت بلند اور عالی مقصد ان کے پیش نظر تھا اور تاریخ میں کہیں پتہ نہیں ہے کہ کسی نے آئندہ زمانہ میں اپنے دین کی ترویج کیلئے بہ علم وقصد اپنی جان دی ہو سوائے حسینؑ کے جو مصیبتیں کہ حسینؑ نے اپنے نانا کے دین کے زندہ کرنے میں برداشت کیں گذشتہ ارباب دیانات پر فوق رکھتی ہیں اور سابقین میں سے کسی پر واقع نہیں ہوئیں اور بالفرض اگر کہا جاوے کہ ان لوگوں نے بھی دین کے لئے اور دین کی راہ میں جان دی ہے مگر (ضرور) حسینؑ کے طرز وانداز پر ایسا نہیں ہوا حسینؑ نے اپنی جان شیریں دی۔ اپنے عزیز وفرزند اپنے بھائی اپنے بھانجے اپنے دوست اقربا سب دیدیئے مال وعیال کی اسیری گوارا کی اور یہ مصیبتیں ایک دفعہ ناگہان اور نادانستہ واقع نہیں ہوئیں کہ مجموعی حیثیت سے ایک مصیبت کا کل پر اطلاق ہو سکے بلکہ فاصلہ ہو ہو کر یکے بعد دیگرے یہ مصیبتیں پیش آئیں اور وارد ہوئیں۔ دنیا کی تاریخ میں ایسے مصائب کا پے در پے ہجوم کرنا حسینؑ کے ساتھ خاص ہے یہی سبب تھا کہ حسینؑ کے قتل ہوتے ہی اور ان درد انگیز واقعات کے پیش آتے ہی اور ان کی عورتوں اور بیٹیوں کے اسیر ہوتے ہی بنی امیہ کے باطن کا حال طشت از بام ہو گیا۔ اور ان کے اعمال ناشائستہ کے قبائح عام پر روشن ہو گئے سیاسی احساس اور (رووليوشن) انقلاب کا مادہ مسلمانوں میں پیدا ہو گیا اور سلطنت یزیدی اور بنی امیہ کے برخلاف (رووليوشن) انقلاب شروع ہو گیا اور بنی امیہ کو مخرب اسلام جان کر لوگ ان کی بدعتوں اور اختراعی امور کو رد کرنے لگے۔ اور انہیں ظالم اور غاصب کہنے لگے اور اس کے برعکس بنی ہاشم کو مظلوم اور مستحق ریاست جاننے لگے اور حقیقی روحانیت

اسلام ان میں سمجھی گئی گویا مسلمانوں نے حیات تازہ اور نئی زندگی حاصل کی۔ اور اسلام کی روحانیت کے لئے نئی رونق پیدا ہوگئی اسلام کی ریاست روحانی جو دفعتاً زائل ہوگئی تھی اور مسلمان جو کہ اسلام کی جذبہ روحانیت فراموش کر بیٹھے تھے ایک خاص روحانیت اور شان کے ساتھ اس کی تجدید ہوگئی۔

جس طرح حسینؑ کے مصائب کی عظمت تمام روحانیین سلف کے مصائب پر مسلم تھی اسی طرح ان (روولیوشن) انقلاب کی عظمت بھی جو بعد واقعہ حسینؑ کے پیش آئے تمام سابق (روولیوشن) انقلابوں سے بڑھ گئی اور زمانہ بھی ان کا زیادہ اور تاثیرات بھی ان کی زیادہ تھی ان وجوہ سے محمدؐ کے باقی ماندگان کی مظلومیت تمام عالم میں مشتہر ہوگئی پہلا نتیجہ اس (روولیوشن) انقلاب کا یہ ہوا کہ ریاست روحانی کو جو عوالم سیاست میں بڑی مہتم بالشان چیز ہے از سر نو بنی ہاشم میں اور مخصوص اعقاب حسینیؑ مسلم ہوگئی (مولف کی غرض حضرات ائمہ اطہار سے ہے) اب تک بھی بنی ہاشم اور خاص کر وہ لوگ جو نسل حسینؑ سے ہیں ایک نظر روحانیت سے تمام مسلمانوں میں دیکھے جاتے ہیں اور چند سال بھی نہ گذرے تھے کہ باوجود اس اقتدار اور وسعت کے خاندان یزید و معاویہ سے سلطنت نکل گئی اور ایک قرن سے بھی کم میں تمام بنی امیہ سے بادشاہی کا بھی پتہ نہیں اور جب کبھی کتابوں میں ان کا نام آجاتا ہے۔ مسلمان ایک کلمہ شماتت اس کے ساتھ منضم کر دیتے ہیں اور یہ سب حسینی سیاست وتدبر کے نتائج میں کہا جاتا ہے کہ ارباب دیانت وروحانین میں سلف سے آج تک ایسا انجام بین عاقبت اندیش مستقل مزاجی سرگذشت کے ساتھ تاریخ نے یادگار میں نہیں چھوڑا۔ ابھی حسینؑ کے قیدی یزید کے پاس تک بھی نہ پہنچنے پائے تھے کہ خون خواہی و انتقام کا علم بلند ہوگیا اور (روولیوشن) انقلاب یزید کی مخالفت میں شروع ہوگیا۔ حسینؑ کی مظلومیت نے بنی امیہ کی تمام سیرتوں کو کھول دیا۔ ان کی نیتوں کا پردہ فاش کر دیا۔

باوجود اس کے کسی کی مجال نہ تھی کہ حسینؑ اور خاندان علیؑ کا نام یزید کے قریب اور اس کے مخصوص کے سامنے خیر وخوبی کے ساتھ لے سکے۔اس واقعہ کے ہوتے ہی دربار عام اور خلوت وجلوت میں حسینؑ اور خاندان علیؑ کا نام تقدس وعظمت ومظلومیت کے ساتھ مجبوراً یزید کو سننا پڑتا تھا۔سوائے سکوت کے کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات ان مظالم واعمال سے اپنی برأت ظاہر کرتا تھا اور اس الزام کو اپنی سلطنت کے امراء کی گردن پر ڈالتا تھا چونکہ یزید نے اس واقعہ کے بعد حسینؑ کے محامد وفضائل بکثرت سنے تو ایک دن کہنے لگا کہ حسینؑ کا بادشاہ ہوجانا مجھ پر بہت آسان تھا بمقابلہ اس عظمت وتقدس کے کہ جس کے ساتھ آل نبی اور بنی ہاشم یاد کئے جاتے ہیں انجام کار حسینؑ کے تابعین نے پے در پے ان (رووليوشنس) سے فائدہ حاصل کیا اور عظمت وقوت بنی ہاشم کی بھی بڑھتی جاتی تھی۔اور ایک قرن سے بھی کم نہ گذرا ہوگا کہ وسیع اسلامی سلطنت بنی ہاشم میں مسلم ہوگئی۔اور اس طرح بنی امیہ کو نیست ونابود کردیا کہ ان کا نام ونشان باقی نہ رہا۔فقط چند قرن تک چند آدمی ان میں کے یکے بعد دیگرے (اندلس) میں ریاست کرتے رہے اب اس بزرگ خاندان سے جو سالہا سال عظیم اور عظیم الشان سلطنت پر متصرف رہا۔ایک آدمی بھی اگرچہ گمنام ہی ہو نظر نہیں آتا۔اور اگر اتفاقاً کہیں نظر بھی آئے تو حد درجہ مطعون ہے (یہاں تک کہ اپنے حسب ونسب کو بھی مخفی رکھتا ہے چنانچہ مشہور ہے کہ سلطنت قاچاریہ کہ جو اب ایران میں سلطنت رکھتے ہیں بنی امیہ سے ہیں مگر وہ خود بھی اب اس شہرت سے منکر ہیں اور اس سے برأت ظاہر کرتے ہیں ایک قرن کے بعد بھی جو بنی ہاشم سلطنت کے مالک ہوئے تو وہ حسینؑ کے بنی اعمام تھے نہ کہ ان کی اولاد۔اس لئے کہ حسینؑ کی اولاد نے گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی اور اسلام کی روحانی ریاست علی الاطلاق انہیں میں مسلم ہوگئی تھی حسینؑ کے بنی اعمام نے (مؤلف کی غرض سے بنی عباس سے ہے) اگرچہ یہ سلطنت حسینؑ کے تابعین (رووليشن) انقلاب کی برکت سے پائی مگر سلطنت پانے کے بعد اس خوف میں کہ سلطنت پر کچھ زوال نہ آجائے (رووليوشن) انقلاب والے لوگوں پر نہایت

درجہ تشدد کرنے لگے کہ مبادا اسلامی سلطنت رفتہ رفتہ خاندان حسینؑ میں کہیں منتقل نہ ہو جائے۔ادھر تو بنی عباس کا تشدد بہت تھا۔دوسرے بنی امیہ کے قلع قمع ہو جانے سے اور (رو ولیوشنس کا جو مادہ تھا اس کے زائل ہو جانے سے رفتہ رفتہ ان (رو ولیوشنس) کی تیزی گھٹ گئی۔حسینؑ اور علیؑ کے تابعین نے جب یہ دیکھا کہ مانع بہت قوی ہے اور مادہ بہت سست ہے تو سمجھ گئے کہ بنی ہاشم کے بادشاہوں سے جو بہت قوی اور زبردست ہیں اور عام خیالوں کے پریشان ہو جانے کی وجہ سے اب (رو ولیوشنس) سے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔لہٰذا (رو ولیوشنس) کا طریقہ ظاہری طور پر چھوڑ کر در پردہ اس کی صورت اس طرح بدل دی کہ ایک جگہ باہم جمع ہو کر ان واقعات ومصائب کا جو حسینؑ پر وارد ہوئے تھے ذکر شروع کر دیا۔اور وہ اس طریقے سے اس بہت عظیم (رو ولیوشن) کے مادہ کو تازہ رکھتے تھے سلاطین بنی ہاشم (یعنی بنی عباس) جب اس مطلب کو سمجھے اور حسینؑ کے تابعین کی یہ تدبیر ان کے خیال میں آ گئی۔تو پہلے سے بھی زیادہ انہوں نے تشدد اور ممانعت ومزاحمت لازم سمجھی۔اور اس قدر اس میں زیادتی کی کہ علیؑ وحسینؑ کی پیروی جس شخص سے بھی ظاہر اور آشکار ہوتی تھی۔تو جس طرح جرائم میں بڑے سنگین جرم میں سزا دی جاتی ہے اس سے زیادہ ایسے لوگوں کے ساتھ گرفتار کرتے تھے اور اس جرم میں ہزاروں آدمی حسینؑ کے تابعین سے مقتول ومجروح ومغلوب و محبوس ہو گئے مگر باوجود اس سختی وتشدد کے بھی (رو ولیوشن) انقلاب کا یہ مادہ علیؑ کے تابعین سے دور نہ کر سکے۔اور جس قدر انہوں نے سختی کی اسی قدر قوت اور شدت ان لوگوں کی بڑھتی گئی۔تا اینکہ انجام میں انہیں پیروان حسینؑ کی تدبیروں سے اس طبقہ (یعنی بنی عباس) کی سلطنت کا بھی خاتمہ ہو گیا (اس سے مؤلف کا اشارہ خواجہ طوسی علیہ الرحمہ کی طرف معلوم ہوتا ہے) اور کچھ زمانہ تک سلطنت حسینؑ کی اولاد میں گردش کرتی رہی (خلفائے فاطمین مراد معلوم ہوتے ہیں) حسینؑ کے بعد روحانی ریاست انہیں کی اولاد میں یکے بعد دیگرے رہی (گویا مقصود مؤلف کا ائمہ طاہرین علیہم السلام ہیں) یہ لوگ بھی حسینؑ کی عزاداری کو مذہب کا جز واعظم قرار دیتے رہے اور جس قدر اس کے نتائج سے علیؑ

کے تابعین میں قوت پیدا ہوگئی مصائب حسینؑ کا ذکر زیادہ آشکار ہونے لگا اور جس قدر ان لوگوں نے اس باب میں زیادہ کوشش کی اسی قدر ان کی قوت اور ترقی بڑھتی گئی کم از کم وہ لوگ جو مقتضائے وقت کے رموز کو اچھی طرح پہچانتے ہیں مصائب حسینؑ کے ذکر کا طریقہ بدل کر برابر اس کے طریقہ و پیرایہ میں ترقی کرتے رہے یہاں تک کہ آج کے دن جہاں کہیں کہ کوئی مسلمان بھی ہے حسینؑ کی تعزیہ داری وہاں عظیم نمود کے ساتھ موجود ہے اور دوسری قوموں اور مذہبوں میں بھی رفتہ رفتہ اس نے سرایت کی ہے علی الخصوص ماچین اور ہندوستان میں اور اہل ہند میں اس کی تاثیر کا بڑا سبب یہ ہے کہ انہوں نے عزاداری کا طریقہ اپنے مراسم عزا سے مشابہ قرار دیا ہے۔ حسینؑ کی عزاداری کو ہندوستان میں پورے طور پر اور آشکار طریقہ سے شائع ہوئے سو برس سے زیادہ نہیں گذرے اس قلیل مدت میں ہندوستان کے اس سرے سے اس سرے تک عزاداری پھیل گئی۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر روز ترقی پر ہے ہمارے بعضے مورخین اس رسم و رواج کی کمیت اور کیفیت سے ناواقفیت کی حالت میں بے خبری کے طور پر کلام کر گئے ہیں اور پیروان حسینؑ کی ماتم داری کی وضع کو باللفظ مجنونانہ لکھ گئے ہیں اور وہ بالکل ملتفت نہیں ہوئے ہیں اور نہیں سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ نے اسلام میں کیا کیا تغیر و تبدل پیدا کر دیا ملکی احساس جنبش و ہیجان مذہبی کے ساتھ جو تعزیہ داری سے اس قوم میں پیدا ہوا ہے کسی قوم میں نظر نہیں آتا جو شخص پیروان علیؑ کی صد سالہ ترقیوں کو ہندوستان میں غور کرے جنہوں نے عزاداری اپنا شعار قرار دیا ہے ضرور تصدیق کرے گا کہ ترقی کے بہت بڑے نکتہ کی وہ پیروی کر رہے ہیں سو برس پہلے علیؑ و حسینؑ کے پیرو ہندوستان میں انگلیوں پر گننے کے قابل تھے اور آج ہندوستان میں بحیثیت عدد کے تیسری قوم قرار پا گئے اور یہی حال ان کا دیگر بلاد میں بھی ہے ہم جس وقت اپنے مشنری لوگوں یعنی (دعاۃ مسیحی) کا پروگرام دیکھتے ہیں اور اس کا موازنہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ باوجود اس تمام صرف و ثروت کے اس فرقہ کی ترقی کا دسواں حصہ بھی حاصل نہیں کر سکے۔ اگرچہ ہمارے مذہبی علماء بھی مسیح کے مصائب کا ذکر کر کے لوگوں کو بہت متاثر کرتے ہیں مگر یہ ذکر اس وضع و

اسلوب اور اس شکل پر نہیں ہوتا جیسا کہ پیروان حسینؑ میں رواج ہے اور گویا سبب اس کا یہ ہے کہ مسیح کے مصائب حسینؑ کے مصائب کے مقابلہ میں اس قدر موثر اور دل گداز نہیں ہیں ہمارے مورخین کو چاہئے کہ یگانہ قوموں کے رسم ورواج کو صاف صاف مجنونانہ نہ لکھیں راقم کے نزدیک قانون محمدؐ کی حفاظت اور مسلمانوں کی ترقی اور اسلام کی ترقی یہ سب کچھ حسینؑ کے قتل ہوجانے سے اور ان واقعات کے پیدا ہوجانے سے ہی ہے۔اسی طرح (پولیٹیکل)ملکی دماغ اور (روولیوشن) کا احساس جس سے مراد ظلم وستم کی اطاعت نہ کرنا ہے جو حکمائے سیاست کے نزدیک نہایت عمدہ طریقہ اور نہایت مبارک سعادت ہے اور ہر آدمی کی صفات ممدوحہ میں سے محسوب ہے اس قوم میں حسینؑ کی عزاداری کی بدولت پیدا ہوگیا ہے اور جب تک وہ اس عمل کو اپنا ملکہ قرار دیئے رہیں گے پستی اور زیردستی قبول نہ کریں گے۔ذرا غور سے دیکھنا چاہئے ان مجالس کو جو حسینؑ کی عزاداری میں منعقد ہوتی ہیں کہ کیسے کیسے دقیق اور حیات بخش نکتے ایک دوسرے کے کان تک پہنچاتے ہیں اور بباطن تعلیم دیتے ہیں۔

راقم (یعنی مؤلف) چند مرتبہ جہاں ذکر مصائب ہوتا تھا اسلامیوں میں ایک مترجم مخصوص کے ساتھ گیا اور میں نے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ حسینؑ جو ہمارے پیشوا اور امام تھے اور ان کی اطاعت و پیروی ہم پر واجب ہے۔یزید کی زیادتی وزبردستی وظلم میں مطیع نہیں ہوئے اور حفظ شرف اور علوحسب اور مقام بزرگی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اپنا مال دیا اپنی جان دی اپنی اولاد دی اپنے عیال دے دیئے اور اس کے عوض میں دنیا میں نام نیک اور آخرت میں مرتبۂ شفاعت اور تقرب بارگاہ خدا میں حاصل کیا اور ان کے دشمن خسر الدنیا والآخرہ کے مصداق ہوئے۔اس کے بعد ہم نے خوب جان لیا کہ وہ لوگ در حقیقت ایک دوسرے کو تعلیم دیتے ہیں کہ اگر حسینؑ کی پیروی رکھتے ہو اگر شرف رکھتے

ہوا گر سرداری اور افتخار حاصل کرنا چاہتے ہو تو تم بھی نوعی یزیدوں کی زبردستی اور اطاعت اختیار کر کے جور وظلم برداشت نہ کرنا اور عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دینا دنیا اور آخرت میں نیک نام اور رستگار رہو۔ یہ بات مسلم ہے کہ جس قوم کو مہد سے لحد تک یعنی بچپنے سے وقت مرگ تک ایسی تعلیم دی جائے گی ان میں کیسے عمدہ ملکات اور کیسے عالی خصائل حاصل ہو جائیں گے ہر طرح کی سعادت وشرافت ان میں حاصل ہو جائے گی سب کے سب حقیقی سرفروش قومی عزت اور نوعی افتخار کے مالک ہو جائیں گے۔ آج کل کے ملال مفتخرہ کے تمدن حقیقی کا یہی ایک نکتہ ہے۔ یہ تعلیم ہے حقوق شناسی کی۔ یہ معنی ہیں (ویلوبانی) تعلیمات کے۔ ہم اہل یورپ بجز داس کے کہ کسی قوم کی ظاہری حرکات کی وضع مذہبی یا ملکی مراسم میں اپنے اصول کے منافی دیکھتے ہیں تو مجنونانہ سمجھ کر وحشیانہ کہہ دیتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ جب ان اصلی مقصود تک غور کر کے پہونچیں تو وہ حرکات عاقلانہ اور سیاستانہ معلوم ہوں گے۔ اور ہمیں ایسا ہی سمجھنا اور کہنا ہوگا۔ چنانچہ اس فرقہ اور قوم (فرقہ شیعہ مقصود ہے) میں جو کچھ ہم نے کہا اس کے نتائج اچھی طرح ظاہر ہیں۔ مناسب ہے کہ قوم ومذہب کے رسم ورواج کی حقیقت پر ہم نظر ڈالیں ورنہ ایشیائی لوگ بھی ہماری بہت سی رسمیں ناپسند کرتے ہیں اور بعضی حرکتوں کو ہماری اپنے آداب کے خلاف جانتے ہیں اور غیر مہذبانہ بلکہ وحشیانہ سمجھتے ہیں (جس طرح عام جلسوں میں مرد وعورتوں کا باہم ناچنا) علاوہ سیاستی منافع کے جن کا ہم نے ذکر کیا کہ ان کا اثر طبعی ہے مسلمان اس عمل میں (حسین کی تعزیہ داری میں) آخرت کے بڑے بڑے درجات کا حاصل ہونا اعتقاد رکھتے ہیں۔ جو شخص تاریخ سے آگاہ اور ایشیا کے رہنے والوں کی طبیعت پر مطلع ہے وہ تصدیق کرے گا کہ اخلاق کی اصلاح اور پولیٹکل امور کی تعلیم اہل ایشیا میں بالفعل بلکہ اور دو قرن تک سوائے مذہب کے اور کسی ذریعہ سے ممکن نہیں ہے چاہئے کہ اہل ایشیا سے محبت قومی و وطنی کے

ثمرات مذہب کے سایہ میں حاصل کئے جائیں جس طرح چند قرن پیشتر یورپ کی حالت تھی۔ بالفعل ممکن نہیں کہ کوئی شخص اہل ایشیا سے یورپ کی طرح نوعی اور وطنی خدمات کے نام سے خدمت لے سکے ہاں مذہب کے ذریعہ سے ان سے ایسی خدمتیں لی جاسکتی ہیں جس کے ثمرات قوم اور وطن تک بھی پہونچ جائیں گے آج تین سو ملیون نفوس اسلامی سوائے پانچ ملیون کے صاحب استقلال معلوم نہیں ہوئے پس اگر مسلمان مذہب سے قطع نظر کر کے اور مذہب کو پس پشت ڈال کر قومیت کے نام سے سیاستی ترقی کرنا چاہیں (یعنی اپنی پولیٹکل زندگی از سرنو کریں) تو بجائے نفع کے انہیں نقصان پہونچے گا۔ اس لئے پانچ حصہ مسلمانوں کے دوسری قوموں کے فشار میں اور دیگر مذاہب میں مضمحل ہو رہے ہیں اور اگر وہ قومیت کے نام سے ترقی چاہیں گے تو پانچ حصے ان کے سیاستی زندگی سے محروم رہیں گے۔ ہاں اگر وہ اسلام کے اسم جامع کے ذریعہ سے ترقی کرنا چاہیں گے تو جمیع افراد اہل اسلام میں پولیٹکل روح نمودار ہو جائے گی اور روحانی سلسلہ اور رابطہ کے ذریعہ سے وہ تمام ملل اسلامیہ جو دوسری قوموں کے فشار میں اضمحلال سے محفوظ رہیں گی۔ اور روحانی مادے جو آج مسلمانوں میں مروج ہیں ان میں سے حسینؑ کی تعزیہ داری کے سوا کوئی چیز بھی پولیٹکل احساس مسلمانوں میں پیدا نہیں کر سکتی اور اگر دو قرن تک مسلمانوں میں اسی طرح تعزیہ داری کو شیوع رہے اور تمام مقامات میں عمومیت حاصل ہو تو مسلمانوں میں تازہ طور پر پولیٹکل زندگی پیدا ہو جائے گی۔

آج بھی مسلمانوں میں جو استقلال باقی رہ گیا ہے اس میں نصف اعلیٰ اسی نکتہ کی پیروی کا نتیجہ ہے (سلطنت اہل تشیع مقصود ہے) اور میں دن کو گویا دیکھ رہا ہوں کہ اسلامی سلطنتیں اسی رابطہ کے سائے میں قوت پکڑ جائیں اور تمام عالم کے مسلمان اسی ذریعہ سے ایک علم اتحاد کے نیچے جمع ہو جائیں اس لئے کہ اسلامی فرقوں میں کوئی فرقہ ایسا نظر نہیں آتا کہ از راہ

دیانت (دینی حیثیت سے) مصائب حسینؑ ذکر کرنے کا منکر ہو اور اس سے نفرت کرتا ہو بلکہ اس رسم مذہبی کے ادا کرنے میں عموماً طبعی رغبت رکھتے ہیں اور مختلف العقیدہ مسلمانوں میں سوائے اس نکتۂ اتحادیہ کے اور کوئی چیز ایسی معلوم نہیں ہوتی۔ حسینؑ تمام روحانیین میں زیادہ تر حضرت مسیحؑ سے مشابہ ہیں مگر ان کے مصائب شدید اور سخت تر تھے اور ابتدائے پیش رفت تابعان حسینؑ کے بھی پیروان مسیح کے قرون اولیہ کی طرح تھے اگر مسیحی لوگ بھی پیروان حسینؑ کے اصول اولیہ کی پیروی اختیار کر لیتے یا جو موانع خود مسلمانوں میں پیدا ہو گئے پیروان حسینؑ کو ان کے عمل سے نہ روکتے تو انہیں دونوں مذہب سے ایک مذہب عالم کے قرون عدیدہ تک عالمگیر ہو جاتا چنانچہ پیروان حسینؑ کی روک تھام کے موانع جب اٹھ گئے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذہب تمام طبقات اسلامی کو اور تمام دیگر مذاہب کو سیل کی طرح احاطہ کئے لیتا ہے۔

(منقول از اخبار اثنا عشری مورخہ ۲۳ رفروری ۱۹۱۰ء)

(کتاب سیاستِ اسلامیہ کی ساتویں فصل کا ترجمہ)

❀❀❀

مذہب شیعہ

مصنف

ڈاکٹر جوزف صاحب

مترجم

جناب مولوی سید سلطان رضا صاحب عقیل دہلوی

مذہب شیعہ

مترجمۂ جناب مولوی سید سلطان رضا صاحب عقیلؔ دہلوی

بانی اسلام (محمد ابن عبداللہ صلعم) کی وفات کے بعد ان کی جانشینی کی نسبت جس کو مسلمان لفظ خلافت سے یاد کرتے ہیں ان کے پیروؤں میں کلمہ اور عقیدہ کا اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایک گروہ ان کے داماد علیؑ ابن ابی طالب کی خلافت کا قائل ہو گیا اور دوسرے گروہ نے ان کے خسر (ابوبکر ابن ابی قحافہ) کو خلیفہ مان لیا۔

سچ پوچھو تو جس روز محمد ابن عبداللہ صلعم) اس جہان سے رخصت ہوئے مسلمانوں میں اسی روز سے یہ اختلاف محسوس ہونے لگا۔ لیکن تاریخ سے یہ بات معلوم نہیں ہو سکتی کہ ان دونوں فرقوں نے اپنے اپنے نام کب پائے۔ یعنی کب سے داماد کے پیرو ''شیعہ'' اور خسر کے پیرو ''سنی'' کہلانے لگے۔ لیکن ان دونوں فرقوں کی مخالفتیں روز بروز بڑھتی گئیں یہاں تک کہ داماد جانشین ہو گیا اور پیغمبر کی بیوی عائشہ اس کی مخالفت کے لئے کھڑی ہوئیں۔ اور دوسری بیوی کے بھائی محمد (معاویہ) نے شام میں شاہی جھنڈا بلند کیا اور لڑائیاں اور خوں ریزیاں ہوئیں۔ اس وقت تک ان دونوں فرقوں کا نفاق قلبی تھا مگر جبکہ قتل و قصاص کی نوبت پہنچی تو دشمنی کھلم کھلا پیدا ہو گئی۔ اور ہر ایک نے علانیہ اپنا اپنا نام ظاہر کیا اور ہر ایک نے اپنے تئیں شیعہ اور دوسرے نے سنی کہا۔ جب بادشاہ پیروان داماد (محمد صلعم) کے قتل و غارت کی بنیاد ڈال کر اس کا (داماد) نام فحش و دشنام سے لینے لگا اور ہزار مہینے تک یہ دشنام دہی اہل اسلام کے منبروں اور مسجدوں میں داماد (محمد صلعم) کے حق میں جائز رہی تو اس معاملہ نے شیعہ سنی میں عداوت بڑھا دی۔ یہاں تک کہ فرقۂ شیعہ نے بھی ان کے بزرگوں سے نفرت کرنے کو عمل سمجھا۔ باوجود

ان سب باتوں کے چونکہ حکومت اور پورا پورا اقتدار شیعوں کو سوائے اس تھوڑے عرصے یعنی مدت خلافت علیؑ ابن ابی طالب کے میسر نہیں آیا تھا ان کی قوت وطاقت کچھ زیادہ نہ تھی۔ٹڈیوں کی طرح منتشر، اور جان کے خوف سے اپنے تئیں علانیہ ظاہر نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ محمدؐ کے نواسے حسینؑ کو بادشاہ شام کے بیٹے یزید (ابن معاویہ) کے حکم سے مع ان کے اصحاب کے حوالیٔ کوفہ میں قتل کیا۔اس سانحہ نے بڑی شورش پیدا کی اور تابعین داماد محمدؐ کو برانگیختہ کر دیا اور قوی اور آمادہ جنگ بنا دیا اور وہ لڑے اور خون ریزیاں کیں اور بہت کچھ غم کیا۔ یہاں تک نوبت پہونچی کہ اس فرقہ نے پیغمبر کے نواسے حسینؑ کی عزاداری کو جز و ایمان مذہب ٹھہرالیا۔ اور اس سبب سے کہ یہ لوگ اپنے بزرگان دین پیغمبر کے بعد اولاد علیؑ و فاطمہؑ میں سے بارہ امام کو جانتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے قول وفعل کو قول خدا اور سولؐ کے مرتبے میں اور بعد قرآن جانتے ہیں اور ان کے اماموں نے بھی ان لوگوں کو امام حسینؑ کی سوگواری کی تاکید کی رفتہ رفتہ یہ عزاداری مذہب شیعہ کا ایک رکن بلکہ رکن اعظم قرار پا گئی۔اسلام کے ابتدائی زمانہ میں یہ فرقہ اتنا ظاہر نہ تھا۔اس گروہ کی قلت کے سبب دو ہو سکتے ہیں۔اول یہ کہ ریاست وحکومت جو فی نفسہٖ کسی مذہب کے پیرووٗں کی ترقی کا باعث ہوسکتی ہے دوسرے فرقہ کے ہاتھ میں تھی دوسرے اس گروہ کا قتل وغارت جو ہر موقع اور میدان میں ہوتا رہا ہے یہی باعث تھا کہ قرن دوم اسلام کے شروع میں شیعوں کے ایک امام نے اپنے تابعین کے جان ومال بچانے کی غرض سے مذہب شیعہ کے چھپانے کا حکم دیا۔تقیہ نے اس فرقہ کو قوی بنا دیا چونکہ ظاہر نہ تھے ان کے زبردست مخالف ان کے قتل وغارت کا موقع نہ پاتے تھے۔اور خفیہ مجلس و ماتم برپا کر کے مصائب حسینؑ میں روتے تھے۔یہ اثر ایسا دلوں میں راسخ ہوا کہ عرصہ نہ گذرا کہ اس گروہ نے بلندی حاصل کر کے ترقی کی اور کتنے ہی وزیر اور بہت سے بادشاہ اور خلیفہ اس مذہب کے بعضے تقیہ میں اور بعضے علانیہ معتقد ہو گئے۔امیر تیمور گورگانی کے بعد کے زمانہ سے جبکہ سلطنت ایران رفتہ رفتہ خاندان صفویہ میں آ گئی۔فرقۂ شیعہ کا مرکز ایران قرار پایا۔بموجب اس اندازے کے

جو بعض فرانس کے سیاحوں نے کیا ہے چھ سات مسلمانوں میں ایک شیعہ ہوتا ہے۔اس ترقی سے جو اس فرقہ نے بغیر کسی ظلم کے تھوڑے عرصہ میں کی ہے کہہ سکتے ہیں کہ ایک دو قرن میں مسلمانوں کے تمام فرقوں سے شمار میں بڑھ جائیں گے اور یہی تعزیہ داری جس نے اس فرقہ کے ہر فرد کو اپنے مذہب کا مشنری (داعی) بنا رکھا ہے آج روئے زمین پر کوئی مقام ایسا نہیں ہے جہاں دو شیعہ ہوں اور امام حسینؑ کی عزاداری نہ کریں اور زرومال خرچ نہ کریں۔میں نے بندر مارسل میں ایک عرب شیعہ بحرینی کو دیکھا کہ ہوٹل میں تنِ تنہا مجلس عزا قائم کی ہے اور کتاب لئے کرسی پر بیٹھا ہوا کچھ پڑھ رہا ہے اور رورہا ہے بعد ازاں جو شربت وطعام اس نے مجلس کے لئے تیار کیا تھا فقرا کو تقسیم کیا یہ لوگ اس راہ میں دو طرح مال و دولت خرچ کرتے ہیں۔بعضے ایسے ہیں کہ ہر سال اپنے مال میں سے مقدور کے موافق اس راہ میں اٹھاتے ہیں یہ رقم لاکھوں فرد تک سے بھی بڑھ جاتی ہے۔اور دوسرے اوقاف ہیں جو اس فرقہ نے مجالس ماتم بپا کرنے کے لئے مخصوص کر دیئے ہیں۔اور یہ مقدار بہت ہی زیادہ ہے۔کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے تمام فرقے ملا کر بھی اس فرقہ کے برابر اپنے مذہب کی راہ میں مال ومنال خرچ نہیں کرتے۔اور اس فرقہ کے وقفیات تمام اسلامی فرقوں کے وقفیات کی نسبت دگنے اور تگنے ہیں۔اس فرقہ میں سے ہر ایک (بلا استثناء) اپنے مذہب کا مشنری (داعی) ہے اور یہ نکتہ تمام مسلمانوں پر پوشیدہ ہے یہاں تک کہ شیعوں کو بھی اپنے اس عمل سے اس فائدہ کا خیال نہیں ہے۔ان کی نیت ثواب عاقبت ہے لیکن چونکہ لابد ہے کہ ہر عمل اس عالم میں اپنا اثر بالطبع بخشے یہ فعل بھی شیعوں کو اپنے پھل دیتا ہے۔یہ امر مسلمہ ہے کہ جس مذہب میں ۵۰، ۶۰ ملین مشنری ہوں لامحالہ جو ترقی ان کے لئے موزوں ہے رفتہ رفتہ کریں گے اس فرقہ کے رؤسا روحانی اور بادشاہ وزیر تک بھی مشنری گری (دعوت مذہب) کی صفت سے خالی نہیں ہیں۔اس فرقہ کے فقرا ومساکین چونکہ اس طریقہ سے پورا فائدہ اٹھا چکے ہیں اور اٹھاتے ہیں اس لئے وہ ماتمداری کے بجالانے میں بزرگوں سے زیادہ کوشش کرتے ہیں۔کیونکہ اس سے عقبیٰ میں اجر اور دنیا میں اجرت حاصل

کرتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اس فرقہ کے بہت سے عالم کاروبار دنیاوی چھوڑ کر اس عمل میں مشغول ہو گئے ہیں ۔اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ بزرگان دین کے فضائل اور ان مصائب کا ذکر جو اس خاندان پر گذرے ہیں گویائی کی طاقت سے ممبروں پر اور عام مجلسوں میں لوگوں کے سامنے باحسن وجہ پڑھیں ۔ ان مشقتوں کے سبب سے جو یہ لوگ اس فن میں اٹھاتے ہیں ان لوگوں کے واعظین بھی اسلام کے تمام فرقوں سے زیادہ ہیں ۔ چونکہ ایک بات کے بار بار بیان کرنے سے لوگوں کے دل گھبرا جاتے ہیں اور تاثیر نہیں رہتی یہ لوگ محنتیں کر کے تمام مسائل اسلامی کو جو ان کے مذہب سے متعلق ہیں اسی پیرائے میں ممبروں پر بیان کرتے ہیں ۔اس کا اثر یہاں تک ہے کہ شیعوں کے ان پڑھ اور اسلامی فرقوں کے لکھے پڑھے آدمیوں سے اپنے مذہبی مسائل میں جو انہوں نے بہ کثرت علماء سے سنے ہیں زیادہ واقف ہوتے ہیں اور فرقہ شیعہ اس ذریعہ سے نیز اور ذریعوں سے جو اس ذریعہ سے حاصل ہوتے ہیں تمام مسلمانوں سے زیادہ معاش حاصل کرتے ہیں ۔آج روئے زمین پر جس طرف نظر ڈالئے خواہ بحیثیت لیاقت، شائستہ سے شائستہ مسلمان معرفت وعلم وثروت میں فرقہ شیعہ سے نظر آویں گے ۔اس فرقہ کی مشنری گری (دعوت مذہب) اپنے یا دیگر فرق اسلامی تک محدود نہیں ہے بلکہ جس قوم میں یہ لوگ قدم رکھتے ہیں اس پر بھی ویسا ہی اثر اور جذبہ ڈال دیتے ہیں ۔کثیر التعداد شیعہ جو آج ہندوستان میں دیکھے جاتے ہیں ۔سب عزاداری کی بدولت ہیں ۔فرقۂ شیعہ نے سلاطین صفویہ کے زمانہ تک میں بھی اپنے فرقہ کو تلوار کے زور سے ترقی نہیں دی بلکہ قوت کلام سے جس کا اثر تلوار سے زیادہ ہوتا ہے ۔ان لوگوں نے اس درجہ تک حیرت انگیز ترقی کی ہے ۔آج اس فرقہ نے اپنے تمام مراسم مذہبی کے ادا کرنے میں ایسی ترقی کی ہے کہ ۲/۳ مسلمانوں کو اپنے خیالات کا پیرو بنالیا ہے بہت سے ہندو اور پارسی اور مذہب والے بھی ان کے شریک ہو گئے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایک قرن کے گذرنے کے بعد جبکہ یہ خیالات وراثتاً ان لوگوں کی اولاد میں منتقل ہوں گے تو وہ بھی مان لیں گے یا اس مذہب کی تصدیق کریں گے ۔ چونکہ فرقۂ

شیعہ اپنے تمام مطالب کو اپنے مذہب کے بزرگوں سے متعلق جانتا ہے۔ اور اپنی مشکلوں اور حاجتوں میں ان سب سے مدد طلب کرتے ہیں دوسرے فرقے بھی جو ان کے افعال و اعمال میں شریک ہوتے ہیں بہت سے ان کی پیروی کرتے ہیں اور جوں ہی کہ اپنی آرزو پاتے ہیں ان کا اعتقاد خود بخود مضبوط ہو جاتا ہے۔ ان قرائن و اسباب سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ تھوڑا عرصہ نہیں گذرے گا کہ یہ فرقہ از روئے شمار تمام اسلامی فرقوں سے بڑھ جائے گا۔ ایک دو قرن گذرے کہ یہ فرقہ سوائے ایران کے عموماً بسبب قلت و عدم قدرت اپنے مذہب میں تقیہ کرتا تھا جب دول مغرب نے ممالک شرقیہ میں تسلط حاصل کیا ہے اور تمام مذہبوں کو آزادی بخشی ہے۔ یہ فرقہ علی الاعلان ہر جگہ اپنے مراسم مذہبی عمل میں لاتے ہیں اور یہ آزادی ان کے حق میں ایسی مفید ثابت ہوئی ہے کہ تقیہ کا نام مذہب شیعہ سے اٹھ گیا۔ ان اسباب کی مناسبت سے جن کا ذکر ہوا یہ فرقہ زمانہ کی ضرورتوں سے تمام اسلامی فرقوں کی نسبت زیادہ واقف ہے۔ اور کسب معاش و تحصیل علوم میں اوروں سے سبقت لے گیا ہے صناع جو صنعت سے روزی حاصل کرتے ہیں تمام فرقوں سے زیادہ ان میں موجود ہیں۔

چونکہ اکثر محنتی ہوتے ہیں۔ ان کے ملازم اور خادم بالطبع ان کے تابع ہو جاتے ہیں۔ علاوہ اس کام کے واسطے کہ جس کی انہیں ضرورت ہوتی ہے ان کی دوستی اور معاشرت تمام فرقوں کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ اور ان کا میل جول ان کے ساتھ ان کی محفلوں اور مجلسوں کی کثرت سے ہوتا ہے۔ اور جبکہ ان کے ہم مشرب بار بار ان کے مذہبی اصول اور باتیں سنتے ہیں تو لامحالہ ان کے مذہب سے واقف ہو جاتے ہیں۔ اور مشنری کا کام بھی یہی ہے اور جو اثر اس سے ہوتا ہے وہ وہی اثر ہے جس کو تمام دول مغرب کے عقلمندوں نے دین مسیحی کی ترقی کے لئے تعجب خیز اخراجات سے پیدا کرنا چاہا ہے۔ منجملہ امور سیاسی کے جس کو فرقہ شیعہ کے بزرگوں نے چند قرن سے اس طرف لباس مذہبی پہنا دیا ہے۔ اور جس نے اپنے اور بیگانوں کے دل اپنی طرف کھینچ لئے ہیں اصول تماشا کا اختیار کرنا ہے۔ جس

کا نام شبیہ وتعزیہ ہے ماتم حسینؑ علیہ السلام ہیں۔

ٹھیٹر کو پہلے حکمائے ہندوستان نے چند اغراض سے جن کا ذکر ہماری بحث کے موضوع سے خارج ہے جزوعبادت قرار دیا تھا۔اس کے بعد اہل یورپ نے مقتضائے سیاست تماشے کے رنگ میں لاکر عام تماشہ گاہوں میں مہمات سیاسی کو تالیف قلوب کی غرض سے عام وخاص کو دکھانا شروع کیا اور رفتہ رفتہ بیک کرشمہ دوکار کا مضمون ہو گیا۔یعنی تفریح طبع بھی اور پولیٹکل بھی معاملات کی طرف طبیعت کا میلان بھی۔فرقہ شیعہ نے اس نکتہ سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر اس کو مذہبی لباس پہنا دیا ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرقۂ شیعہ نے یہ عمل اہل ہنود سے لے لیا ہے۔بہرصورت جو اثر کہ تعزیہ اور شبیہ سے خاص وعام کے دل پر ہونا چاہئے وہ ہوتا ہے۔ظاہر ہے کہ ادھر تو مجالس میں متواتر روضہ خوانی کا ہونا اور ممبروں پر اور مجلسوں میں ان مصیبتوں کا جو ان کے بزرگان دین پر گذری ہیں اور ان ظلموں کا جو امام حسینؑ پر ہوئے ہیں ذکر کرنا اور اس پر شوق دلانے والی حدیثوں کا جو مصائب آل پیغمبرؐ کے بارے میں وارد ہیں بیان کرنا اور پھر ان مصائب کی شبیہ بھی لوگوں کو دکھانا نہایت مؤثر ہوتا ہے اور جتنا خیال میں آسکتا ہے اس سے بھی زیادہ اس فرقہ کے اعتقاد کو مضبوط کرتا ہے اور انہیں باریک نکتوں سے اس بات کا پتہ لگتا ہے کہ مذہب شیعہ کی ترقی کے آغاز سے آج تک یہ نہیں سنا گیا کہ ان میں سے چند لوگوں نے یا ایک جماعت نے دین اسلام کو ترک کیا ہو یا دیگر فرق اسلامی کیطرف مائل ہوئے ہیں۔یہ لوگ شبیہ کو کئی طرح سے نکالتے ہیں کبھی مجالس مخصوص میں اور کبھی مقررہ مقامات پر۔چونکہ اس قسم کی مجلسوں اور خاص مقامات میں دوسرے فرقوں کے لوگ کم شریک ہوتے تھے۔ایک خاص طرز ایجاد کرکے اور شبیہ نکال کر کوچہ اور بازار اور تمام فرقوں میں پھراتے ہیں۔اور اس سے ایسا اثر جو ہونا چاہئے۔ایسے نظارہ کے دیکھنے سے ہوتا ہے اپنے بیگانے ہر فرقے کے دل پر پڑتا ہے اور رفتہ رفتہ اس عمل شبیہ نے خاص وعام کو ایسا گرویدہ بنالیا

ہے کہ بعض اسلامی فرقے اور ہنود بھی شیعوں کی تقلید کر کے شبیہ نکالتے ہیں ان کا ساتھ دیتے ہیں ۔شبیہ کا رواج تمام ممالک اسلامی سے ہندوستان میں زیادہ ہے ۔اور اسلام کے اور فرقے اس کام میں ان کے ساتھ زیادہ شریک ہوتے ہیں ۔گویا اصول تماشہ وعمل شبیہ کو سلاطین صفویہ نے (جو اول سلسلہ تھے اور جنہوں نے مذہب کی قوت سے سلطنت کو حاصل کیا،قوت دی ۔شیعوں کے روسائے روحانی نے بھی کسی قدر تائید کی اور جائز جانا منجملہ ان امور کے جو اس فرقے کی ہر جگہ ترقی اور شہرت کا باعث ہے اپنی حالت کا دکھانا ہے اس معنی میں بسبب مجالس ماتم اور شبیہ اور سینہ زنی اور گشت کرنے اور آشکارا ہونے کے اور فرقوں کے دلوں کو اپنی حالت و ہیبت وقوت وشوکت سے مائل کر لیتے ہیں ۔یہ بات مانی ہوئی ہے کہ ہر گروہ و جماعت لوگوں کی نظروں اور توجہ کو ایک حد تک اپنی طرف منعطف کرتے ہیں ۔دس ہزار آدمی اگر کسی شہر میں الگ الگ ہوں اور ہزار آدمی ایک جگہ جمع ہوں تو ان ہزار آدمیوں کی شوکت ونمود خاص وعام کی نظروں میں ان دس ہزار سے زیادہ ہوگی ۔علاوہ بریں جب ہزار آدمی اپنے ہوں گے تو ہزار غیر بھی بعضے تماشہ کی غرض سے بعضے دوستی وآشنائی کی وجہ سے ۔بعضے اپنے ضروری کام انجام دینے کے لئے شامل ہوجائیں گے ۔اور لوگوں کی نظروں میں ان کی قوت وشوکت دگنی معلوم ہوگی ۔یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ اگر شیعوں کی جماعت قلیل ہے اس عمل سے لوگوں کی نظروں میں ان کی جمعیت دگنی اور قوت وشوکت دس گنی معلوم ہوتی ہے ۔اور اس قوم کی شہرت اور ترقی کا سبب زیادہ تر یہی نکتہ ہے منجملہ ان امور طبعی کے جو اور فرقوں کے دلوں پر اثر ڈالتے ہیں فرقۂ شیعہ کے مددگار رہیں وہ مظلومیت کا جلوہ ہے جو یہ لوگ اپنے بزرگان دین کی نسبت ظاہر کرتے ہیں یہ ایک نیچر سائنس کا مسئلہ ہے کہ ہر شخص بالطبع مظلوم کا طرفدار اور زبردست پر کمزور کا غلبہ چاہتا ہے ۔ضعیف ومظلوم اگرچہ حق پر نہ ہو اس قوی اور مظالم کی نسبت جو حق پر ہو انسانی طبیعتیں اس کی طرف زیادہ راغب ہوتی ہیں خصوصاً اس صورت میں جبکہ اس پر ایک مدت اور زمانہ گذر گیا ہو۔یوروپ کے

مصنفین نے جو حسینؑ اور ان کے اصحاب کے جنگ وجدل کا حال لکھا ہے باوجودیکہ ان لوگوں پر کچھ اعتقاد نہیں رکھتے تاہم ان کے قاتلوں کا نام لعن وطعن سے لیتے ہیں اور قدرتی باتیں ہیں جن کو کوئی روک نہیں سکتا۔ یہ نکتہ قدرتاً فرقۂ شیعہ کا معاون بن گیا ہے۔ منجملہ ان امور کے جو فرقۂ شیعہ کی اصلاح اور ضروری ترقیات کے لئے چراغ راہ اور رہنما ہیں مسئلہ اجتہاد ہے میں اجتہاد کے معنی اور حقیقت فرقۂ شیعہ کے عقیدے کے موافق اس کتاب میں ٹھیک ٹھیک بیان نہیں کرسکتا۔ صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ اجتہاد نے اس مذہب کو پرانا اور کہنہ ہونے سے باز رکھا ہے اور رکھے گا۔ اگرچہ ابتک اس فرقہ کے مجتہدوں نے اجتہاد کے سیاسی فائدوں میں کم حصہ لیا ہے لیکن تمام عقلمند اس بات کے قائل ہیں کہ اجتہاد کی بدولت مذہب شیعہ کے اصول سیاست کے اعلیٰ درجہ تک پہونچ گئے ہیں ان قوموں اور مذہبوں کی ترقی کے لئے جو روحانیت کو دین ودنیا کی صلاح اور رستگاری خیال کرتے ہیں اجتہاد کیمیا (سرخ گندھک) کا حکم رکھتا ہے۔ اجتہاد نقائص مذہبی کو دور کردیتا ہے اور مقتضائے وقت کے موافق پیش قدمی کرکے مذہب کو کہنہ اور فرسودہ ہونے سے جو زمانہ کے ساتھ لازمی ہے باز رکھتا ہے۔ اجتہاد و مقامات سیاسی میں قوم کے سب آدمیوں کو سلطنت سے ملا دیتا ہے، جس وقت موقع دیکھے مذہبی احکام کو سیاست کے رنگ میں لاسکتا ہے۔ اجتہاد ضرورت وقت کے مطابق مذہب میں کوئی نقص پیدا نہیں ہونے دیتا۔ فرقۂ شیعہ نے اجتہاد پر یہاں تک زور دیا ہے کہ ان کے مذہب کا ایک بڑا رکن قرار پاگیا ہے۔ اور اگر مجتہدین اور سلطنت شیعہ میں اختلاف نہ ہوا اور دانشمندی سے اپنی دولت وملت کی ترقی میں مل کر کوشش کریں عام اس سے کہ وہ قرض لینے کی آفتوں سے محفوظ رہیں۔ ترقی کے ہر درجے پر جوان کے لائق ہو پہنچ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ دونوں دانشمندی اور عاقبت اندیشی اور قوم کی خیر خواہی سے کام لیں۔ مسائل سیاسی میں سب سے زیادہ ضروری جو فرقۂ شیعہ کی امید ونجات کا باعث ہوسکتا ہے حجت عصر کے وجود کا اعتقاد اور ان کے ظہور کا انتظار ہے کیونکہ اس فرقہ کا عقیدہ

یہ ہے کہ رات کو جب سوئے تو یہ خیال کرے کہ صبح کو جب اٹھے گا تو حجت عصر ظہور فرمائیں گے ان کی مدد کے لئے تیار رہے۔ اوران کا اعتقاد یہ ہے کہ تمام روئے زمین کی سلطنتیں اور قومیں ان کی تابع اور مطیع ہوجائیں گی۔ گویا ہر ایک شیعہ شاہ ہو یا گدا عورت ہو یا مرد جب سوتے ہیں تو اپنے مذہب کی ترقی اور عالمگیری اور اقتدار کی امید پر صبح کو اٹھتے ہیں۔ اور مجتہدین کو امام عصر کا نائب جانتے ہیں دانشمندانِ سیاست (پولٹشنر) پر یہ بات روشن ہے کہ جب یہ عقیدہ ایک بزرگ قوم کے ہر فرد میں پھیل کر پورا رسوخ پیدا کرے گا ضرور ایک دن قدرتی سامان ان کے واسطے پیدا ہوجائیں گے۔ یاس وحرماں ہر قسم کی ذلت وخواری پیدا کرتی ہے اور اس کے برخلاف حوصلہ اور امید اور دلی اعتقاد کی قوت جو حکم طبعی میں داخل ہے فلاح ونجات کا سرمایہ ہے۔ اگر اعتقادات مذہبی مشرقی قوموں میں اور دو سو برس اپنے اثر پیدا کرلیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس عرصہ میں ان قدرتی سامانوں کے مہیا ہونے اور اس قسم کی دنیاوی ترقی کے اسباب موجود ہونے کے سبب فرقۂ شیعہ حیرت انگیز ترقیاں کرے گا اور از روئے عدد قدرت وقوت اول فرقہ ہوگا۔ اگر مذہبی اعتقادات کے اثر کا خیال نہ بھی کریں تو بھی یہ فرقہ اس قابل ضرور ہوگا کہ علاوہ مذہب کی قدرتی اور دنیاوی طاقتوں کے اپنی شوکت واقتدار وقوت وسلطنت دنیا میں قائم رکھے۔

(کتاب سیاست اسلامیہ کی ساتویں فصل کا ترجمہ اشاعت نظامی پریس لکھنؤ)

❀❀❀

تَفسِیرُ زُبرو بیّنہ......ایک نادر علمی شاہکار

مصنف
ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی، ایم۔اے۔، پی ایچ۔ڈی

تَفسِیر زُبر وبیّنہ……ایک نادر علمی شاہکار

اردو زبان میں قرآن پاک کی پہلی تفسیر جو محمد علی شاہ بادشاہ اودھ کے دور میں ۱۲۵۳ھ میں لکھی گئی

ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی، ایم۔اے۔، پی ایچ۔ڈی

اردو میں قرآن مجید کا پہلا ترجمہ ۱۷۸۶ء میں شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی نے کیا تھا لیکن یہ ترجمہ اتنا لفظی اور مشکل تھا کہ مقبول نہیں ہوسکا۔ چنانچہ ۱۷۹۰ء میں شاہ عبدالقادر صاحب نے دوسرا ترجمہ کیا جو کافی سہل اور بامحاورہ تھا اور آج بھی پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔فورٹ ولیم کالج میں بھی مرزا کاظم علی جوانؔ نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا،لیکن اب اس کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ اس کے علاوہ کہا جاتا ہے کہ شاید دہلی میں حکیم شریف خان صاحب نے بھی قرآن پاک کا ترجمہ کیا تھا، جو زیورطبع سے آراستہ نہیں ہوسکا۔

لکھنؤ میں قرآن پاک کا پہلا ترجمہ محمد علی شاہ کے زمانہ میں مولانا سید علی صاحب نے کیا۔ مولانا سید علی صاحب، مجدد مذہب جعفریہ حضرت غفران مآب مولانا سید دلدار علی صاحبؒ کے صاحبزادے تھے اور انھوں نے ولی عہد سلطنت ثریا جاہ امجد علی خاں کے حکم پر نہ صرف یہ کہ قرآن پاک کا اُردو میں ترجمہ کیا بلکہ ایک مکمل تفسیر بھی اردو زبان میں لکھی۔ جو پرانی مذہبی کتابوں کے بہت بڑے سائز پر ۷۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔اس تفسیر کا نام ''توضیح مجید فی تنقیح کلام اللہ الحمید'' ہے۔لیکن اپنی مخصوص صنعت کے پیش نظر اسے ''تفسیر زبروبینہ'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، اردو زبان میں یہ قرآن پاک کی پہلی تفسیر ہے۔ اس سے قبل ہماری

زبان میں کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔

یہ تفسیر سات جلدوں پر مشتمل ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

جلد اول: سورۂ بقرہ سے سورۂ النساء تک تعداد صفحات ۶۸۲

جلد دوم: سورۂ المائدہ سے سورۂ توبہ تک تعداد صفحات ۳۰۴

جلد سوم: سورۂ یونس سے سورۂ نحل تک تعداد صفحات ۳۰۸

جلد چہارم: سورۂ بنی اسرائیل سے سورۂ فرقان تک تعداد صفحات ۲۹۳

جلد پنجم: سورۂ الشعراء سے سورۂ یٰسین تک تعداد صفحات ۲۱۸

جلد ششم: سورۂ صافات سے سورۂ حجرات تک تعداد صفحات ۲۰۰

جلد ہفتم: سورۂ ق سے سورۂ والناس تک تعداد صفحات ۲۴۴

کل صفحات ۲۴۴۷

تفسیر کے مقدمہ میں مصنف نے ثریا جاہ امجد علی خاں (جو بعد میں امجد علی شاہ کے لقب سے بادشاہ اودھ ہوئے تھے) کی انتہائی تعریف کی ہے، جو نثر و نظم دونوں میں ہے۔ اسی ذیل میں انھوں نے سبب تصنیف بھی بیان کیا ہے۔ ہم اس عبارت کو تمام وکمال نقل کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

''امابعد از جملہ برکاتِ عہد واوان سلطنت وا بہت تو امان سر خواقین جہان، ملاذ قیاصر زمان، ملجائے اکاسر دوران، دارا دربان، سکندر عزوشان، خاقان سکندر حشمت و خدیو سلیمان شوکت، قدر قدرت، فریدون عظمت، باسط بساط امن وہدایت، مرکز آسمان وقار عدالت، اعلیٰ حضرت، خورشید مرتبت، اعنی السلطان الاعظم والخاقان الاکرم ابوالفتح معین الدین سلطان عادل نوشیروان زماں۔

محمد علی شاہ پادشاہ دوران خَلَّدَ اللہُ مُلْکَہٗ وَسُلْطَانَہٗ وَاَفَاضَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ بِرَّہٗ وَاِحْسَانَہٗ ایک یہ ہے کہ ہرگاہ بمصداق اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ شاہزادۂ آفاق گیر وولی عہد بے نظیر، شمس تاباں، فلک سلطنت واقبال وقمر درخشان فضل وکمال، درِّ صدف عظمت وکامگاری، لعل بدخشاں ابہت نامداری، نونہال بوستان والا دودمانی، سرو حدیقہ عالی خاندانی، ثمرۂ شجرہ عظمت وسلطنت، رافع لوائے دین ودولت، موسس اساس کیش وملت، حامی دین خاتم الرسالت، سلطان جم سپاہ وخاقان گیتی پناہ، مروج مذہب آئمہ طاہرینؑ، حامی دین آئمہ معصومینؑ، مرکز محیط کرم گستری، قطب فلک مسکین پروری مشکل کشائے گرہ ہای کاربستگان، دستگیر دستہائے پژمردگان، برق تیغ باراں کے واسطے خرمن حیات معاندین کے سبب دخول دارالبوار ہے اور آب داری حسام جانستان ان کی بہ جہت سرہائے مخالفین ایک سیل بجانب مسکن بئس القرار ہے، وہ شجاعت نژاد کہ اگر کوئی تیغ غلاف میان سے کھینچے مثل بید برخود لرزنے لگے اور جو شخص کہ چار آئینہ عداوت در بر کرے صورت موت اپنی اس میں جلوہ گر پاوے، ہیبت اس کی سے لرزہ بر دلیران روم وزنگ ہے اور فطانت اس کی سے انگشت حیرت در دہان دانشوران فرنگ۔

وَلِلّٰہِ دَرُّ مَنْ قَالَ

وہ یکتا ہے ہر یک فن و علم میں
مثل ہے شجاعت میں اور حلم میں
عدالت سے اس کی ہے امن و اماں
نہ لے خلق اب نامِ نوشیرواں
عصافیر کے خوف و دہشت سے یاں

لگاتا نہیں باز بھی آشیاں
جہاں دیکھو اب شہر میں در بدر
قلادہ بہ گردون پھریں شیرنر
زبردست غالب نہیں زیر پر
کہ ڈرتا نہ ہووے نہ زیر و زبر
نہیں ہے کوئی ظلم آموختہ
کہ شاہیں کی ہے چشم تک دوختہ
شجاعِ جہاں صفدرِ روزگار
ممالک ستاں سرورِ نامدار
کرے کوئی گردن کشی کا خیال
تو اقبال اس کے سے ہو پائمال
رُخ اس کے سے نورِ سعادت عیاں
جبیں سے وفورِ شجاعت عیاں
کہ ہے رعب و صولت سے جس کی سوا
قوی پشتِ دینِ رسولؐ خدا

وَلِلّٰهِ دُرُّ مَنْ قَالَ

ثریا جاہ ہے عالی ہمم ہے
سکندر پاسباں دارا حشم ہے
فلک تمثال اس کا آستاں ہے

کہ اس در پر ملائک پاسباں ہے
شجاع و شیر افگن عدل گستر
شہِ ضرغام صولت ، خلق پرور
حسام اس کی جو میداں میں علم ہو
چمک سے سر عطارد کا قلم ہو
عجب کیا شیر ہو روبہ کا دمساز
مکاں کنجشک کا ہو خانۂ باز
تعجب کچھ نہیں اس کا کہ صعوہ
بناوے باز کے گھر آشیانہ
ہے شہرہ چار سو عدل و کرم کا
ہے آوازہ ہر اک جانب حشم کا
نہیں مظلوم کو ظالم سے ڈر ہے
وہ منصف ہے کہ عالم بے خطر ہے
فصاحت ختم ہے عالی ہمم پر
بلاغت ختم ہے بحرِ کرم پر
ہے ادنیٰ خوشہ چیں سحبانِ وائل
کہ ہے خود ناطقہ تک اس کا قائل
یہی دینِ نبیؑ کا پاسباں ہے
محبِ آلِ احمدؐ بے گماں ہے

یہی ہے سالکِ راہِ شریعت
یہی ہے رہروِ شرع و طریقت
اسی سے جلوہ گر دینِ مبیں ہے
منوّر اس سے بس شرعِ متیں ہے
یہ دل ہے دوستدار ، آلِ عبؑا کا
محب ہے یہ شہیدِ کربلؑا کا
نہیں تعریف کی طاقت زباں کو
نہیں توصیف کی وسعت بیاں کو
یہی ہردم دعائے مومنین ہے
یہ مصروف دعا ہر پاک دیں ہے
ممدِ شہ ، شہیدؑ کربلا ہو
معاون مصطفیؐ و مرتضیؑ ہو

محیی مراسم الشریعت الغرّ ا، مشید قوانین ملت بیضا السلطان ابن السلطان والخاقان ابن الخاقان اعنی ابوظفر سپہر شکوہ، ثریا جاہ، صاحب عالم امجد علی خاں بہادر دام اقبالہٗ لازالت الرایات دولتہ مرتفعہ وروٗس اعداۂ مکسورۃ ہموراہ، ہمت والا نہمت ان کی مصروف رواج دین آئمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین ہے۔ لہٰذا ان ایام خجستہ انجام میں کہ سن ہزار و دوصد و پنجاہ وسہ ہجری ہے اس خاکسار کو کہ زائر ابن زائر یعنی سید علی بن فخر المجتہدین وقدوۃ المتکلّمین سید دلدار علی بن سید محمد معین النقوی اعلیٰ اللہ فی فرادیس الجنان مقامہا ارشاد ہوا کہ قبل ازیں تفسیر کلام اللہ کہ زبان اردوئے ہند میں تالیف ہوئی اور سیزدہ جزمرتب ہوکر بہ سبب بعضے موانع کے

اتمام کو نہ پہنچی اس ہنگام میں اختتام کو پہنچا۔ بنا بریں دیباچہ اس تفسیر کو بنام نامی ملازمین مزین کرکے مشغول اتمام ہوا اور اس تفسیر کا ''توضیح مجید فی تنقیح کلام اللہ الحمید'' نام رکھا۔''

اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سید علی صاحب نے پہلے کتاب کے تیرہ جز مکمل کر لئے تھے، لیکن پھر بعض موانع کی بنیاد پر یہ کام ترک کر دیا گیا تھا لیکن ثریا جاہ امجد علی خان ولی عہد سلطنت اودھ کے حکم سے ۱۲۵۳ھ میں انھوں نے دوبارہ تصنیف کا کام شروع کیا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ضخیم تصنیف کتنے عرصہ میں اختتام کو پہنچی، لیکن ۱۲۵۷ھ میں یہ چھپ چکی تھی جیسا کہ قطعۂ تاریخ اور اس سے متعلقہ مندرجہ ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے:

''توضیح مجید تفسیر فرقان حمید بزبان اردو عام فہم''

قطعہ تاریخ وقف تفسیر ہندی

حامیٔ مذہب ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین، مجتہد العصر والزمان اعنی جناب سید علی صاحب کہ بہ فرمائش آیۂ رحمتِ ذوالجلال سورۂ فتح و اقبال ابوالظفر ثریا جاہ سپہر شکوہ بہادر دام اقبالہٗ تصنیف فرمودہ بودند در ۱۲۵۷ھ حلیہ طبع پوشیدہ بر مومنان وقف شد۔

ولیِّ عہد فیاض زماں است
نمود اکثر کتب بر اہلِ دیں وقف
چو ایں تفسیر مطبوعِ جہاں ست
لہٰذا گشت بر اہلِ زمیں وقف
چو خاص وعام از وے بہرہ یابند
جہاں خوشنود شد از ہم چنیں وقف
ز امدادِ حسین ایں امر خیر است

شد از تحریک او ایں طبع و ایں وقف

قبول از بہرِ سالِ وقف بنویس

بود تفسیر بہرِ طالبیں وقف

۱۲۵۷ھ

قطعہ تاریخ نواب مقبول الدولہ قبولؔ کا ہے، جو مطبع سلطانی کے ناظم تھے۔ ان کے قطعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نواب امداد حسین خاں کی تحریک پر جو اودھ کے وزیر اعظم بھی رہے ہیں، ولی عہد سلطنت نواب ثریا جاہ امجد علی خاں نے یہ تفسیر مطبع سلطانی میں چھپوا کے وقف قرار دی تھی اور بغیر کسی قیمت کے ارباب علم کو تقسیم کی گئی تھی۔

ثریّا جاہ امجد علی خاں جو بعد میں امجد علی شاہ کے نام سے سریر آرائے سلطنت ہوئے بڑے دیندار اور متشرع حکمراں تھے۔ اور بادشاہ ہونے کے بعد انھوں نے تاریخ ہند میں پہلی بار ایک خالص شرعی حکومت قائم کی تھی۔ اس حکومت کے سارے محکموں میں افسران اعلیٰ علمائے کرام تھے۔ اور انھیں ہدایت کی گئی تھی کہ وہ ہر محکمہ میں شرعی قوانین نافذ کریں۔ چنانچہ آبکاری کا محکمہ بھی ایک عالم دین کے سپرد تھا۔ جس پر مشہور مرثیہ گوشاعر مشیرؔ نے یہ طنز کی تھی ۔

شراب جو نہ پئے آج کل وہ ناری ہے

جناب قبلہ وکعبہ کی آبکاری ہے

اسی شدید مذہبیت کا یہ نتیجہ تھا کہ امجد علی شاہ کو مذہبی کتابوں کی تصنیف اور اشاعت سے خصوصی دلچسپی تھی۔ انھوں نے علماء سے کہہ کر بہت سی کتابیں لکھوائیں اور طبع کرائیں۔ انھیں کتابوں میں تفسیر توضیح مجید بھی شامل ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے یہ اردو زبان میں قرآن مجید کی پہلی تفسیر ہے۔ قرآن پاک کے تراجم تو اردو میں اس سے پہلے بھی ہو چکے تھے، لیکن اردو میں

تفسیر اور اتنی ضخیم تفسیر یہ پہلی ہی ہے۔ اور اپنی اس خصوصیت کے اعتبار سے کہ اس میں آیات قرآنی کے اعداد بہ حساب زبر اور بہ حساب بیّنہ نکال کے انھیں کے ہم عدد عبارتوں سے تفسیر کی گئی ہے۔ شاید یہ دنیائے اسلام میں اپنی آپ مثال ہے۔ عربی فارسی اور اردو میں قرآن پاک کی سیکڑوں تفسیریں موجود ہیں اور ان میں سے بعض اپنی خصوصیات کے اعتبار سے بے حد شہرت رکھتی ہیں۔

مولانا سید علی مرحوم کی یہ بدقسمتی ہے کہ انھوں نے اپنی تفسیر میں صنعت زبر و بینہ سے کام لے کر ایک بڑی جدّت وندرت پیدا کی ہے لیکن ان کی تفسیر پر لوگوں نے توجہ نہیں کی اور یہ معرکہ آرا ادبی، علمی و دینی شاہکار آج خمول گمنامی کا شکار ہے۔

مجھے اس تفسیر کا نسخہ کتب خانۂ جنت مآب لکھنؤ میں ملا۔ بعض دوسرے کتب خانوں میں بھی اس کے نسخے موجود ہیں۔ لیکن دیمک کی نذر ہو رہے ہیں اس لئے کہ علمی اور ذہنی زوال کے اس دور میں اس قسم کی جگر کاریوں اور ژرف نگاریوں کی قدر کرنے والا کون ہے؟ صنعت زبر و بینہ میں مرزا دبیرؔ صاحب نے میر انیسؔ کی تاریخ وفات نکالی تھ، اور بس۔ اس کے بعد اس صنعت کو ہاتھ نہیں لگایا گیا۔ مولانا سید علی صاحب نے اپنی اردو تفسیر میں اس صنعت سے بے پناہ کام لیا۔ اور شاید اس اعتبار سے انھوں نے اردو کے ادبی ذخیرہ میں بھی ایک زبردست اضافہ فرمایا لیکن ہماری شومی قسمت کہ دوسرے تو کیا، خود ان کے خاندان کے موجودہ ارباب علم (الاّ ماشاء اللہ) بھی ان کی کتاب کے نام تک سے واقف نہیں ہیں۔

قبل اس کے کہ ہم قرآن پاک کے اس ترجمہ اور تفسیر پر کچھ روشنی ڈالیں، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے کچھ حالات بیان کر دیئے جائیں۔

سید المفسرین آیۃ اللہ مولانا سید علی صاحب مجدّد مذہب جعفریہ آیۃ اللہ فی العالمین حضرت

غفران مآب مولانا سید دلدار علی صاحبؒ کے دوسرے بیٹے تھے۔ حضرت غفران مآبؒ کے بڑے صاحبزادے آیۃ اللہ فی العالمین سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحبؒ بڑے پایہ کے عالم اور مجتہد تھے۔ اور اودھ کی تاریخ علمی میں ایک خاص مقام کے مالک تھے، ان کی دو کتابیں بارقہ ضیغمیہ اور ضربت حیدریہ بہت مشہور ہیں، حضرت سلطان العلماء ۱۷/صفر ۱۱۹۹ھ کو پیدا ہوئے اور اس کے محض ڈیڑھ سال بعد ۸/شوال ۱۲۰۰ھ میں مولانا سید علی صاحب کی ولادت ہوئی۔ سید علی صاحب نے ساری تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ اور اپنی خداداد ذہانت کے سبب سے ابتدائے نوجوانی ہی میں پایۂ اجتہاد پر فائز ہوگئے۔ ان کی جلالت علمی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مولانا سید اعجاز حسین صاحب نے اپنی ایک کتاب میں ان کے لئے الامام الھمام اور السید السند کے سے عظیم اور گرانقدر الفاظ استعمال کرنے کے بعد ان کی مدح میں لکھا ہے:

"كَانَ عَالِمًا فَاضِلاً خَبِيْرًا بِالْمَعَانِيْ وَالْبَيَانِ وَاَقْضَا عَلَى الْفُرُوْعِ وَتَفْسِيْرِ الْقُرْآنِ قَارِيًا صَالِحًا مُتَدَيِّنًا"

(وہ عالم، فاضل، فن معانی و بیان سے واقف، احکام فقہیہ پر مطلع اور تفسیر قرآن کے ماہر، فن تجوید و قرأت میں کامل اور صلاح و دیانت کے جوہروں سے آراستہ تھے)

مولانا سید علی صاحب متعدد کتابوں کے مصنف تھے، جن میں رسالہ ردِّ اخباریین، رسالہ در اثباتِ عزاداری، رسالہ در بحث فدک، رسالہ در اثبات متعہ اور رسالہ در علم تجوید وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

۱۲۴۵ھ میں آپ نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ تشریف لے گئے، جہاں آپ سے علماء ایران و عراق سے اہم علمی مذاکرات ہوئے، افسوس یہ ہے کہ ان علمی مباحثوں اور مناظروں کی کوئی تفصیل ہم تک نہیں پہنچی، واپسی میں آپ پھر تصنیف و تالیف میں مشغول ہوگئے۔ اور

۱۲۵۳ھ میں اپنی تفسیر مرتب کرنا شروع کی۔ یہ تفسیر یقیناً ۱۲۵۶ھ تک مکمل ہوگئی ہوگی۔ اس لئے کہ ۱۲۵۶ھ میں آپ دوبارہ عراق تشریف لے گئے اور وہیں ۱۲۵۹ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کربلائے معلیٰ میں روضۂ اقدس واطہر کے پھاٹک سے متصل آل صاحب ریاض کے قبہ میں مدفون ہیں۔

جہاں تک قرآن پاک کے ترجمہ کا تعلق ہے، مولانا سید علی صاحب کا ترجمہ مولانا رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کے تراجم کے مقابلہ میں کافی بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا سید علی صاحب کے زمانہ میں زبان ترقی کرچکی تھی اور شمالی ہندوستان میں نثر نگاری کا باقاعدہ آغاز ہو چکا تھا۔ آتشؔ وناسخؔ کے ہاتھوں تصفیہ وتزکیہ زبان کی مہم تکمیل کی منزلیں طے کررہی تھی، اس لئے یہ ترجمہ اگر سابق تراجم کے مقابلہ میں زیادہ صاف اور شستہ زبان میں نظر آتا ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔

اب ذیل میں بعض مختصر سوروں کا ترجمہ نقل کررہا ہوں جس سے یہ اندازہ ہوگا کہ مولانا سید علی صاحب اس میدان میں کس حد تک کامیاب رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو سورۂ حمد کا ترجمہ:

''ابتدا کرتا ہوں ساتھ نام خدا کے کہ رحمن ورحیم ہے تمام شکر ثابت ہے واسطے خدا کے کہ پالنے والا عالموں کا ہے، رحمن ہے، رحیم ہے، مالک روز قیامت کا ہے، تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں ہم، ہدایت کر ہم کو راہ راست کو کہ راہ ان لوگوں کی ہے کہ انعام کیا ہے تو نے اوپر ان کے، نہ راہ ان لوگوں کی کہ غضب کیا گیا ہے اوپر ان کے اور نہ راہ گمراہوں کی۔''

سورۂ انا انزلنا کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''بدرستیکہ نازل کیا ہم نے اس کو بیچ شب قدر کے، اور کیا جانا تو نے کہ کیا ہے شب قدر؟

شب قدر بہتر ہے ہزار مہینے سے، نازل ہوتے ہیں ملائکہ اور جبرئیل بیچ اس کے ساتھ حکم پروردگار اپنے کے ہر امر سے سلامتی ہے اس شب میں تا اینکہ صبح طلوع ہو۔''

سورۂ فلق کا ترجمہ:

''کہہ تو پناہ مانگتا ہوں ساتھ پروردگار سفیدۂ صبح کے شر اس چیز سے کہ پیدا کیا اور بدی شب تاریک سے جس وقت آئے تاریکی اس کی اور شر پھونکنے عورتوں سے جو بیچ گرہ کے اور شر حسد کرنے والے سے جب حسد کرے۔

سورۂ والناس کا ترجمہ:

''کہہ تو پناہ مانگتا ہوں میں ساتھ پروردگار آدمیوں کے بادشاہ مردمان کے معبود مردمان کے شر سے دیو وسوسہ کرنے والے کے ایسا کہ وسوسہ ڈالتا ہے بیچ سینہ ہائے آدمیوں کے جنات اور آدمیوں سے۔''

اب ہم سورۂ قل ھو اللہ کا ترجمہ مع تفسیر کے نقل کر رہے ہیں جس سے نہ صرف یہ کہ مصنف کے انداز تفسیر پر روشنی پڑتی ہے بلکہ ان کا انداز تحریر بھی ہمارے سامنے آتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ کے، بخشنے والے بڑے مہربان کے، کہہ تو وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہیں پیدا کیا کسی کو اور نہ پیدا کیا گیا کسی سے اور نہیں ہے واسطے اس کے ہمتا کوئی۔

ابی بن کعب سے نقل ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو یہ سورہ پڑھے گویا کہ اس نے ثلث قرآن پڑھا اور دس گنے اس شخص سے کہ جو ایمان لائے ساتھ خدا اور رسولؐ اور ملائکہ اور کتب اور قیامت کے حسنہ واسطے اس کے لکھے جاتے ہیں اور ابی درداؓ نے سید انبیاءؐ سے نقل کی ہے کہ فرمایا کوئی تم لوگوں میں ایسا نہیں ہے کہ بیچ ایک شب کے ثلث قرآن پڑھے، کہا میں نے

یارسولؐ اللہ کون پڑھ سکتا ہے؟ فرمایا کہ قل ھواللہ پڑھو کہ ثواب اس کا مثل ثواب ثلث قرآن کے ہے اور اگر دوبارہ پڑھا ہو تو گویا دوثلث قرآن پڑھا۔ اور اگر تین بار پڑھو تو سب قرآن پڑھا ہو۔ اور جو شخص کہ اپنے گھر میں جائے اور اس سورہ کو پڑھے تو فقر اور احتیاج اس گھر سے باہر جاوے اور تونگری و فراخی بیچ اس گھر کے آوے۔ انس بن مالک نے رسولؐ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جو ایک بار اس سورہ کو پڑھے حق تعالیٰ برکت دے اس کو بیچ نفس اور مال کے اور جو دو مرتبہ پڑھے اس کو اور اہل اس کے کو برکت دے اور جو تین مرتبہ تلاوت کرے برکت دے واسطے اس کے اور ہمسایہ اس کے کے اور اگر بارہ مرتبہ پڑھے تو بارہ قصر بیچ بہشت کے واسطے اس کے بنا کرے اور فرشتوں کو کہے کہ آؤ تا قصرہائے برادر اپنے کو دیکھو کہ کیونکر بنا کیا ہے۔ اور اگر سو مرتبہ پڑھے تو گناہ پچپن برس کے اس کے بخشے جائیں سوائے خون ناحق اور غصب اموال کے، اگر چار سو مرتبہ پڑھے تو گناہ چار سو برس کے اس کے بخشے جاویں۔ اور اگر ہزار مرتبہ پڑھے تو نہ مرے جب تک کہ جگہ اپنی کو بیچ بہشت کے نہ دیکھے یا اور آدمی اس کی جگہ کو دیکھیں۔ سہل بن ساعدی نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ایک مرد نزدیک پیغمبرؐ کے آیا اور فقر و فاقہ اور.................................... بیچ گھر اپنے کے جائے تو سلام کر تو کسی کو دیکھے نہ دیکھے تو اور ایک مرتبہ قل ھواللہ پڑھ، اس مرد نے ساتھ اس عمل کے اقدام کیا اور حق سبحانہ تعالیٰ نے روزی اس کے اوپر اس کے فراخ کی تا آن کہ ہمسایہ کو بھی اپنے اس نے محفوظ کیا۔ سکونی نے ابی عبداللہ علیہ السلام سے نقل کی کہ جس وقت سعد بن معاذ نے وفات کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز اوپر اس کے پڑھی اور فرمایا کہ جبرئیل نے ساتھ ستر ہزار فرشتہ کے نماز پیچھے میرے اوپر سعد کے پڑھی۔ کہا لوگوں نے یارسول اللہ سعد نے یہ فضیلت کس چیز سے پائی، فرمایا: قل ھواللہ کو اس نے ورد کیا تھا اور ہمیشہ اُٹھتے اور بیٹھتے اور سوار اور پیادہ اور آتے جاتے پڑھتا تھا۔ انس نے

روایت کی ہے کہ ایک روز ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیچ تبوک کے تھا میں، اس روز آفتاب طالع ہوا ساتھ ایسے نور اور شعاع کے کہ مثل اس کا ہرگز نہ دیکھا تھا میں نے، کہا میں نے یارسول اللہ یہ کیا نور ہے کہ اوپر آفتاب کے غالب ہوا، آنحضرت متفکر ہوئے، جبرئیل نازل ہوئے اور کہا یارسول اللہ معادیہ لیثی بیچ مدینے کے فوت ہوا تھا، حق تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتے بھیجے کہ اس پر نماز پڑھیں۔ حضرت صلعم نے پوچھا کہ یہ مرتبہ کہاں سے پایا؟ کہا: ساتھ ورد قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کے کہ اس کو بیٹھے اور کھڑے اور چلتے اور پھرتے اور گاہ و بیگاہ پڑھتا تھا۔ کہا اے جبرئیل مجھ کو یہ آرزو ہے کہ اوپر اس کے نماز پڑھوں میں پس طئی ارض ہوئی اور آنحضرت تبوک سے طرف مدینہ کے آئے اور ساتھ فرشتوں کے نماز پڑھی، اور ابوعبداللہ سے منقول ہے کہ جو شخص ایک روز اور ایک شب کی پانچوں نماز یومیہ میں قل ھواللہ نہ پڑھے، تو اس کو کہتے ہیں کہ اے بندۂ خدا تو نماز پڑھنے والوں میں نہیں ہے اور اسحٰق بن عمار سے نقل ہے کہ ابی عبداللہ نے فرمایا کہ جس کو ایک جمعہ گزرے اور بیچ اس کے قل ھواللہ نہ پڑھے اور مرے تو دین ابولہب پر مرے گا۔ اور انھیں حضرت سے مروی ہے کہ جو ایمان بخدا اور روز قیامت کے رکھے چاہئے کہ قرأت قل ھواللہ کو بیچ نماز کے ترک نہ کرے، کس واسطے کہ جو قرأت اس کی کرے خیر دنیا اور آخرت کو جمع کرے، اور بخشے اللہ تعالیٰ اس کو اور ماں باپ اور فرزند اس کے کو اور عبداللہ بن حجر نے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ سے سنا میں نے کہ فرمایا کہ جو بیچ عقبِ نماز صبح کے گیارہ مرتبہ قل ھواللہ پڑھے بیچ اس روز کے کوئی گناہ اس سے صادر نہ ہوگا اور شیطان کو ذلیل و خوار رکھے گا۔ اور ابی الحسن سے روایت ہے کہ جو نزدیک سلطان جبّار وقہار کے جایا چاہے اور اس سے خائف ہو تو قل ھواللہ اوپر منھ اور چپ و راست اور پیچھے اپنے کے دم کرے تو حق تعالیٰ خیر اس سلطان کو اوپر اس کے پہنچا دے اور شر اس کے کو دفع کرے اور امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو قل ھواللہ سوتے وقت پڑھے حق تعالیٰ اس کے پچاس برس کے گناہ بخشے۔ ابن عباس سے نقل ہے کہ عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ برادر لبید نزدیک رسول اللہ کے آئے، عامر نے کہا اے محمدؐ ہم کو ساتھ کس کے دعوت کرتا ہے تو فرمایا: تم کو ساتھ خدا کے کہ مستجمع جمیع صفات کمال کا ہے دعوت کرتا ہوں میں، کہا کہ ہم سے وصف اس کا بیان کرو کہ وہ طلا سے ہے یا نقرہ سے یا آہن سے یا چوب سے، یہ سورہ نازل ہوا۔ انھوں نے نہ مانا۔ پیچھے ان کے صاعقہ آیا اور اربد کو جلایا۔ اور عامر بھاگا۔ اتفاقاً نیزہ اوپر پہلو اس کے کے لگا۔ اور ہلاک ہوا اور معلوم نہ ہوا کہ کہاں سے آیا۔

بیچ معالم التنزیل کے ہے کہ یہود ان نے کہا کہ یا ابوالقاسم وصف خدا کا کرتا ساتھ تیرے ایمان لاؤں میں، کس واسطے کے وصف اس کے بیچ توریت میں دیکھے ہیں ہم نے، کہو تو کیا چیز ہے اور کیا کھاتا ہے اور کیا پیتا ہے اور کس سے میراث لی ہے اور میراث اس کی کون لے گا، پس یہ سورہ اترا۔

قَوْلُهٗ۔ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ۔

کہہ تو اے محمدؐ اس سے کہ تجھ کو پوچھتا ہے کہ وہ خدائے مستجمع صفات کمال ہے اور یگانہ ہے یعنی متوحد ہے ساتھ ذات کے اور منفرد ہے ساتھ صفات کے اور اکثر مفسر اوپر اس کے ہیں کہ ضمیر شان ہے یعنی شان اور امر عظیم یہ ہے کہ خدا ایک ہے اور اس کا ثانی نہیں ہے، بیچ اُلوہیت اور قدمیت کے۔ ابوجعفر علیہ السلام سے روایت ہے کہ امیر المومنین نے فرمایا کہ معنی اللہ کے معبود کے ہیں، ایسا معبود کہ گرویدہ ہوں طرف اس کے اور متحیر ہوں بیچ صفات اس کے تمام عالم اور پوشیدہ ہو دریافت کرنے بینائی سے اور محجوب ہو وہم اور خطرات سے، بعد اس کے فرمایا کہ معنی کلام امیر المومنین کے یہ ہیں کہ اللہ معبود ہے کہ بندے والہ اور متحیر اور سرگردان ہیں

دریافت ماہیت اس کی سے اوراس کا نظیر اور مثل نہ ہو بیچ ذات اور صفات کے۔

قَوْلُهٗ - اَللّٰهُ الصَّمَدُ:

معبود بحق پناہ سب محتاجوں اور نیازمندوں کا ہے اور بے نیاز ہے غیر اپنے سے، پس نہ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے برخلاف اس کے جو زعم یہودیوں کا ہے، اور بیچ تفسیر ماوردی کے لکھا ہے کہ صمد وہ ہے کہ جو چاہے کرے اور بیچ عین المعانی کے امام علی بن موسیٰ الرضاؑ سے نقل کیا ہے کہ صمد وہ ہے کہ عقلیں دریافت کیفیت اس کی سے ناامید ہوں۔ امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ باپ میرے زین العابدینؑ نے اپنے باپ حسینؑ بن علیؑ سے روایت کی ہے کہ صمد وہ ہے کہ اس کو خوف نہ ہو اور صمد وہ ہے کہ نہ کھائے اور نہ پئے اور صمد وہ ہے کہ خواب نہ کرے، یعنی ایسا زندہ کہ ساتھ تینوں حاجتوں بشری کے محتاج نہ ہو اور صمد سید مطاع ہے کہ او پر اس کے حکم کرنے والا اور منع کرنے والا نہ ہو۔ اور محمد حنفیہ سے نقل کی ہے کہ صمد قائم بنفسہ ہے۔ اور غنی بالذات اپنی سے اور کون وفساد سے متعالی اور غیر موصوف ہو ساتھ نظائر اور امثال کے اور علی بن زین العابدینؑ نے فرمایا کہ صمد وہ ہے کہ اس کے شریک نہ ہوں اور بیچ رنج کے نہ ڈالے۔ اس کو نگاہ رکھنا کسی چیز کا اور پنہاں نہ ہو اس سے کوئی چیز اور وہب سے نقل ہے کہ صمد وہ ہے کہ جس وقت ارادہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا کرے ساتھ لفظ کن کے ایجاد اور ابداع اس کا کرے اور یہ اضداد واشکال اور اوضاع مختلفہ احداث اس کا کرے اور منفرد ہو ساتھ وحدت کے اور اس کا ضد اور مثل نہ ہو۔ امام جعفر صادقؑ سے معنی صمد کے پوچھے فرمایا کہ تفسیر صمد وہ ہے کہ بعد اس کے فرمانا ہے لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ نہیں جنا یعنی نہیں نکلی اس سے کوئی چیز کثیف کہ وہ ولد ہے اور سب اشیاء کثیف کہ مخلوق سے پیدا ہوتی ہے۔ اور نہ چیز لطیف کہ مانند نفس کے اور منبعث نہ ہو اس سے کوئی عوارض مانند نوم اور خطر اور غم اور حزن اور بہجت اور ضحک اور بُکا اور خوف اور رجا اور

رغبت اور شامہ اور جوع اور شبع اور سوا اس کے یعنی متعالی ہے کہ متولد ہو اور باہر آئے اس سے اشیاء کثیفہ اور لطیفہ اور پیدا نہیں کیا گیا یعنی باہر نہ آیا ہو کسی چیز سے جیسے کہ اجزائے کثیفہ باہر آتے ہیں عناصر سے جیسے حیوان حیوان سے اور نبات زمین سے اور پانی چشموں سے اور اثمار درختوں سے جیسے کہ اشیائے لطیفہ کہ مرکز اپنے سے باہر آتی ہیں، مانند بینائی آنکھ سے اور سمع کان سے اور سونگھنا ناک سے، اور مزہ منھ سے اور کلام زبان سے اور معرفت اور تمیز قلب سے اور آگ پتھر سے۔ بلکہ وہ صمد ہے، ایک ہے کہ لَا مِنْ شَيْءٍ ہے اور لَا فِيْ شَيٍ وَلَا عَلٰى شَيٍ ہے اور مبدع اشیا اور منشی امور بہ قدرت اور فنا کرنا اس کا ساتھ مشیت کے اور باقی رکھنا اس کا ساتھ مصلحت کے۔

قَولہٗ۔ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔

اور نہیں ہے اور نہ تھا واسطے اس کے ہمتا اور مماثل کوئی، یعنی اس کا مثل ونظیر اور شبہ بیچ ذات اور صفات کے نہیں ہے، بعد اس کے فرمایا کہ جان کہ لَمْ یَلِدْ رد اس جماعت کی ہے کہ عزیر اور مسیح کو بیٹے خدا کے کہتے تھے۔ اور لَمْ یَلِدْ رد نصاریٰ کی ہے کہتے تھے کہ مسیح خدا ہے اور لَمْ یَکُنْ لَہٗ کُفُوًا اَحَدٌ رد مجوس اور مشرکین ہے کہ کہتے تھے کہ اس کے شریک اور انباز ہیں، اور بعضے کہتے ہیں کہ نزدیک معطلہ کے عالم کا کوئی صانع نہیں ہے اور فلاسفہ او پر اس کے ہیں کہ ایک صانع ہے۔ لیکن نام اور صفت نہیں ہے اور مذہب مثنویان وہ ہے کہ شریک رکھتا ہے اور معتقد مشبہ کی دو ہے یعنی مانند ہے اس کا خلق میں اور یہود و ترسا کہتے ہیں کہ زن وفرزند ہیں، اور اعتقاد مغان کا یہ ہے کہ کفو رکھتا ہے کہ جب بندہ مومن کہتا ہے کہ تعطیل سے بیزار ہوا اور جس وقت اللہ کہا گفتار فلاسفہ سے پھرا۔ اور جس وقت احد کہا روش مثنویہ سے علیحدہ هُوَ اللهُ الصَّمَدُ کہا مذہب مشبہ سے دور ہوا اور جس وقت لَمْ یَلِدْ اور وَلَمْ یُوْلَدْ کہا یہود اور ترسا

سے بیزاری کی۔اور جب ولم یکن له کفوا احد کہا معتقد مغان سے مبرّا ہوا۔"

جہاں تک مولانا سید علی صاحب کے ترجمۂ قرآن مجید کا تعلق ہے اسے ۱۳۰۸ھ میں جناب بحر العلوم مولانا سید محمد حسین عرف علن صاحب قبلہ نے دوبارہ مطبع اعجاز محمدی واقع کوچہ حکیمان اکبر آباد سے اس طرح شائع کرایا تھا کہ یہ ترجمہ بین السطور میں تھے اور حاشیہ پر ملا فتح اللہ کاشانی علیہ الرحمہ کی تفسیر خلاصۃ المنہج کا ترجمہ بقلم جلی شائع کیا گیا تھا۔آج یہ نسخہ بھی نایاب ہے۔

میں کوئی عالم دین نہیں ہوں کہ تفسیر کے سلسلے میں کوئی رائے دے سکوں۔البتہ چند امور کی جانب توجہ دلانا ضروری تصور کرتا ہوں:

۱۔اردو زبان کی یہ پہلی تفسیر ہے اس لئے تاریخ ادب اردو میں اس کا ایک خاص مقام ہے۔

۲۔لکھنؤ میں اردو نثر نگاری کا آغاز ۱۲۴۰ھ سے ہوا اور یہ تفسیر ۵۴-۱۲۵۳ھ میں لکھی گئی جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ نثر اردو کے بالکل ابتدائی دور کی کتاب ہے۔

۳۔مفسر نے یہ احتیاط برتی ہے کہ ساری تفسیر احادیث کے ذریعہ کی ہے اور پوری تفسیر میں دس ہزار سے زیادہ احادیث جمع کردی گئی ہیں۔

۴۔تفسیر کی زبان ویسی ہی ہے جیسی کہ اس دور کے علماء عام طور پر استعمال کرتے تھے۔

۵۔باوجود اس امر کے کہ "زبان اردو عوام فہم" میں "تفسیر ہندی" لکھنے کا دعویٰ کیا گیا ہے لیکن عربی اور فارسی الفاظ کافی استعمال کئے گئے ہیں۔اس لئے کہ یہ علماء کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے۔

تفسیر توضیح مجید کو تفسیر زبر و بینہ بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ تفسیر میں سیکڑوں آیاتِ قرآنی کی تفسیر اعداد زبر و بیّنہ کی مدد سے کی گئی ہے۔قبل اس کے کہ میں تفسیر سے زبر و بیّنہ کی مثالیں پیش کروں، میں یہ ضروری تصور کرتا ہوں کہ چند جملوں میں زبر و بیّنہ کی تشریح کردوں اس لئے کہ

شاید بعض حضرات اس سے واقف نہ ہوں۔

واقعہ یوں ہے کہ حروف ابجد کے اعداد دو طریقوں سے نکالے جاتے ہیں۔ ایک طریقہ زبر کہلاتا ہے اور دوسرا بیّنہ۔ زبر حرف ابجد کی خطی صورت ہے اور بینات انھیں حروف کی ملفوظی شکل کی اس صورت کو کہتے ہیں کہ جس میں سے زبر کو ساقط کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً ا ب ج د ہ و وغیرہ زُبر ہیں۔ انھیں حروف کی ملفوظی شکل یہ ہوگی۔ الف با جیم ھا واوَ اب اس ملفوظی شکل میں سے زبر ساقط کر دیجئے تو لف ا یم ا او باقی رہ جاتا ہے اور اسے بیّنہ کہتے ہیں۔

اگلے صفحے پر ہم حروف ابجد کے زبر و بیّنات اور ان کے اعداد کا چارٹ درج کر رہے ہیں جن سے اس تفسیر کی مخصوص صنعت کو سمجھنا آسان ہوگا۔

اب تفسیر کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔ واوین میں مصنف کی عبارت ہے اور قوسین میں میں نے اعداد دے کر اس کی تشریح کی ہے تاکہ عام قارئین بھی مستفید ہو سکیں۔

(۱) الٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔

''تفصیل اس کی یہ ہے کہ اَلْکِتٰب چھ حروف ہیں۔ عدد اس کے بہ حساب زُبر چار سو چوون ہیں۔ مطابق اس کے یہ عبارت پیدا ہوتی ہے عَلِيٌّ وَلِيُّ اللهِ هُوَ اِمَامُ الْحَقِّ''

(تشریح:

ا ل ک ت ا ب

۱ ۳۰ ۲۰ ۴۰۰ ۱ ۲ = ۴۵۴

عَلِيٌّ وَلِيُّ اللهِ هُوَ اِمَامُ الْحَقِّ

ع ل ی و ل ی ل ل ا ہ ہ

۷۰ ۳۰ ۱۰ ۶ ۳۰ ۱۰ ۳۰ ۳۰ ۱ ۵ ۵

و ا م ا م ا ل ح ق

۶ ۱ ۴۰ ۱ ۴۰ ۱ ۳۰ ۸ ۱۰۰ = ۴۵۴)

''عدد اس کے بہ حساب بیّنات تین سے چوالیس ہوتے ہیں خارج ہوتی ہے مطابق اس عدد کے یہ عبارت عَلِیٌّ هُوَ اِمَامُ الْحَقِّ''

(تشریح: ا ل ک ت ا ب کے بینات درج ذیل ہیں:

ل ف ا م ا ف ا ل ف ا

۳۰ ۸۰ ۱ ۴۰ ۱ ۸۰ ۱ ۳۰ ۸۰ ۱= ۳۴۴

عَلِیٌّ هُوَ اِمَامُ الْحَقِّ

ع ل ی ہ و ا م ا م ب ا ل ح ق

۷۰ ۳۰ ۱۰ ۵ ۶ ۱ ۴۰ ۱ ۴۰ ۱ ۲ ۱ ۳۰ ۸ ۱۰۰

= ۳۴۴)

''اور لِلْمُتَّقِیْن سات حرف ہیں اور عدد اس کے بہ حساب زبر چھ سے ساٹھ ہیں، مطابق اس کے یہ عبارت پیدا ہوتی لِمَوَالِی الْاَئِمَّةِ وَحُبِّهِمْ وَلِمَوَالِی اٰلِ نَبِیِّ وَالْاَشْیَاعِ''

حاصل اس کا یہ ہوا ہے کہ یہ کتاب ہے کہ بیچ اس کے ہدایت ہے واسطے موالیانِ آئمہ کے اور جب انہیں آئمہ کی اور ہدایت ہے واسطے موالیان نبی کے اور شیعیان ان کے کی، پس عبارت عربی اس نہج سے مثلاً ہو گی هُدًی لِلْمُتَّقِیْنَ اَیْ هُدًی لِمَوَالِی الْاَئِمَّةِ وَحُبِّهِمْ وَهُدًی لِمَوالِی آلِ النَّبِیِّ وَالْاَشْیَاعِ''

زبر	ا	ب	ج	د	ھ	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن
اَعداد	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰
بینات	لف	ا	یم	ال	ا	او	ا	ا	ا	ا	اف	ام	یم	دن
اعداد	۱۱۰	۱	۵۰	۳۱	۱	۷	۱	۱	۱	۱	۸۱	۴۱	۵۰	۵۶
زبر	س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
اعداد	۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰
بینات	ی‌ن	ی‌ن	ا	او	اف	ا	ی‌ن	ا	ا	ا	ال	او	ا	ی‌ن
اعداد	۶۰	۶۰	۱	۵	۸۱	۱	۶۰	۱	۱	۱	۳۱	۵	۱	۶۰

(تشریح: لِلْمُتَّقِیْنَ

ل ل م ت ق ی ن

۶۶۰ = ۵۰ ۱۰ ۱۰۰ ۴۰۰ ۴۰ ۳۰۳۰

هُدًی لِمَوالِی الْاَئِمَّةِ وَحُبِّهِمْ

ہ د ل م و ا ل ی ا ل ا ا م ت و

۶۴۰۰۴۰ ۱۱ ۳۰۱ ۱۰۳۰۱ ۶۴۰۳۰۴۵

ح ب ہ م

۶۶۰ = ۴۰ ۵ ۲ ۸

لِمَوالِی اٰلِ النَّبِیِّ وَالْاَشْیَاعِ

ل م و ا ل ی ا ل ا ل ن ب ی

۱۰ ۲ ۵۰ ۳۰ ۱ ۳۰ ۱ ۱۰ ۳۰ ۱ ۶ ۴۰ ۳۰

و ا ل ا ش ی ا ع

٦ ١ ٣٠ ١ ٣٠٠ ١٠ ١ ٧٠ = ٦٦٠)

''اور زبر لِلْمُتَّقِیْنَ سے یہ عبارت بھی پیدا ہوتی ہے:

لِمَوالِی عَلِیٍّ وَصِیِّ الرَّسُوْلِ''

(تشریح: اس عبارت کے عدد درج ذیل ہیں:

ل م و ا ل ی ع ل ی و ص ی ا

٣٠ ٤٠ ٦ ١ ٣٠ ١٠ ٧٠ ١٠ ٣٠ ١٠ ٦ ٩٠ ١٠ ١

ل ر س و ل

٣٠ ٢٠٠ ٦٠ ٦ ٣٠ = ٦٦٠)

''اور عدد لِلْمُتَّقِیْنَ کے بہ حساب بینات دو سے اکہتر ہوتے ہیں، مطابق اس کے یہ عبارت پیدا ہوتی ہے:

هٰؤُلَاءِ مُحِبُّوا عَلِیٍّ وَاَوْلَادِهٖ جِدًّا اور وَهُمْ مُحِبُّوا عَلِیٍّ وَاَوْلَادِهٖ''

(تشریح: لِلْمُتَّقِیْنَ کے بینات درج ذیل ہیں:

ا م ا م ی م ا ا ف ا و ن

١ ٤٠ ١ ٤٠ ١٠ ٤٠ ١ ١ ٨٠ ١ ٦ ٥٠ = ٢٧١

هٰؤُلَاءِ مُحِبُّوا عَلِیٍّ وَاَوْلَادِهٖ جِدًّا۔

ه ا و ل ا ا م ح ب و ع ل ی

٥ ١ ٦ ٣٠ ١ ١ ٤٠ ٨ ٢ ٦ ٧٠ ٣٠ ١٠

و ا و ل ا د ہ ج د ا

۶ ۱ ۶ ۳۰ ۱ ۴ ۵ ۳ ۴ ۱ = ۲۷۱

وَهُمْ مُحِبُّوا عَلِيٍّ وَاَوْلَادِهِ

و ہ م م ح ب و ا ع ل ی و ا و ل

۴۰۵۶ ۴۰ ۸ ۲ ۶ ۱۰۳۰۷۰۱ ۱۶ ۳۰۶

ا د ہ

۱ ۴ ۵ = ۲۷۱)

”اور یہ عبارت بھی بینات سے پیدا ہوتی ہے

هُمْ مَوَالِي عَلِيٍّ وَاَحِبَّاؤُهٗ“

(تشریح: اس عبارت کے اعداد یہ ہوتے ہیں:

ہ م م و ا ل ی ع ل ی و ا ح ب ا

۱۶۴۰۴۰۵ ۱۰۳۰ ۱۰۳۰۷۰ ۸۱۶ ۲ ۱

و ہ

۶ ۵ = ۲۷۱)

”اور عدد الغیب کے پانچ حرف ہیں بہ حساب زُبر ایک ہزار تینتالیس ہیں۔ مطابق اس کے یہ عبارت پیدا ہوتی ہے۔

وَاَجَاءَ النَّاسَ وَانْبِسَاطُهُمْ وَقِيَامُ الْمَهْدِيِّ وَالْهُدٰى وَاِحْيَاءُ مَوَالِيْهِ قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ“

(تشریح: الغیب کے اعداد بہ حساب زبر درج ذیل ہیں:

ا ل غ ی ب

۱ ۳۰ ۱۰۰۰ ۱۰ ۲ = ۱۰۴۳)

اَجَاءَ النَّاسَ وَاِنْبِسَاطُهُمْ وَقِيَامُ الْمَهْدِیِّ وَاِحْيَاءُ مَوَالِيْهِ قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ"

ا ج ا ا ا ل ن ا س و ا ن ب س ا ط

۱ ۳ ۱ ۱ ۱ ۳۰ ۵۰ ۱ ۶۰ ۶ ۱ ۵۰ ۲ ۶۰ ۱ ۹

ه م و ق ی ا م ا ل م ه د

۵ ۴۰ ۶ ۱۰۰ ۱۰ ۱ ۴۰ ۱ ۳۰ ۴۰ ۵ ۴

ی و ا ل ه د ی و ا ح ی ا م

۱۰ ۶ ۱ ۳۰ ۵ ۴ ۱۰ ۶ ۱ ۸ ۱۰ ۱ ۴۰

و ا ل ی ی ه ق ب ل ی و م

۶ ۱ ۳۰ ۱۰ ۱۰ ۵ ۱۰۰ ۲ ۳۰ ۱۰ ۶ ۴۰

ا ل ح س ا ب

۱ ۳۰ ۸ ۶۰ ۱ ۲ = ۱۰۴۳)

"اور زبر الغیب سے یہ عبارت بھی پیدا ہوتی ہے:

اَلْخَلَفُ الصَّالِحُ هُوَ الْمَهْدِیُ الْهَادِیُ"

(تشریح: اَلْخَلَفُ الصَّالِحُ الْمَهْدِیُ الْهَادِیُ کے اعداد درج ذیل ہیں:

ا ل خ ل ف ا ل ص ا ل ح ا ل

۱ ۳۰ ۶۰۰ ۳۰ ۸۰ ۱ ۳۰ ۹۰ ۱ ۳۰ ۸ ۱ ۳۰

م ہ د ا ل ہ ا د ی

۴۰ ۵ ۴ ۱ ۳۰ ۵ ۱ ۴ ۱۰ = ۱۰۴۳)

''اور عدد **الغیب** کے بہ حساب بینات دو سے تیرہ ہوتے ہیں اور مطابق اس کے یہ عبارت پیدا ہوتی ہے:

هُوَ ابْنُ الْحَسَنِ''

تشریح: الغیب کے عدد بہ حساب بینات ۲۱۳ ہوتے ہیں۔

ل ف ا م ی ن ا ا

۳۰ ۸۰ ۱ ۴۰ ۱۰ ۵۰ ۱ ۱ =۲۱۳

هُوَ ابْنُ الْحَسَنِ کے عدد بھی ۲۱۳ ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

ہ و ا ب ن ا ل ح س ن

۵ ٦ ۱ ۲ ۵۰ ۱ ۳۰ ۸ ٦۰ ۵۰

=۲۱۳

اور **وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ** سترہ حرف ہیں۔ عدد اس کے بہ حساب زبر سات سے چھیاسی ہیں۔ مطابق اس کے یہ عبارت پیدا ہوتی ہے: **وَمِمَّا عَلَّمْنَا كَلَامَنَا يَقْرَؤُنَ**۔''

(تشریح: **وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ** کے اعداد یہ ہیں:

و م م ا ر ز ق ن ا ہ م ی ن

٦ ۴۰ ۴۰ ۱ ۲۰۰ ۷ ۱۰۰ ۵۰ ۱ ۵ ۴۰ ۱۰ ۵۰

ف ق و ن

۸۰ ۱۰۰ ٦ ۵۰ =۷۸٦

وَمِمَّا عَلَّمْنَا كَلَامَنَا يَقْرَؤُنَ

و م م ا ع ل م ن ا ک ل ا م ن ا

۶ ۴۰ ۴۰ ۱ ۷۰ ۳۰ ۴۰ ۵۰ ۱ ۲۰ ۳۰ ۱ ۴۰ ۵۰ ۱

ی ق ر و ن

۱۰ ۱۰۰ ۲۰۰ ۶ ۵۰ =۷۸۶)

''اور تائید کرتی ہے اس کی وہ روایت کہ ذکر کیا اس کو علی بن ابراہیم نے پدر سے اپنے اور اس نے محمد بن ابی عمر سے اور اس نے جمیل بن صالح سے اور اس نے مفضل سے اور اس نے جابر سے اور اس نے ابی جعفر علیہ السلام سے کہ فرمایا ان حضرت نے الٓمٓ اور جو حرف کہ قرآن میں ہے قطع کی گئی ہیں اسم اعظم اللہ سے اور ترکیب دی ہے اس کی رسول نے یا امام علیہ السلام نے پس اگر کوئی دعا بحق اس حرف کے طلب کرے البتہ مقرون بہ اجابت ہوتی ہے۔''

(۲) ''اِنَّ اللہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَایٔ ذِی الْقُرْبیٰ۔

العدل پانچ حرف ہیں، زبر اس کے ایک سے پینتیس ہوتے ہیں۔ نکلی اس سے یہ عبارت اَحْمَدُ الْاُمِّیؐ''

(تشریح: العدل:

ا ل ع د ل

۱ ۳۰ ۷۰ ۴ ۳۰ =۱۳۵

اَحْمَدُ الْاُمِّیؐ:

ا ح م د ا ل ا م ی

۱ ۸ ۴۰ ۴ ۱ ۳۰ ۱ ۴۰ ۱۰ =۱۳۵)

’’الاحسان سات حرف ہیں۔ زبر اس کے ایک سے اکاون ہوتے ہیں، نکلی اس سے یہ عبارت علی الھادؑ‘‘

(تشریح:

ا ل ا ح س ا ن

۱ ۳۰ ۱ ۸ ۶۰ ۱ ۵۰=۱۵۱

عَلِیٌّ الْھَادِؑ:

ع ل ی ا ل ہ ا د

۷۰ ۳۰ ۱۰ ۱ ۳۰ ۵ ۱ ۴

=۱۵۱)

’’ذی القربیٰ آٹھ حرف ہیں۔ زبر اس کے ایک ہزار ترپن ہوئے ہیں، نکلی اس سے یہ عبارت اَلْاَئِمَّۃُ الْمَعْصُوْمُوْنَ ھُمُ النُّقَبَاءُ جِدًّا‘‘

(تشریح: ذی القربیٰ:

ذ ی ا ل ق ر ب ی

۷۰۰ ۱۰ ۱ ۳۰ ۱۰۰ ۲۰۰ ۲ ۱۰

=۱۰۵۳

اَلْاَئِمَّۃُ الْمَعْصُوْمُوْنَ ھُمُ النُّقَبَاءُ جِدًّا۔

ا ل ا ی م ت ا ل م ع ص و

۱ ۳۰ ۱ ۱۰ ۴۰ ۴۰۰ ۱ ۳۰ ۴۰ ۷۰ ۹۰ ۶

م و ن ہ م ا ل ن ق ب ا

۴۰ ۶ ۵۰ ۵ ۴۰ ۱ ۳۰ ۵۰ ۱۰۰ ۲ ۱

ا ج د ا

۱ ۳ ۴ ۱ =۱۰۵۳)

''اَهْلُ الذِّكْرِ آٹھ حرف ہیں۔ بینات اس کے چار سے سولہ ہوتے ہیں۔ مطابق اس کے یہ عبارت نکلی اَلْمُصْطَفٰی وَابْنُ اَبِی طَالِبٍ وَّاٰلِہٖ''

تشریح: اھل الذکر کے بینات درج ذیل ہیں:

ل ف ا ا م ل ف ا م ا ل

۳۰ ۸۰ ۱ ۱ ۴۰ ۳۰ ۸۰ ۱ ۴۰ ۱ ۳۰

ا ف ا

۱ ۸۰ ۱ =۴۱۶)

اَلْمُصْطَفٰی وَابْنُ اَبِی طَالِبٍ وَّاٰلِہٖ

ا ل م ص ط ف ی و ا ب ن

۱ ۳۰ ۴۰ ۹۰ ۹ ۸۰ ۱۰ ۶ ۱ ۲ ۵۰

ا ب ی ط ا ل ب و ا ل ہ

۱ ۲ ۱۰ ۹ ۱ ۳۰ ۲ ۶ ۱ ۳۰ ۵

=۴۱۶)

(۴) كَلِمَةٌ طَيِّبَةٌ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ

''کلمۃ طیبۃ آٹھ حرف ہیں، زبر اس کے نو سے گیارہ ہیں۔ بینات اس کا ایک سے ستتر ہوتے ہیں اور مجموع اس کا ایک ہزار اٹھاسی ہوئے۔ اس سے یہ عبارت نکلی: دَعْوَةُ

الْمُرْسَلِیْنَ بِإِسْلَامِهِمْ جِدًّا"

(تشریح: کلمۃ طیبۃ کے اعداد

زبر:

ک ل م ت ط ی ب ت

۲۰ ۳۰ ۴۰ ۴۰۰ ۹ ۱۰ ۲ ۴۰۰

=۹۱۱

بینات:

ا ف ا م ی م ا ا ا

۱ ۸۰ ۱ ۴۰ ۱۰ ۴۰ ۱ ۱ ۱

=۱۷۷

مجموعی اعداد زبر و بینات: ۱۰۸۸

دَعْوَةُ الْمُرْسَلِیْنَ بِإِسْلَامِهِمْ جِدًّا کے اعداد۔

د ع و ت ا ل م ر س ل ی

۴ ۷۰ ۶ ۴۰۰ ۱ ۳۰ ۴۰ ۲۰۰ ۶۰ ۳۰ ۱۰

ن ب ا س ل ا م ہ م ج

۵۰ ۲ ۱ ۶۰ ۳۰ ۱ ۴۰ ۵ ۴۰ ۳

د ا

۴ ۱ =۱۰۸۸

کَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ: نو حرف ہیں۔ بینات اس کے ایک سو ستانوے ہوتے ہیں۔ نکلی اس

سے یہ عبارت ھی محمد الامی جداً‘

(تشریح: کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ کے بینات درج ذیل ہیں:

ا ف ی ن ی م ا ا ا ا ا ا

۱ ۸۰ ۱۰ ۵۰ ۱۰ ۱۴۰ ۱۱۱۱۱

=۱۹۷

هِیَ مُحَمَّدُ الْاُمِّیُّ جِدًّا کے اعداد ملاحظہ ہوں:

ہ ی م ح م د ا ل ا م ی

۵ ۱۰ ۴۰ ۸ ۴۰ ۴ ۱ ۳۰ ۱ ۴۰ ۱۰

ج د ا

۳ ۴ ۱ =۱۹۷)

’’وَفَرْعُهَا چھ حرف ہیں۔ بینات اس کا ایک سے اسّی، نکلی اس سے یہ عبارت:

هُوَ عَلِیُّ الْهَادِی جِدًّا‘‘

(تشریح: وَفَرْعُهَا کے بینات

ا و ا ا ی ن ا ل ف

۱ ۶ ۱ ۱ ۱۰ ۵۰ ۱ ۳۰ ۸۰

=۱۸۰

هُوَ عَلِیُّ الْهَادِی جِدًّا کے اعداد

ہ و ع ل ی ا ل ہ ا د

۵ ۶ ۷۰ ۳۰ ۱۰ ۱ ۳۰ ۵ ۱ ۴

ی ج د ا

۱۰ ۳ ۴ ۱ =۱۸۰

(۵) اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ۔

''الکوثر چھ حرف ہیں۔ زبر اس کی سات سے ستاون ہوتے ہیں۔ نکلی اس سے یہ عبارت نَهْرٌ فِي الْجِنَانِ لِحَبِيْبِ اللهِ وَوَلِيِّهٖ وَاَوْلَادِهِمَا جِدًّا ۔ اور بینات اس کی دوسو اکتالیس ہوتی ہیں اور مجموع انھیں دونوں کی نو سے اٹھانوے ہوتے ہیں، نکلی اس سے یہ عبارت نَهْرٌ فِيْ الْجِنَانِ لِاٰلِ الْعِبَا وَلَيْسَ لِاَحَدٍ فِيْهِ حَقٌّ''

تشریح: الکوثر کے اعداد

زبر سے:

ا ل ک و ث ر

۱ ۳۰ ۲۰ ۶ ۵۰۰ ۲۰۰ =۷۵۷

بینات سے:

ل ف ا م ا ف ا و ا ا

۳۰ ۸۰ ۱ ۴۰ ۱ ۸۰ ۱ ۶ ۱ ۱

=۲۴۱

مجموع زبر و بینات = ۹۹۸

نَهْرٌ فِي الْجِنَانِ لِحَبِيْبِ اللهِ وَوَلِيِّهٖ وَاَوْلَادِهِمَا جِدًّا کے اعداد:

ن ہ ر ف ی ا ل ج ن ا ن ل ح

۸۰۲۰۰۵۵۰ ۱۰ ۳۰۱ ۵۰۳ ۵۰۱ ۳۰ ۸

ب ی ب ا ل ل ه و و ل ی ه و ا

٢ ١٠ ٢ ١ ٣٠ ٣٠ ٥ ٦ ٦ ٣٠ ١٠ ٥ ٦ ١

و ل ا و ه م ا ج د ا

٦ ٣٠ ١ ٦ ٥ ٤٠ ١ ٣ ٤ ١

=٧٥٧

نَهْرٌ فِي الْجِنَانِ لِاٰلِ الْعَبَا وَلَيْسَ لِاَحَدٍ فِيْهِ حَقٌّ کے اعداد:

ن ه ر ف ی ا ل ج ن ا

٥٠ ٥ ٢٠٠ ٨٠ ١٠ ١ ٣٠ ٣ ٥٠ ١

ن ل ا ا ل ا ل ع ب ا

٥٠ ٣٠ ١ ١ ٣٠ ١ ٣٠ ٧٠ ٢ ١

و ل ی س ل ا ح د ف

٦ ٣٠ ١٠ ٦٠ ٣٠ ١ ٨ ٤ ٨٠

ی ه ح ق

١٠ ٥ ٨ ١٠٠ =٩٩٨)

(٦) ”اَلتِّيْنُ وَالزَّيْتُوْنُ تیرہ حرف ہیں۔ زبر ایک ہزار ایک ہوتے ہیں۔ نکلی اس سے یہ عبارت: اَلْمُجْتَبیٰ وَالْحُسَيْنُ الشَّهِيْدُ“

(تشریح: اَلتِّيْنُ وَالزَّيْتُوْنُ کے زبر یہ ہیں:

ا ل ت ی ن و ا ل ز ی ت و ن

١ ٣٠ ٤٠٠ ١٠ ٥٠ ٦ ١ ٣٠ ٧ ١٠ ٤٠٠ ٦ ٥٠

=١٠٠١

اَلْمُجْتَبیٰ وَالْحُسَیْنُ الشَّہِیْدُ'' کے عدد ملاحظہ ہوں:

ا ل م ج ت ب ی و ا ل ح

۱ ۳۰ ۴۰ ۳ ۴۰۰ ۲ ۱۰ ۶ ۱ ۳۰ ۸

س ی ن ا ل ش ہ ی د

۶۰ ۱۰ ۵۰ ۱ ۳۰ ۳۰۰ ۵ ۱۰ ۴

=۱۰۰۱)

''وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ نو حرف ہیں۔ زبر اس کے چار سے ایک ہوتے ہیں۔ نکلی اس سے یہ عبارت: عَلِیُّ الْوَلِیُّ سَیِّدُ الْاَوْصِیَاءِ۔

(تشریح: وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ کے عدد درج ذیل ہیں:

و ط و ر س ی ن ی ن

۶ ۹ ۶ ۲۰۰ ۶۰ ۱۰ ۵۰ ۱۰ ۵۰

=۴۰۱

عَلِیُّ الْوَلِیُّ سَیِّدُ الْاَوْصِیَاءِ کے اعداد درج ذیل ہیں:

ع ل ی ا ل و ل ی س ی د ا ل

۷۰ ۳۰ ۱۰ ۱ ۳۰ ۶ ۳۰ ۱۰ ۶۰ ۱۰ ۴ ۱ ۳۰

ا و ص ی ا ا

۱ ۶ ۹۰ ۱۰ ۱ ۱ =۴۰۱

''وَھٰذَا الْبَلَدُ الْاَمِیْنُ چودہ حروف ہیں، زبر اس کے نو سو گیارہ ہوتے ہیں، نکلی اس سے یہ عبارت نکلی: ھٰذَا مُحَمَّدٌ وَھُوَ حَبِیْبُ اللہِ جِدًّا''

(تشریح: وَھٰذَا الْبَلَدُ الْاَمِیْنُ کے اعداد ملاحظہ ہوں:

و ہ ذ ا ل ب ل د ا ل ا

۶ ۵ ۷۰۰ ۱ ۳۰ ۲ ۳۰ ۴ ۱ ۳۰ ۱

م ی ن

۴۰ ۱۰ ۵۰ =۹۱۱

ھٰذَا مُحَمَّدٌ وَھُوَ حَبِیْبُ اللّٰہِ جِدًّا کے اعداد۔

ہ ذ ا م ح م د و ہ و ح ب

۵ ۷۰۰ ۱ ۴۰ ۸ ۴۰ ۴ ۶ ۵ ۶ ۸ ۲

ی ب ا ل ل ھ ج د ا

۱۰ ۲ ۱ ۳۰ ۳۰ ۵ ۳ ۴ ۱

(=۹۱۱

(۷) "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ستائیس حرف ہیں۔

زبر اس کے ایک ہزار چھ سے چونتیس ہوتے ہیں۔ نکلی یہ عبارت وَھُمْ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَشِیْعَتُہٗ وَمَوَالِیْہِ"

(تشریح: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے اعداد یہ ہیں:

ا ل ل ذ ی ن ا ا م ن و ا و ع

۱ ۳۰ ۳۰ ۷۰۰ ۱۰ ۵۰ ۱ ۱ ۴۰ ۵۰ ۶ ۱ ۶ ۷۰

م ل و ا ا ل ص ا ل ح ا ت

۴۰ ۳۰ ۶ ۱ ۱ ۳۰ ۹۰ ۱ ۳۰ ۸ ۱ ۴۰۰

=۱۶۳۴

وَهُمْ عَلِیٌّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اَمِیْرُالْمُؤْمِنِیْنَ وَشِیْعَتُهٗ وَمَوَالِیْهِ کے اعداد

و ہ م ع ل ی اب ن اب ی ط ا

۱ ۹ ۱۰ ۲ ۱ ۵۰ ۲ ۱ ۱۰ ۳۰ ۷۰ ۴۰ ۵ ۶

ل ب ا م ی ر ل م و م ن ی ن

۵۰ ۱۰ ۵۰ ۴۰ ۶ ۴۰ ۳۰ ۲۰۰ ۱۰ ۴۰ ۱ ۲ ۳۰

و ش ی ع ت ھ و م و ا ل ی ہ

۵ ۱۰ ۳۰ ۱ ۶ ۴۰ ۶ ۵ ۴۰۰ ۷۰ ۱۰ ۳۰۰ ۶

(۱۶۳۴ =

(۸) ''الزکوٰۃ چھ حرف ہیں۔ زبر اس کے چار سے چونسٹھ ہوتے ہیں۔ نکلی اس سے یہ عبارت اَلْاِمَامُ الْھُمَامُ وَھُوَ عَلِیٌّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ''

(تشریح: ا ل ز ک و ت

۴۶۴ = ۴۰۰ ۶ ۲۰ ۷ ۳۰ ۱

اَلْاِمَامُ الْھُمَامُ وَھُوَ عَلِیٌّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ۔

ا ل ا م ا م ا ل ہ م ا م و

۶ ۴۰ ۱ ۴۰ ۵ ۳۰ ۱ ۴۰ ۱ ۴۰ ۱ ۳۰ ۱

ھ و ع ل ی ب ن ا ب ی ط ا

۱ ۹ ۱۰ ۲ ۱ ۵۰ ۲ ۱۰ ۳۰ ۷۰ ۶ ۵

ل ب

۴۶۴ = ۲ ۳۰

ہم نے محض یہ چند مثالیں پیش کی ہیں جن سے اس تفسیر کی خصوصیت ناظرین پر واضح ہوجائے گی۔

قرآن پاک کی سیکڑوں آیات کے اعداد بہ حساب زبروبینہ نکالنا اور پھر اس کے ہم عدد عبارتیں تیار کرنا بجائے خود بڑی جگر کاوی کا کام تھا لیکن مولانا سید علی صاحب نے اس ہفت خوان کو بڑی خوش اسلوبی سے طے کیا اور اس اعتبار سے ان کی تفسیر نہ صرف اردو میں بلکہ عربی وفارسی تفسیروں میں بھی اپنی مثال آپ کہی جاسکتی ہے۔

مذہب شیعہ اور تبلیغ

مصنف
آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

مذہب شیعہ اور تبلیغ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَآلہ الطَّاہِرِیۡنَ

اسلام میں تبلیغ کی اہمیت

اسلام تبلیغی مذہب ہے اور جب سے اس کی بنیاد پڑی تبلیغ کا پہلو اس کے تعلیمات کا جزو اعظم اور اس کے آئین واصول میں پیش پیش رہا۔ اس کا نشو ونما، ترقی ووسعت اور اس کی ابتدائی وانتہائی کامیابیاں سب تبلیغ ہی کے ذریعہ سے تھیں اور یہی اس کی ہردل عزیزی ومقبولیت کا راز ہے۔

وہ لوگ جو اسلام کی اشاعت کا ذریعہ تلوار کو قرار دیتے ہیں، انھیں اس پہلو پر غور کر لینے کی ضرورت ہے کہ تلوار اٹھانے کے لئے خود ایک طاقت وقوت درکار ہے اور اس طاقت وقوت کا حصول تلوار کا رہین منت نہیں ہوسکتا بلکہ وہ ذریعہ کہ جو اسلامی ترقیوں کے لئے سنگ بنیاد کہا جاسکتا ہے، وہ رسول کی قولی وعملی تبلیغ ہی ہے اور کچھ نہیں۔

روحانیت فنا ہوچکی تھی۔ مذہب کی عمارت میں اینٹ سے اینٹ بج چکی تھی۔ انسانیت کے خط وخال (خدوخال) بگڑے ہوئے تھے اور بہیمیت وحیوانیت کا دور دورہ تھا۔ رواداری وہمدردی بے معنی الفاظ بن چکے تھے اور گمراہی وضلالت کا سیلاب پوری طاقت کے ساتھ بڑھا ہوا تھا اس تاریک دورِ شرک وجاہلیت میں ایک زلزلہ خیز نغمۂ توحید تھا جو "قُوۡلُوۡا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفۡلِحُوۡا" کی آواز کے ساتھ زمین وآسمان کی درمیانی فضا میں گونجتا تھا اور جس میں وہ قوت انقلاب تھی کہ

جس نے عالم کو کایا پلٹ کر دیا اور بڑی سے بڑی مادی طاقتوں کو شکست دی۔

اس میں وہ مقناطیسی جذب تھا جس نے قوت احساس رکھنے والے قلوب کو ایک غیر مصنوعی کشش کے ساتھ کھینچ لیا اور ان کے جسم و روح، طرز عمل اور نظام زندگی میں وہ غیر معمولی انقلاب پیدا کیا کہ وہ ایک نئے رنگ میں رنگے ہوئے نظر آنے لگے۔

(صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عَابِدُوْنَ)

یہ مختصر کلمۂ توحید اگر کسی فوج ولشکر کی حیثیت رکھتا ہے، اگر اس میں تلوار کی برش، نیزہ کی لچک اور توپ کی گرج ہے تو یہ بھی تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اسلام تلوار کی قوت اور فوج ولشکر کی طاقت سے پھیلا ہے اور اگر ایسا نہیں بلکہ وہ صرف ایک رواداری انہ دعوت حق اور تبلیغ حقانیت ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ اسلام کی نشر و اشاعت کا ذریعہ تبلیغ تھی اور بس تبلیغ۔

وہ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ کی مخصوص ومحدود دائرہ میں دعوت یا قُمْ فَاَنْذِرْ کا عمومی حکم، اس کی تعبیر بہرحال تبلیغ ہی کے ساتھ ہوسکتی ہے اور اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ میں رسولؐ اسلام کے فرائض کو صرف تبلیغ میں منحصر کرتے ہوئے اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا میں ان کے دعوت حقانیت کے صرف دو پہلوؤں کو روشن کیا گیا ہے ایک بشارت اور دوسرے انذار یعنی وعدۂ جنت اور وعید نار جو تبلیغ ہی کے دو شعبے ہیں۔ اور اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ کے جامع الفاظ سے تبلیغ کا دستور عمل اور لائحہ کارگزاری پیش کیا گیا جس کے مندرجہ ہدایات کے مطابق تبلیغ کے فریضہ کو انجام پذیر ہونا چاہئے۔ اور وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کے حکم محکم سے ہمیشہ کے لئے دعوت وتبلیغ کے سلسلہ کے باقی رہنے کی پیش بندی کی گئی جس پر کار بند ہونا ہر زمانہ میں فرض کی حیثیت سے لازم ہوا۔

ان آیات میں غور کرنے سے صاف یہ نتیجہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی نشر واشاعت کے سلسلہ میں جو خاص طریقۂ کار مقرر کیا گیا ہے وہ دعوت وتبلیغ ہے اور اسی کو برابر ہر صورت سے نمایاں کیا جانا ضروری سمجھا گیا ہے لیکن نشر واشاعت کے سلسلہ میں فوج کشی وصف آرائی وہ اسلام کے اصول اساسی میں کسی جگہ نظر نہیں آتی ورنہ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ کے الفاظ میں سب سے پہلے یا بعد دعوت بالسیف کا تذکرہ ضرور ہوتا۔

بلکہ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ اَتُکْرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ مَآ اَنْتَ عَلَیْہِمْ بِمُصَیْطِرٍ کے الفاظ میں جبر وقہر کی نفی کی گئی ہے۔ اور مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغ کہہ کر رسولؐ کے فرض کو حصر کے ساتھ تبلیغ میں معین کیا گیا ہے۔

تاریخ اسلامی کا سرسری نظر سے مطالعہ بھی اس امر کے اندازہ کے لئے کافی ہوگا کہ رسول اسلامؐ کے طرز عمل میں بھی یہ پہلو بیش از بیش ملحوظ تھا اور وہ دعوت وتبلیغ کے فرض کو اپنا اولین نقطۂ نظر سمجھتے تھے اور وہی آپ کی صداقت کا اصلی جوہر اور آپ کی کامیابی کا حقیقی رمز تھا۔ مکہ کی فضا جہاں تین سو ساٹھ بتوں کی ثناوستائش کا غلغلہ بلند تھا وہاں دعوت حقانیت کا ایک حیرت انگیز مجسمہ اپنی خاموش و پر امن تبلیغ میں مصروف تھا اور دنیا کی باطل طاقتوں کو اپنے روحانی پیغام کے بے شور وشر نغموں سے متزلزل بنائے ہوئے تھا۔

مہاجرین کی پوری جماعت جس کے کارنامۂ عمل سے اسلامی تاریخ کے ورق آج تک لبریز ہیں بلکہ انصار کی بھی جماعت جس کی فداکاری وجاں نثاری کے پرصداقت عہد وپیان رسولؐ کی ہجرت کے لئے محرک ہوئے، وہ سب اسی خاموش تبلیغی دور کے نتائج ہیں اور اسلامی کامیابیوں اور سرسبزیوں اور اس کے سنہرے واقعات کا تعلق زیادہ تر اسی جماعت کے ساتھ ہے، ورنہ اسلام کے آخری زمانہ میں اور اسلامی مجاہدات کے بعد، جو مدافعانہ ضروریات سے مجبور ہو کر کئے گئے تھے، جتنے لوگ مسلمان ہوئے ہیں ان میں سے تو بیشتر مؤلفۃ القلوب اور

ادنیٰ درجہ کے اشخاص ہیں جن کا اسلام کے روشن وزرّیں خصوصیات میں نہ کوئی ہاتھ ہے اور نہ کوئی تعلق۔ اس سے یہ نتیجہ زیادہ واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام کا حقیقی جوہر نشر واشاعت، دعوت وتبلیغ تھا اور اس کے بہترین نتائج کامیابی صرف اسی کا نتیجہ ہیں اور بس۔

علاوہ ان کارگزاریوں کے جو رسالت مآبؐ بذات خود تبلیغ ودعوت کے سلسلے میں انجام دیتے رہے تھے۔ حضرت نے تبلیغی کام کو وسیع پیمانہ پر آگے بڑھانے کے لئے تبلیغی وفود بھی روانہ فرمائے ہیں جن میں ملک حبش، فارس اور اسکندریہ ایسے دور دراز ممالک بھی شامل ہیں اور یمن کی جانب اپنے ابن عم امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؑ کو یہ کہہ کر روانہ فرمایا کہ لَاِنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ وَاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا (تمہارے ہاتھ سے ایک شخص کی ہدایت ہوجائے یہ تمہارے لئے تمام دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔)

اس وقت بھی کہ جب اسلام کا مجاہدانہ دور شروع ہو چکا ہے، رسالت مآبؐ کے طرز عمل سے یہ امر صاف نمایاں ہے کہ آپ کا اصلی نقطۂ نظر جنگ کرنا اور فتح وظفر حاصل کرنا نہیں ہے، بلکہ آپ حتی الامکان ایسے مواقع بہم پہنچاتے ہیں کہ جنگ کی نوبت نہ آئے۔

حدیبیہ کی صلح میں جو اکثر جنگجو طبائع پر گراں بھی گذری یہ پہلو بہت زیادہ نمایاں ہے۔

اسلام کے احکام شرعی اور فرائض مذہبی میں بھی جہاں تک دیکھا جائے بہت زائد تبلیغی مفاد مدنظر رکھا گیا ہے۔

پانچ وقت کا بلند بانگ نعرۂ توحید جو اذان کی صورت سے بلند ہوتا ہے وہ اسی تبلیغ کی غرض سے ہے اور نماز جماعت کا حکم اور اس میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہونے کا اہتمام اور پھر حج میں تمام اطراف عالم کے مسلمانوں کو ایک مقام پر مجتمع ہونے کی دعوت شوکت اسلامی کے مظاہرہ کی نہایت واضح حیثیت رکھتی ہے۔

رسالت مآبؐ کی زندگی کے آخر کا سب سے بڑا عظیم الشان واقعہ وہ بھی حضرت کی تبلیغی

زندگی کا انتہائی اہم باب ہے جس کے متعلق خاص طور سے حضرت احدیت کی طرف سے حکم محکم نازل ہوا تھا کہ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اور اسی فرض تبلیغ کے ادا ہونے کے بعد یہ پیغام پہنچا تھا کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا اور رسالتمآبؐ نے اس تبلیغ کو ہمہ گیر وغیر محدود بنانے کے لئے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں یہ ارشاد فرمایا کہ فَلْیُبَلِّغُ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ اس وقت موجود رہنے والوں کا فرض ہے کہ وہ ان تک جو موجود نہیں ہیں اس کی تبلیغ کر دیں۔

رسولؐ اسلام کے بعد مسلمانوں کے زاویۂ نظر میں اختلاف

مذکورۂ بالا واقعات اور نیز اسلامی تاریخ کے ہر حصہ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ رسالت مآبؐ کی زندگی کا حقیقی نصب العین اور نقطۂ نظر تبلیغ تھا اور وہی اسلام کی ترقی واشاعت کا واحد ذریعہ ہے اور اس درمیان میں رسالت مآبؐ کا تلوار اٹھانا اور میدان جنگ میں آنا صرف ضمنی حیثیت رکھتا ہے جو موانع کے رفع کرنے اور جارحانہ طاقتوں کے دفع کرنے کے لئے تھا اور اس کو براہ راست اسلام کی تبلیغ واشاعت میں کوئی دخل نہیں ہے۔

لیکن انسانی افراد کا بیشتر حصہ اپنی اُفتادِ طبع کی بناء پر تنگ نظر اور ظاہر بیں ہوتا ہے۔ وہ اپنے پست خیالی اور مادہ کے قیود میں گرفتاری کی وجہ سے ہر بات کے وجوہ واسباب کو مادیت میں تلاش کرتا ہے اور ایک بات کو نکال کر اُسی کو واحد سبب قرار دے لیتا ہے اور اس لئے اسلام کی نشر واشاعت کو جو تمام تر روحانی تعلیم وتلقین اور دعوت وتبلیغ پر مبنی تھی، مادی طاقت وقوت کا نتیجہ خیال کر کے بہت سے اس کے مخالفین یہ کہنے لگے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے اور اس کی ترقی واشاعت صرف جنگ وخونریزی کا نتیجہ ہے۔

ہمیں ان سے شکایت ہے اور بجا شکایت ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے جذبۂ

عداوت اور تعصب اور شوق اعتراض ونکتہ چینی کی بنا پر اسلامی تاریخ کے واقعات کو انصاف اور صبر وسکون کے ساتھ پڑھا ہی نہیں ہے لیکن اس کو کیا جائے اور اس وقت ہمارے حیرت اور افسوس کی انتہا نہیں رہتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ خود مسلمانوں نے رسالتمآبؐ کی کامیابی اور اسلام کی حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ترقی واشاعت کے حقیقی فلسفہ پر غور نہیں کیا اور وہ اس میں صحیح نقطہ پر نہ پہنچ سکے۔

رسالت مآبؐ کے بعد مسلمانوں میں جو افتراق پیدا ہوا اور وہ اقلیت واکثریت دو حصوں میں منقسم ہو گئے، اس میں اکثریت نے یہی سمجھا کہ رسولؐ کی کامیابی کا حقیقی راز صرف تلوار میں مضمر تھا اور جب ہی انھوں نے بڑی کشادہ حوصلگی کے ساتھ تلوار کھینچ لی اور بے دھڑک دوسروں کے مقابلہ پر اس کا استعمال شروع کر دیا اور آس پاس کے ممالک پر فوج کشی اور حملہ آوری میں پوری طاقت صرف کر دی اور اس طرح دنیا کے امن وامان کو خاک میں ملا کر اسلام کو جو سِلم یعنی صلح پسندی سے مشتق (Derivative) ہے، امن وامان کا دشمن ثابت کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اغیار کا یہ الزام کہ ''اسلام تلوار سے پھیلا'' اس کی ذمّہ داری بہت کچھ ان ہی اہل اسلام کے سر ہے، جنھوں نے عملی طور پر اسلامی مفاد اور رسالت مآبؐ کے نصب العین اور نقطۂ نظر کی غلط ترجمانی کی اور یہ ثابت کیا کہ اسلام کی ترقی واشاعت تلوار کھینچنے پر موقوف ہے۔ ایک طرف تو تیغ آزمائی وصف آرائی میں یہ انہماک اور دوسری طرف اسلام کے حقیقی مفاد یعنی علمی تحقیقات اور مذہب کی حقیقی تبلیغ وتعلیم کو اس طرح پامال کر دینا کہ وہ فنا کے قریب پہنچ جائے۔ وہ دور کس حد تک روشن کہے جانے کے قابل ہے جس میں معارف وحقائق کا چرچا نہ رہے، فلسفہ الٰہیات اور علم کلام کے مسائل گوشۂ گمنامی میں پڑ جائیں، تصنیف وتالیف کا دروازہ بند ہو اور روایت احادیث پر سخت پابندیاں عائد ہوں، کتب علمیہ کی چھان بین اور جستجو تو کجا، علمی تحقیقات کے راستے میں روڑے اٹکائے جائیں۔

علمی دنیا میں یہ امر کیا اچھی نظر سے دیکھا جاسکتا ہے کہ اس عصر میں اگر کسی شخص کے دل میں کوئی شبہہ پیدا ہوا اور وہ کسی مذہبی مسئلہ کے متعلق تحقیقات کرنا چاہتا ہو تو عوض اس کے کہ اس کے شبہہ کو حل کیا جائے اور اس کی تسکین کی کوشش کی جائے اس کو تازیانہ سے تنبیہ کی جاتی تھی اور اکثر ضرب شدید تک نوبت پہنچا دی جاتی تھی۔

ملاحظہ ہو امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:-

سیّدنا عمر سدّ باب الکلام والجدل وضرب صبیغا بالدرة لما ورد علیه سؤالا فی تعارض آیتین من کتاب الله تعالیٰ وهجره وامر الناس یهجره۔

(سیدنا عمر نے علم کلام اور مذہبی بحث کے دروازہ کو بند کر دیا اور انھوں نے ایک شخص کو جس کا نام صبیغ تھا درّہ سے مارا، جب اس نے آپ سے قرآن مجید کی دو آیتوں کے باہمی اختلاف کے متعلق سوال کیا اور اس کو جلا وطن کر دیا۔ اور تمام لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اس سے قطع تعلق کر دیں۔)

شارح قاموس سید مرتضیٰ زبیدی اپنی کتاب اتحاف السادة المتقین فی شرح احیاء علوم الدین مطبوعۂ مصر، ج ۱ ص ۱۸۹ میں مذکورۂ بالا عبارت کے تحت میں لکھتے ہیں:-

"رأیت بخط الحافظ الذهبی فی کتاب له سمّاه نعم السمر فی سیرة عمر ما نصّه حدثنا مکی بن ابراهیم حدثنا الجعد بن عبدالرحمٰن عن یزید بن خصیفة عن السّائب بن یزید قال اتیٰ رجل عمر فقال یا امیرالمومنین انا لقینا رجلا یسأل عن تأویل القراٰن فقال اللّٰهم امکنی منه فبینا عمر جالس اذ جاءه علیه عمامة وثیاب فقال یا امیرالمومنین والذاریات ذرواً فالحاملات وقرا قال عمر

انت هو فقام اليه وحسر عن ذراعيه فلم يزل يجلده حتی سقطت عمامته فقال والذی نفس عمر بيده لو وجدتك محلوقا لضربت به راسك البسوه يثابد واحملوه علی قتيا واخرجوه حتی تقدموا به بلاده ثم ليقم خطيبا فليقل ان صبيغا ابتغی العلم فاخطأه فلم يزل وضيعا في قومه حتیٰ هلك وكان سيد قومه۔"

(حافظ ذہبی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تصنیف ''نعم السمر فی سیرۃ عمر'' میں مسلسل سند کے ساتھ تحریر ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر کی خدمت میں آ کر بیان کیا کہ ''ایک شخص ہے جو تاویل قرآن کے متعلق کوئی سوال پیش کرتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر نے کہا: ''خدا کرے وہ میرے ہاتھ آ جائے۔ اتنی دیر میں وہ شخص آ گیا۔ اس کے سر پر عمامہ تھا اور جسم میں اچھا خاصہ لباس تھا۔ اس نے کہا: ''یا امیر المومنین یہ آیت ملاحظہ ہو: والذاریات ذروا فالحاملات وقرا۔''

حضرت عمر ''اچھا تو ہی وہ ہے'' بس یہ کہہ کر کھڑے ہو گئے اور آستینیں چڑھا کر کوڑے مارنا شروع کر دیئے۔ اتنے کوڑے لگائے کہ اس کا عمامہ گر گیا اور کہا کہ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے اگر میں تیرا سر منڈا ہوا پاتا تو تیرے سر پر بھی کوڑے لگاتا۔

اچھا اب اس کو اس کے کپڑے پہناؤ اور اس کو ایک اونٹ پر سوار کر کے یہاں سے نکال باہر کرو اور جب یہ اپنے شہر پہنچے تو وہاں کھڑے ہو کر عام اعلان کرے کہ صبیغ نے معلومات حاصل کرنا چاہے تھے لیکن غلط راستہ اختیار کیا۔

بس وہ دن تھا کہ اس کے بعد سے صبیغ اپنی قوم میں ذلیل ہو گیا، حالانکہ وہ اپنی قوم میں سردار کی حیثیت رکھتا تھا۔)

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے اہل بصرہ کو لکھ دیا: ''اس کے ساتھ نشست و برخاست نہ کرنا۔''

ابوعثمان مہدی کا بیان ہے کہ کان لو اتانا ونحن مأته تفرقنا عنه۔ (جب وہ آجا تا تھا تو سو آدمی بھی ایک جگہ بیٹھے ہوتے تو وہ سب فوراً متفرق ہوجاتے تھے۔)

سلیمان بن یسار کا بیان ہے کہ

ان صبیغ بن عسل قدم المدینة فجعل یسأل عن المتشابه فبعث الیه عمر واعدّ له عراجین النخل فلما حضر قال له من انت قال عبدالله صبیغ قال وانا عبدالله عمر ثم قام فضرب راسه بعرجون فشجه ثم تابع ضربه حتیٰ سال الدم علی وجهه فقال حسب یا امیرالمومنین قدو الله ذهب ما کنت جد فی راسی۔"

(صبیغ بن عسل ایک شخص تھا وہ مدینہ آیا اور بعض متشابہ آیتوں کے متعلق دریافت کرنے لگا۔ حضرت عمر نے اس کو بلوا بھیجا اور پہلے سے بہت شاخیں درخت خرما کی اپنے پاس رکھوالیں۔ جب وہ آیا تو حضرت عمر نے پوچھا: ''تو کون ہے؟'' اس نے کہا کہ 'خدا کا بندہ صبیغ' عمر نے کہا: ''اور میں ہوں خدا کا بندہ عمر'' یہ کہہ کر اُٹھے اور ایک شاخ خرمے کی لے کر اس کے سر پر ماری جس سے اس کے زخم آ گیا۔ پھر برابر اس کو مارتے رہے یہاں تک کہ خون بہہ کر اس کے چہرے پر آیا۔ اس نے کہا ''بس بس یا امیرالمومنین! کافی ہے۔ اب وہ خیال میرے دماغ سے نکل گیا جو گردش کر رہا تھا۔)

یہ الفاظ بہت معنی خیز ہیں، جبر وتشدد اور سختی وتعزیر اگر کسی علمی اعتراض اور وسوسۂ دماغی کے لئے تسکین کا ذریعہ بن سکتی ہے تو بیشک حضرت عمر کی یہ کاوش نتیجہ خیز ہوسکتی ہے ورنہ نہیں۔

ابن سیرین کہتے ہیں:

کتب عمر الی ابی موسیٰ ان لا یجالس صبیغ وان یحرم عطاءہ ورزقه۔

(حضرت عمر نے ابوموسیٰ اشعری کو جو بصرہ کے حاکم تھے لکھا کہ صبیغ کے پاس کوئی بیٹھے

اٹھے نہیں اور بیت المال سے جو اس کا مقررہ ماہوار وظیفہ ہے وہ بند کر دیا جائے۔)

مسیب کی روایت ہے کہ:

انه خلف لابی موسیٰ الایمان المغلّظة ما یجد فی نفسه مما کان شیئا فکتب فی ذلك الی عمر فاجابه اظنه محل صدق فخلّ بینه وبین الناس۔

(صبیغ مذکور نے ابوموسیٰ سے بڑی سخت قسمیں کھا کر بیان کیا کہ اب بالکل وہ سابقہ خیالات اس کے دل میں نہیں ہیں۔ ابوموسیٰ نے اسے حضرت عمر کو لکھا۔ انھوں نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ وہ سچ کہتا ہے اس کے بعد سے لوگوں کو اس سے ملنے جلنے کی ممانعت نہیں رہی۔)

حقیقت یہ ہے کہ کسی مذہبی سوال پر سختی وتشدد (Hard, harsh and violent attitude/कायेरता और हिंसा) کسی طرح مناسب نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس سختی وتشدد کے بعد معترض کا یہ کہہ دینا کہ اس کی تسکین ہوگئی اس کے تسکین قلب کی دلیل نہیں ہے، بلکہ اس قسم کے طرز عمل سے عام افراد کو یہ خیال قائم کر لینے کا موقع مل سکتا ہے کہ سوال لا جواب تھا اور سوائے مظاہرۂ جبر وتشدد کے اس کا کوئی حل موجود نہ تھا۔

اس دور میں تصنیف وتالیف اور کتابت علوم ومعارف کا کام بھی جو مفید ترین شعبہ ہے ایک مخصوص نظریہ کے ماتحت صرف نظر انداز نہیں بلکہ ممنوع قرار پا گیا تھا اور مسلمانوں کو علمی ومذہبی آثار کے قلمبند کرنے سے منع کیا جا رہا تھا۔

وہی مخصوص نظریہ جس کی بناء پر حضرت رسولؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتابت قرطاس کو بلا ضرورت سمجھا تھا، اسی بنا پر اب عام ارباب قلم کو کتابت احادیث سے منع کیا جاتا تھا اور فرمایا جاتا تھا کہ لا کتاب مع کتاب الله ''خدا کی کتاب کی موجودگی میں اب کسی کتاب کی ضرورت نہیں ہے''

امام مسلم نے بھی اپنی کتاب صحیح کے شروع میں دبی زبان سے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے:

اختلفوا فی کتابۃ الحدیث فکرھما طائفۃ منھم عمر بن الخطاب۔

(احادیث کے قلمبند کرنے کے بارے میں اختلاف ہوا ہے اور ایک جماعت نے اس کو ناپسند کیا ہے جن میں سے حضرت عمر ہیں۔)

عروہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے احکام حلال وحرام کے قلمبند کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر بعد میں آپ کی رائے میں تبدیلی ہوئی۔ آپ نے اعلان فرمایا کہ

انی کنت ارید ان اکتب السنن وانی ذکرت قوما کانوا قبلکم کتبوا کتبا فاکبوا علیھم وترکوا کتاب اللہ وانی واللہ لا اشعب کتاب اللہ بشئ ابدا۔

(میرا ارادہ ہوا تھا کہ احادیث کے قلمبند کرانے کا انتظام کروں لیکن مجھے خیال آیا کہ بہت سے لوگ سابقہ امم واقوام میں انھوں نے کتابیں تصنیف کیں تو ان ہی کتابوں کے ہو رہے اور کتاب خدا کو ترک کر دیا۔ میں خدا کی قسم کتاب خدا کے ساتھ کسی چیز کی آمیزش نہیں ہونے دوں گا۔)

دوسرے لوگوں میں بھی بعض افراد نے اس خیال میں آپ کے ساتھ اتفاق کیا۔ ابن سیرین کہتے تھے:

انما ضلّت بنو اسرائیل بکتب ورثوھا عن اٰبائھم۔

(بنی اسرائیل جو گمراہ ہوئے، وہ ان ہی کتابوں سے جو باپ دادا سے انھیں پہنچی تھیں۔)

زہری کا قول ہے کنا نکرہ کتاب العلم (ہم لوگ علمی مطالب کے قید تحریر میں لانے والوں کو ہمیشہ بُری نظر سے دیکھتے رہے۔)

یہ تو علمی و تبلیغی شعبوں کی خانہ ویرانی تھی لیکن اس کے برخلاف فوج کشی وصف آرائی میں انہماک، آس پاس کے ممالک پر جارحانہ حملوں کا جوش، اسلامی مملکت کی توسیع کا خیال اور فتح وظفر کا خروش، جس کی بنا پر اس زمانہ کو نشر واشاعت اسلام کا سب سے زائد زرّیں دور کہا جاتا ہے وہ اعلیٰ پیمانہ پر جاری تھا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت کے ذمہ دار افراد نے نشر اسلام کے رمز کو علوم ومعارف کی وسعت، حقائق مذہب کی تفسیر، اخلاق جمیلہ کی تلقین اور سیرت نبیؐ کی عملی حیثیت سے تبلیغ میں مضمر نہ سمجھا تھا بلکہ تلوار اور صرف تلوار میں۔

لیکن وہ جماعت کہ جو اقلیت میں تھی اور شروع میں اتنی کم کہ شمار میں آنے کے قابل نہ تھی، اس نے نشر واشاعت حق کے اصلی رمز کو سمجھ لیا تھا اور اس جوہر کی حفاظت میں اس نے پوری کوشش صرف کی اور اس نقطہ نظر کی تبلیغ میں، جسے وہ سچائی کے ساتھ حقیقی اسلام کی حفاظت کا ذریعہ سمجھتی تھی، پُرامن تبلیغ وتلقین کے سلسلہ کو اختیار کیا اور ملک کی پرامن فضا کو مکدر کئے بغیر وہ اشاعت حق کے فرض کو انجام دیتی رہی۔

یہ جماعت شیعی جماعت ہے جس کی ابتداء، نشوونما، ترقی ووسعت سب تبلیغ وتعلیم کے ذریعہ سے ہوئی اور اس نے اس فرض کو پوری جانفشانی وتندہی کے ساتھ انجام دیا۔

مذہب شیعہ کی سب سے پہلی تبلیغ

یہ امر تاریخی حیثیت سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد سب سے پہلی جماعت جس نے اکثریت اور دبدبۂ حکومت کے خلاف تبلیغ حق کی آواز بلند کی ہے، وہ صحابہ کرام میں سے بارہ آدمیوں کی جماعت تھی: خالد بن سعید بن العاص، ابی بن کعب، ابوذر غفاری، مقداد بن اسود کندی، عبادہ بن صامت، سلمان فارسی، ابوالہیثم بن یتہاں، عمار بن یاسر، خزیمہ بن ثابت، ذوالشہادتین، سہل بن حنیف، ابوایوب انصاری، جابر بن عبداللہ۔

یہ لوگ تھے جنھوں نے ابتدائی دور میں مسجد نبوی کے اندر نماز جمعہ کے بعد ہی کھڑے ہوکر باری باری اعلان حق کے فرض کو انجام دیا اور انتہائی جرأت کرکے ایمانی قوت اور جوش وخروش کے ساتھ بسیط تقریروں میں اپنے نقطۂ نظر کو واضح کیا۔

علامہ فضل بن شاذان نے جو دوسری صدی ہجری کے محدث اور مورخ ہیں، ان تقریروں کو اپنی کتاب رجال میں مکمل طور سے درج کیا ہے اور صدوق ابن بابویہ قمی کی کتاب امالی اور طبرسی کی کتاب الاحتجاج میں بھی ان کا تذکرہ ہے۔

یہ مذہب شیعہ کی سب سے پہلی تبلیغ تھی جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اس اعلان کے ساتھ ادا کی گئی اور یہی حضرات وہ تھے جنھوں نے اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر انتہائی پر امن طریقہ سے مذہب تشیع کی تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔

سلسلۂ تبلیغ میں پہلا دَورۂ سفر

حضرت ابوذر غفاری رضوان اللہ علیہ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے تبلیغ کے دائرہ کو وسیع کیا اور مذہب شیعہ کو حجاز کی چوحدی سے باہر دوسرے ملک میں شائع ومنتشر کیا۔ اس وقت جب عثمان نے ان کو شام بھجوا دیا اور ملک شام کے پائے تخت (Capital/राजधानी) ''دمشق'' میں ان کا رہنا حکومت شام کے ملکی مصالح کے خلاف ثابت ہوا تو ان کو شام کے بیرونی دیہات اور کوہستانی علاقہ کی طرف جس کا نام ''جبل عامل'' ہے روانہ کر دیا گیا۔ یہاں انھیں شیعیت کی تبلیغ کا کافی موقع مل گیا اور سب سے پہلے جس قریہ میں ان کا داخلہ ہوا وہ ''میس'' ہے اور اسی نے پورے طور سے ان کی دعوت پر لبیک کہی۔ دوسرا قریہ ''صرخند'' ہے جہاں کے رہنے والوں نے تشیع کو قبول کیا اور یہاں حضرت ابوذرؓ کے نام کی ایک مسجد اور زیارت گاہ بطور یادگار اب تک قائم ہے۔

(العرفان، ج۸ ص ۷۶۴)

اسی سلسلۂ تبلیغ میں ان کو وہ سخت تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں جن کا آخری دل سوز نتیجہ ''ربذہ'' کے بے آب و گیاہ چٹیل میدان غربت میں ایک حسرت ناک موت کی صورت میں ظاہر ہوا۔

تبلیغ شیعیت کے مختلف دور

بنی امیہ اور بنی عباس کی سلطنت میں تشیع کا نام بھی لینا جرم سمجھا جاتا تھا اور کیا مجال تھی کہ کوئی شخص عقیدۂ تشیع کا اظہار بھی کر سکے۔

مگر مبارک تھیں وہ ہستیاں جنھوں نے سلطنت وقت کے تمام جاہ وجلال، شوکت وجبروت کے باوجود اپنے فریضۂ تبلیغ حق میں کوتاہی نہیں کی۔ انھوں نے قید وبند کی سختیاں گوارا کیں۔ سولیوں پر جانا اور تلواروں سے گردنوں کا قلم ہونا منظور کر لیا مگر کھنچی ہوئی تلواروں کی چھاؤں میں بھی ان کی زبانیں اعلائے کلمۂ حق میں مصروف رہیں۔

اموی سلطنت کے دور میں حجر بن عدیؒ، میثم تمارؒ، رشید ہجریؒ اور آخر میں سعید بن جبیر تابعیؒ اور بنی عباس کے دور میں ابن سکیت نحویؒ وغیرہ وہ شہدائے راہ حق ہیں جنھوں نے حق گوئی کے جرم میں پاداش قتل کو برداشت کیا۔

بہت سے کارپردازان تبلیغ تھے جنھوں نے تقیہ تج دیا جیسے کمیتؒ بن زید اسدی جن کی زلزلہ افگن شاعری سرتاسر تبلیغ مذہب کا پہلو لئے ہوئے تھی اور اسی طرح فرزدقؔ، دعبلؔ، سید حمیری وغیرہ۔

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کے زمانہ میں تقیہ کی پابندیاں بہت کم تھیں، اس لئے شیعی علم کلام نے خوب ترقی کی اور مبلغین کو ایک حد تک آزادی سے دعوت وتبلیغ کا موقع ملا۔

ان میں ہشام بن حکم، ہشام بن سالم، قیس ماصر، مومن الطاق وغیرہ بڑے متکلمین ہیں جنھوں نے مناظرات ومصنفات کے ذریعہ سے مذہب شیعہ کے بڑے خدمات انجام دیئے۔

اصحاب ائمہ کا دور ختم ہونے کے بعد علمائے مذہب کا دور شروع ہوتا ہے جس میں تبلیغ مذہب کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا۔

ان میں سے ہر دور کے سرآمد مبلغین اور ان کے علمی و تبلیغی خدمات کا تذکرہ بہت زیادہ بسط و تفصیل کا محتاج ہے، جس کے لئے اگر زمانہ مہلت دے اور توفیق الٰہی شامل حال ہو تو ایک مستقل تصنیف درکار ہے۔ اس وقت نہ تو وقت ہے اور نہ موقع و محل کا اقتضاء ان تمام مبلغین کے تذکرہ کی اجازت دیتا ہے۔

مملکت ایران میں صفوی سلاطین 'خدا ان کی روحوں کو اپنی رحمت کاملہ سے سیر و سیراب فرمائے' انھوں نے ایران میں مذہب شیعہ کی نشر و اشاعت میں پورے انہماک کے ساتھ (مگر بزور شمشیر نہیں) کوشش کی اور اس میں اتنے کامیاب ہوئے کہ ایران پورا ایک شیعی ملک کی شکل میں آ گیا۔

ہندوستان میں مذہب شیعہ کی تبلیغ

ہندوستان میں شیعی مذہب کی تبلیغ کا سہرا تو جہاں تک میں سمجھتا ہوں ایرانیوں کے سر ہے اور ان میں بہت زیادہ سادات کو خصوصیت ہے۔

ہندوستان ہمیشہ سے زرخیز اور مال و دولت کا خزانہ مشہور رہا ہے، اس لئے غیر ممالک کے لوگ جب پریشانی میں مبتلا ہوتے تو سب سے پہلے اپنے درد کا درماں یہی سمجھتے تھے کہ ہندوستان چلے آئیں۔ یہی سبب ہے کہ ہندوستان میں شریف مسلمانوں کے خاندان بہت کم ایسے ہوں گے جن کا رشتہ ایران و عراق سے جڑا ہوا نہ ہو۔

سلاطین مغلیہ کے دور حکومت میں بڑے بڑے ارکان دولت اور ذمہ دار اجزائے مملکت زیادہ تر ایرانی نژاد اور شیعہ تھے اور ان ہی کے ذریعے سے علمائے شیعہ کا جو زیادہ تر ایرانی یا عراقی ہوا کرتے تھے سلسلۂ آمد و رفت قائم تھا اور اکثر حضرات کو ان میں سے یہاں قیام کا موقع حاصل ہوتا تھا۔

صوفیت کے لباس نے 'میرے خیال میں' تشیع کی پرورش میں بڑا کام کیا ہے۔ اسی کا

نتیجہ ہے کہ اکثر صوفیائے کرام کے خیالات بعض امور میں شیعوں سے ملتے جلتے اوران کے قریب ہوتے ہیں اور کم ازکم ان کو تعصب شیعوں سے اتنا نہیں ہوتا جتنا دوسرے بہت سے افراد کو۔ حیدرآباد میں شیعیت کی تبلیغ اسی تصوف کے پردے میں شاہ طاہر رحمۃ اللہ علیہ نے کی جوایک یادگار کارنامہ ہے۔ اس کے بعد یہ حقیقت ہے اور تاریخ کے رو سے ناقابل انکار امر، کہ اس تمام طول طویل مدت میں شیعی افراد کتنے ہی برسر اقتدار ہوئے اور حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے اور جاہ ومنصب حاصل کئے مگر ان کی ترقیاں شخصی وانفرادی تھیں اجتماعی ومذہبی حیثیت سے کوئی تبلیغ واشاعت مذہب کی اس دور میں نظر نہیں آتی۔

اس اعتبار سے اولیت کا شرف صرف ایک مجاہد ملی کو حاصل ہے جو آج سے تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے پیدا ہوا اور جس نے اپنے ثبات واستقلال، ولولۂ عمل، اخلاص قلب اور جوش مذہبی سے زمین کو آسمان بنا دیا اور ہندوستان بالخصوص صوبۂ اودھ کی مذہبی فضا میں وہ تشیع کی روح پھونکی جس کے روزافزوں نتائج آج شیعوں کی ڈھائی کروڑ کے قریب مردم شماری کی صورت میں نظر آرہے ہیں۔ یہ بزرگ ہستی مجدد ملت حقہ حضرت غفران مآب مولانا سید دلدار علی طاب ثراہ کی تھی جنھوں نے عراق وایران سے تکمیل علوم کرکے ہندوستان مراجعت کی اور لکھنؤ کو اپنا مرکز بنا کر شیعیت کا عملی حیثیت سے سنگ بنیاد قائم کیا۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ سب سے پہلی نماز جماعت جو اس ملک میں شیعوں کی منعقد ہوئی ہے وہ ۱۳؍رجب ۱۲۰۰ھ (۱) کو مسجد حسن رضا خان واقع گول (۲) دروازہ لکھنؤ میں تھی جس میں

---

(۱) ہندوستان میں شیعوں کی پہلی نماز جمعہ ۲۷؍رجب ۱۲۰۰ھ کو غفران مآبؒ کی اقتدا میں ہوئی۔

(۲) افسوس ہے کہ اس مسجد کا نام ونشان بھی اب نہیں ہے۔ کوتوالی اور دوسری عمارتوں کی بنیاد اس مسجد کی خراب شدہ بنیادوں پر قائم اور تاریخ وحسیات مذہبی کے لئے ماتم کا سرمایہ ہے۔

جناب غفران مآب مقتدا اور نواب مع ارکان دولت اور عام مومنین شہر مقتدی تھے۔ اس کے قبل کوئی نماز جماعت شیعوں کی اس ملک میں نہ ہوئی تھی۔

انھوں نے ''عماد الاسلام'' لکھ کر ملت حقہ کی نا قابل تزلزل بنیاد قائم کی اور ''ذوالفقار''، ''صوارم''، ''حسام'' سے جہاد مذہب میں بیش قیمت کارنامے پیش کئے۔

ان کی اولاد اور تلامذہ نے ان کے قائم کئے ہوئے شجر کو سر بلند و شاداب رکھنے میں پوری کوشش صرف کی اور ملت حقہ کے گراں بہا خدمات انجام دیئے جن کے بہترین نمونے جناب سلطان العلماء رضوان مآب طاب ثراہ کی ''ضربت حیدریہ'' و ''طعن الرماح'' وغیرہ۔ سید العلماء علیین مکانؒ کی ''حدیقۂ سلطانیہ''، مولانا مفتی محمد قلی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کی ''تشئید المطاعن''، جناب مفتی میر عباس صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کی ''روائح القرآن'' و ''جواہر عبقریہ''، مولانا سید حامد حسین صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ کی ''استقصاء الافہام'' اور ''عبقات الانوار'' کی صورت میں موجود ہیں اور جن کے تبلیغی نقوش ملت بیضا کے صفحات پر روشن حروف میں ہمیشہ نمایاں رہیں گے۔

زمانہ رنگ بدلتا ہے اور ضروریات زمانہ میں بھی اس کے ساتھ انقلاب ہوتا ہے۔ ایک وقت وہ تھا کہ ہندوستانی مسلمان شرفاء اپنے ایرانی نژاد ہونے کا احساس رکھتے تھے اور اس لئے اپنی اصلی زبان فارسی رکھنے کو فخر سمجھتے تھے۔ اس زمانہ کے عوام تک فارسی میں خط و کتابت کرتے تھے اور فارسی کتابوں کا شوق سے مطالعہ کرتے تھے، اس لئے اس زمانہ کے ارباب قلم اپنے مصنفات بھی فارسی میں زیادہ تر تحریر کرتے تھے۔ لیکن زمانہ نے ورق پلٹا۔ اُردو نے فارسی کی جگہ حاصل کی اور رفتہ رفتہ فارسی ترک ہونا شروع ہوئی یہاں تک کہ اب فارسی مثل عربی کے ایک علمی زبان ہوگئی جس کے جاننے والے خال خال نظر آتے ہیں اور زیادہ تر عام افراد فارسی کتابوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، اس لئے ضرورت ہوئی کہ تبلیغی مصنفات اہل ملک کے سامنے خود ان ہی کی مادری زبان اردو میں پیش کئے جائیں۔

گذشتہ دور کے علماء میں جناب تاج العلماء سید علی محمد صاحب قبلہ نے اس ضرورت کا خاص طور سے احساس فرمایا تھا انھوں نے مبسوط ومختصر گرانقدر عربی تصانیف کے علاوہ جن کی فہرست طویل ہے، مذہبی حقائق کو اردو کے لباس میں پیش کرنے کی طرف بھی توجہ فرمائی ان کا ''ترجمہ قرآن'' اپنے رنگ کا نرالا اور واحد ترجمہ ہے جو بہت حد تک اس مقصد کا ترجمان ہے اوران کی بعض دوسری کتابیں بھی اس قسم کا ایک مخصوص سرمایہ ہیں۔

مرحوم ومغفور علامہ حکیم غلام حسنین صاحب کنتوری اعلیٰ اللہ مقامہ کا بھی ذکر نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے جنھوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ تبلیغ مذہب میں صرف کیا اور مضامین ومولفات کے ذریعہ سے شکوک وتوہمات کا بڑے درجہ تک استیصال کیا۔

فخر الحکماء مولانا سید علی اظہر صاحب نے ''رسالۂ اصلاح'' کا اجراء کیا اور اس طرح نیز مستقل تصانیف کے ذریعہ سے تبلیغ مذہب کے ہزاروں برس گذرنے پر بھی نہ بھولنے والے خدمات انجام دیئے اور مولانا محمد ہارون صاحب زنگی پوری مرحوم نے اپنی عمر کا آخری حصہ تمام تر تصنیف وتالیف میں صرف کر کے سنجیدہ طبقہ کے لئے انتہائی مفید ذخیرۂ معلومات پیش کیا۔

اس کے بعد مدرسۃ الواعظین اور امامیہ مشن دونوں ادارے آپ کے سامنے ہیں جو تقریری وتحریری تبلیغ کے مقصد سے قائم ہوئے اور شروع شروع قوم نے ان کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا اوران کی ضرورت کا احساس واعتراف کیا مگر اب تک یہ اس ترقی کے درجے تک نہیں پہنچے ہیں جو اس اہم مقصد کے شایان شان ہے۔

والسلام

(امامیہ مشن لکھنؤ، اشاعت اولیٰ ذی قعدہ ۱۳۵۸ھ/ دسمبر-جنوری ۱۹۳۹ء-۱۹۴۰ء)

❁❁❁

تاریخِ شیعہ کا خونچکاں ورق

مصنف
زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ لکھنوی، کراچی

تاریخِ شیعہ کا خونچکاں ورق

زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ لکھنوی، کراچی

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

نحمدك اللهم علیٰ ما فضلنا علےٰ سائر البرية بالتشيع والايمان و
نصلّی علیٰ رسولك المبعوث الی الانس والجان وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ الّذین
ازھفوا تموبہ الشیطان

حرف آغاز

اما بعد شیعیت کے مٹانے کے لئے جب اموی مزاجوں میں طوفان کی طرح جوش آیا ہمارے مظلومانہ صبر وشکیب کی چٹان سے ٹکرا کے رہ گیا اور سلف سے آج تک کوئی ہم کو فنا نہ کر سکا شیعیت کی بنیاد کب قائم ہوئی گونا گوں مخالف طاقتوں میں یہ فرقہ کیونکر باقی رہا۔ دشمن کی تخریبی کوششوں سے نجات اور حفظ نفس میں اس نے کیا تدابیر اختیار کئے تیرہ سو برس کے عبرت زا سوانح وحوادث کو صرف بطور فہرست مختصر الفاظ میں بیان کر کے ثابت کرتا ہے کہ اقلیت کو اکثریت میں سمو دینا یہ خیال ایک سراب ہے جو بندگان خدا کو آبلہ فریبیوں کا شکار بنا کر دین و دنیا سے کھو دے گا۔ حقائق دانی کے لئے رواداری سم قاتل ہے اور اس کا تریاق صرف یہی ہے کہ اس وادی پُرخار کے ہر رہرو کے لئے جو چیزیں زنجیر پا تھیں ان کا کامل تعارف ہو جائے۔ ہم کیا تھے اور اب کیا ہیں؟ ایک بسیط بحث ہے جو دامن قرطاس کی تنگی سے صرف اشارات پر ختم کی گئ ہے اور ایک ہزار صفحات کا گنجینہ محدود اوراق میں اس طرح پیش کر سکا ہوں کہ جن

مسائل پر متکلمین میں بحث ہو چکی ہے یا ہوتی رہتی ہے ان کو بالکل نہیں چھیڑا ہے صرف وہ حقائق جو محتاج ضبط و تدوین تھے کسی قدر وضاحت سے پیش کئے گئے ہیں۔ پھر بھی جہاں عبارت گنجلک ہو یا پیچیدگی پیدا ہو جانے سے مفہوم صاف طور پر ذہن نشین نہ ہو تو فٹ نوٹ دیکھ کر اصل ماخذ کی طرف رجوع کریں اور قلم کی ہر لغزش کو دامن عفو میں جگہ دیں۔

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَھُوَ حَسْبِي وَنِعْمَ الْوَكِيْل

عبدہ

فقیر باب اہلبیتؑ بنویؑ

آغا مہدی الرضوی

مسجد تحسین چوک، لکھنؤ

۲۰ رجمادی الاخری ۱۳۷۶ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

كان حقّا علينا نصر المومنين

بناکردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

انسانی دنیا کی تعمیر کے ساتھ حاکم و محکوم دو طبقہ قدرت کی طرف سے قرار دیئے گئے اور اِنِّي جَاعِلٌ فِي الارض خليفه کے اعلان نے بتایا کہ اس دنیا میں رہ کر ایک افضل ہوگا دوسرا مفضول۔ لیکن زمانہ کے حالات نور بشر کی کیفیت مزاج کو دیکھتے ہوئے اس حاکم دین کا نام ہمیشہ ایک نہیں رہا اور نہ ان کے حلقۂ اطاعت کو ہمیشہ ایک لفظ سے یاد کیا گیا ہر دور میں مصالح کے لحاظ سے تبدیلیاں ہوئیں اور مفہوم کو باقی رکھتے ہوئے نئے نئے الفاظ استعمال کئے اور خلیفۃ اللہ کے بعد اس آمر کو بنی، رسولؐ، امام بھی کہا گیا ہے انبیاؑء کا دل چاہتا تھا کہ ان حضرات کا حلقۂ اثر اور ساری امت مسلم کے نام سے پکاری جائے اور ہر مرد و عورت مسلم و مسلمہ کہی جائے۔

چنانچہ سیرت انبیاء میں اسکی مثالیں موجود ہیں حضرت ابراہیمؑ عرض کرتے ہیں۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۔

(سورۂ بقرہ آیت ۱۲۸)

''اے ہمارے پالنے والے تو ہمیں مسلم بنا اور ہماری اولاد سے ایک گروہ پیدا کر جو تیرا مسلم ہو۔''

حضرت سلیمانؑ کا قول وَأْتُونِي مُسْلِمِيْنَ

میرے سامنے مسلم بن کر آؤ۔ (سورۂ نمل آیت ۲۱)

یہ آیات گواہ ہیں کہ ہم سے پہلے بھی مسلمان تھے بنواسرائیل کے انبیاء کا زمانہ ختم ہو کر حضرت محمد مصطفیؐ کا عہد آیا اور خاتم النبیینؐ کو پیغمبر اسلام اور انکی امّت کو عام طور پر مسلم کہا گیا صنم پرستی چھوڑ کر سچّے دل سے اسلام لانے والوں کے ساتھ وہ گروہ بھی شامل ہونا شروع ہوا جس نے دنیاوی طمع میں بظاہر اپنی روش کو بدلا تھا، باطن میں وہی جذبات اور خیالات تھے جو ان کے باپ دادا کے تھے۔

اس نازک موقع پر سچّے دل سے اسلام لانے والوں کو مومن کہا گیا مگر وہ چالاک گروہ مومن بن جانے کے لئے بھی تیار ہوا تو دلوں کی گہرائی دیکھنے والے معبود نے جھڑک دیا اور کہا کہ اب نہ کہنا کہ ہم ایمان لائے ہیں تم تو مسلمان ہو۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلٰكِنْ قُوْلُوا أَسْلَمْنَا ۔

(سورۂ حجرات آیت ۱۴)

''عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اے رسول کہہ دیجیئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو کہ اسلام لائے۔''

اس ممانعت کے بعد بھی وہ طبقہ مومن بن جانے سے باز نہ آیا اور خدائے قہّار وجبّار نے ان کو منافق قرار دیکر کافروں کے ساتھ ذکر کیا اور اپنے پیغمبرؐ کو ان سے جنگ وجدال کا مجاز قرار دیا اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ۔

(سورۂ توبہ آیت ۷۳)

سورۂ بقرہ کے افتتاحیہ حصہ میں ضمنی حیثیت اور پھر مستقل طور پر سورۂ منافقون میں اس طبقہ کی اندرونی حالت کا جائزہ لیا گیا ہے اور پیغمبرؐ کا عمل بھی یہ تھا کہ وہ آٹھویں دن نماز جمعہ میں اس سورہ کو بلند آواز سے پڑھتے تھے لیکن مسلمانوں کے ایک فرقہ کے سوا کوئی دوسرا گروہ نماز جمعہ میں سورۂ منافقون نہیں پڑھتا۔

سیرت محمدیؐ پر جو کتابیں لکھی گئیں ان میں نماز جمعہ میں سورۂ منافقون (۱) کا ذکر موجود ہے۔ سورۂ بقرہ اور منافقون دونوں سورۂ مدینہ میں نازل ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد نفاق پردۂ خفا میں نہیں رہا اور ضرورت ہوئی کہ مومن اور منافق میں کوئی فرق قرار دیا جائے۔

اس احتیاج کو قرآن حکیم کے بار بار اعلان **اٰمنوا و عملوا الصّٰلحٰت** ایمان اور عمل صالح نے پورا کیا جو مومن ہے وہ کردار سے پہچانا جاتا ہے اور جو منافق ہے عمل اس کا ساتھ نہ دے گا عمل صالح کی قید نے ایک احسان عظیم کیا تھا لیکن کردار پر نظر میں وقت گزرتا تھا کسوٹی پر کسنے میں دیر ہوتی تھی، لسان قدرت نے مومن اور منافق میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے لفظ شیعہ بھی لغات قرآن میں محفوظ رکھی تھی اور سیرت ابراہیمؑ اور موسیٰؑ میں اسکو دوبار استعمال کیا تھا اس لفظ میں وہ جلال تھا کہ اس کو وہی استعمال کر سکا جو اس کا اہل تھا اور ظاہر پرست طبقہ اس سے ہمیشہ دور رہا اور آج بھی کوئی مخالف اپنے تئیں شیعہ کہنے پر تیار نہیں ہے اسی دوران میں مسلم مومن یا شیعہ منافق ہر سہ گروہ کے ساتھ ایک چوتھی جماعت مرتد ظہور میں آئی جو اہل اسلام کے لئے انتہائی ہمّت شکن اور مایوس کن تھی مگر قرآن نے انکی سرکوبی کی خبر دے کر اطمینان دلایا۔

---

(۱) مدارج النبوۃ ص ۷۱۴ طبع نول کشور ۱۲

مَنۡ يَّرۡتَدَّ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِهٖ فَسَوۡفَ يَاۡتِى اللّٰهُ بِقَوۡمٍ يُّحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّوۡنَهٗ

''اے ایمان والو! تم میں جو کوئی بھی اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب خدا ایسے لوگوں کو ظاہر کرے گا جنہیں خدا دوست رکھتا ہے اور وہ خدا کو دوست رکھتے ہیں۔''

(سورۂ مائدہ آیت ۵۴)

پیغمبر خدا پر ایمان لانے والوں کی یہ وہ تقسیم تھی جو حضور اکرمؐ کے سامنے ہو چکی تھی اس خطرناک گردوپیش میں آل نبیؐ کے ساتھی شیعہ کی لفظ سے یاد کئے گئے۔

اقوام عالم کو ایک دشمن کا مقابلہ دشوار ہو جاتا، چہ جائیکہ کئی مخالف طاقتوں کے چشم وابرو کو دیکھنا اور صبر وسکون کے ساتھ بڑھنا فرقۂ شیعہ نے اپنے زمانہ کے ہر گروہ کے تصادم کا جواب دیا اور خود باقی رہا۔ کس طرح اس کو آئندہ بتایا جائے گا پہلے یہ دیکھنا ہے کہ:۔

نفاق کی طرح ارتداد بھی کردار پر نظر سے پہچانا جا سکتا تھا مگر حکومت اسلام نے غلط تشخیص سے بعض ناکردہ گناہ فردوں کو مرتد قرار دیکر جنگ کی جس غلطی کا آج تک رونا ہے حالانکہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گروہ کے نام حذیفہ کو بتا دیئے تھے اور یہ طبقہ ایسا با اثر تھا کہ اس کو اگر نامزد کر دیا جاتا تو اسلام کو عظیم نقصان پہنچتا اور یہ راز اس وقت کھلا ہے۔

جب کسی سفر میں حضور اکرمؐ کو ان نام نہاد مسلمانوں نے اونٹ پر سے گرا دینا چاہا اور آپ نے وفا شعار حذیفہ سے اس ضرر رساں طبقہ کے نام بتائے اور فرمایا کہ یہی تو منافق ہیں یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت عمر کو اندیشہ تھا کہ کہیں وہ بھی اس جماعت (۱) میں نہ ہوں۔

لفظ شیعہ کے معنی

ابوالفضل محمد بن خالد المدعو بجمال قریشی اپنی کتاب ''الصراح من الصحاح'' میں لکھتا ہے:

---

(۱) اسماء الرجال شیخ عبدالحق دہلوی و احیاء العلوم غزالی ۱۲

شیعة الرّجل بالکسر اتباع و انصار مرد،۔۔۔۔۔۔۔ اور نہایہ میں قلم غیر سے اعتراف کیا گیا ہے۔قد غلب(۱) هذ الاسم علیٰ من یزعم انّه یتولیٰ علیّاً و اهلبیته علیه و علیهم السلام حتیٰ صارلهم اسما خاصاً شیعہ بسا اوقات انہیں لوگوں کو کہتے ہیں جو حضرت علیؑ اور ان کے اہلبیتؑ کی عظمت و اقتدار کے قائل ہیں اور یہ اسی طبقہ کا مخصوص نام ہے۔

ابن اثیر جذری کی رائے صحیح ہے مگر دشمنان اہلبیتؑ کا وہ طبقہ جو شیعوں کی فضیلت میں پیغمبرؐ خدا کی لا تعداد حدیثوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا کبھی کبھی شیعہ ہونے کا دعویٰ کرنے لگتا تو واقعہ نگار نے امتیاز پیدا کرنے کے لئے ان کو شیعہ عثمان سے یاد کیا اور اسماء و القاب پر قبضہ کی قرارداد نے اس دزدانہ تحریک کو واقعہ کربلا تک پہنچایا جس کا احساس فرما کر اپنے عصر کے مصلح اعظم حضرت سید الشہدؑ نے وصف اضافی کو اصلی خدوخال میں پیش کر دیا اور جس وقت مظلوم کربلاؑ کے اثناء جنگ میں خیام اہل حرم کی طرف دشمن بڑھے اس دلدوز جرأت اور گستاخی کو مولوی سلامت اللہ حنفی نے حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے: چوں لشکریان ابن(۲) سعد تاب مقابله و محاربه با جناب سید الشہداء علیه الوف من التحیته والثنا در خود نیافتند شمر بد پیکر حیله د گراندیشید و خود را با جماعت خود میانه حسینؑ و حرم محترم حائل کرده خواست که دست تعرض باہل بیت نبوت دراز کند که امام مظلوم نعرئه و یحکم یا شیعة الشیطان زده فریاد کرد که من باشمامی جنگم ایں چه نامردی است که برزنان بیگناه می تازید۔

(تحریر الشہادتین شرح سر الشہادتین مطبوعہ ۱۲۵۷ھ)

---

(۱) مجمع البحرین فی ادلۂ الفریقین ص ۵۴۰۔

(۲) پسر سعد کی فوج جب امامؑ سے جنگ میں کامیاب نہ ہوسکی تو پھر شمر کچھ سواروں کو لے کر امامؑ اور خیمہ کے درمیان حائل ہوگیا اور چاہا کہ کوئی گستاخی کرے۔ آپ نے بلند آواز سے فرمایا اے پیروان ابلیس میں تم سے لڑتا ہوں ان عورتوں نے کیا گناہ کیا ہے جو ان پر حملہ کرتے ہو۔

امام مظلوم اور حرم نبوی کے درمیان حائل ہو جانے والے بے ادب سواروں کو پیرو ابلیس کہتے ہیں تہذیب امامت کو کوئی عذر نہ ہوا ان شاذ و نادر مواقع کے سوا لفظ شیعہ اپنے حقدار میں محدود رہی اور بقول ابن اثیر شیعہ کہنے سے دوست دار علیؑ تک ذہن پہنچتا ہے اور انہیں معانی میں یہ لفظ قصہ حضرت موسیٰ ؑ و ابراہیمؑ میں استعمال ہوئی اور حضرت خلیل کی زندگی کا تعارف وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرَاهِيْمَ (سورہ صافات آیت ۸۳) کی نوید مسرت سے ہوا۔ ضمیر کا مرجع سامنے نہ ہونے سے عام مفسرین حقیقت تک نہ پہنچ سکے اور سواد اعظم کے امام فخر الدین رازی نے لکھ دیا:

الضمير فی قوله من شيعته الیٰ ماذا يعود فيه قولان الاوّل و هو الا ظهر انّه عائد الیٰ نوح ﷺ ای من شيعته نوح و کان بين نوح و ابراهيم الفان وستمائة واربعون سنة۔

(الجزء السابع من مفاتیح الغیب طبع مصر ص ۱۴۹)

آیت میں ضمیر کس طرف پھرتی ہے اس میں اختلاف ہے ظاہر یہ ہے کہ نوحؑ کی طرف پھرتی ہے جن کے اور ابراہیمؑ کے درمیان میں ۲ ہزار ۶ سو ۴۰ سال کا فاصلہ تھا۔

اس تاویل سے کم از کم یہ ثابت ہوا کہ حضرت نوحؑ جو آدمؑ ثانی تھے ان کے دور میں بھی ان کے تابعین کو شیعہ کہا گیا ہے۔ قصۂ موسیٰ اور قبطی کے قتل کا واقعہ اس سلسلہ کا مشرح بیان ہے اس آیت میں مظلوم کو شیعہ اور دست تعدّی دراز کرنے والے کو عدو کہا ہے۔

فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ۔ (سورۂ قصص آیت ۱۵)

''جو موسیٰ ؑ کا پیرو تھا اس شخص پر جو ان کے دشمنوں میں تھا موسیٰ ؑ سے مدد طلب کی۔''

فضائل شیعہ میں وحی آموز زبان کی گہر افشانی

امت مرحومہ میں امم سابقہ اور خصوصاً بنی اسرائیل کے آثار کا پایا جانا فریقین کی متفقہ حدیث کی بنا پر ہے۔ اور پیغمبر اسلامؐ کا وہ ماحول جس کی اوپر تصویر کشی کی گئی چاہتا تھا کہ صحیح

اسلام کی راہ پر چلنے والے اسی لفظ سے پکارے جائیں جو عہد موسیٰؑ میں استعمال ہو چکی تھی لہٰذا شیعہ علیؑ کی لفظ سے پیغمبرؐ خدا کی زندگی کا ہر پہلو ترجمان بنا ہوا ہے سفر، حضر، مکہ، مدینہ، گھر، مسجد، رزم، بزم کوئی جگہ باقی نہیں ہے جہاں بزبان رسالت شیعوں کی نجات، کامیابی کا ذکر نہ ہو، مرقومۂ بالا وجوہ افتراق انشقاق فرقہ شیعہ سے حسد کا باعث ہوئے۔

نبوی احادیث میں صرف اسی کو بہشت کا ورثہ دار قرار دیا ہے جن کے سروں پر لواء حمد کا پرچم لہرا رہا ہو۔ طوبیٰ کا سایہ صراط سے گزر جانے کا پروانہ شمیم فردوس حوض کوثر کے جام اور شراب طہور سے وہی لطف اندوز ہوگا جس کے دل میں اہلبیتؑ طاہرین کا ذرّہ برابر بھی بغض نہ ہو۔

وہ مذہب جس میں خدا ایک اسکی آسمانی والہامی کتاب قرآن مجید ایک تبلیغ دین کرنے والا نبی افتراق کا دشمن اسکی سیرت پاک درس اتحاد میں کوشاں، لیکن اختلاف پسند انسان نے مذہب کا حلقۂ اثر پھیلنے کے ساتھ افتراق کی تخم ریزی کی اور کھوٹے کھرے پر کھنے کے لئے مسلم کے ساتھ مومن کی لفظ وضع ہوئی اور چونکہ دعوائے ایمان میں سب راست باز نہ تھے اس لئے شیعہ کی قرآنی لفظ استعمال ہوئی ماننا پڑے گا کہ جس طرح اسلام کی آواز بلند ہونے پر عہد نبوی ہی میں کچھ مومن قرار پا گئے اسی طرح ایمان کی ہمہ گیر تحریک میں ''شیعہ'' نے روح کی حیثیت حاصل کی اور حضور اکرمؐ کے زمانہ میں دوست کو شیعہ اور دشمن کو بغض رکھنے والا یا منافق کہا گیا چنانچہ ابو سعید خدری ایسے مشہور صحابی کا بیان ہے:

کنّا نعرف المنافقین ببغضھم (اصابہ جلد چہارم صفحہ ۳۷ طبع ۱۳۸۶)

ہم منافقین کو حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ سے کینہ اور عداوت رکھنے پر پہچان لیا کرتے تھے خود حضرت امیرؑ کا ارشاد ہے: **لا یحبّنی (۱) الّا مومن ولا یبغضنی الّا المنافق**

(صفحہ ۳۴۱ طبع مصر ۱۲۷۱ھ)

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی طبع مصر

''مجھے دوست نہ رکھے گا مگر مومن اور نہ دشمن رکھے گا مگر منافق'' اگر شیعہ اور غیر شیعہ کی تاسیس وفات حضرت سرور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ہوتی تو کتب سیرت ومناقب میں لاتعداد احادیث رسولؐ فضائل شیعہ میں نہ ہوتے ذیل میں چند حدیثیں ملاحظہ ہوں:

فاضل محمد صالح حسینی ترمذی کشفی اپنے مناقب میں رقم طراز ہیں:

(۱)منقبت قال النبی صلی الله علیه و اٰله وسلم یا علی ان الله قد غفرلك ولذرّیتك ولولدك ولا هلك و شیعتك(۱) والمحب شیعتك فابشروا انك لا تزغ الباطن۔

ترجمہ: در جمع دیلمی و صواعق محرقه مسطور است که رسولؐ فرمودی علی علیہ السلام بدرسکتیکه خدائے تعالیٰ به تحقیق که بخشیده است تراو فرزندان توراو اہلبیت علیہ السلام تراو دوستان ترا، پس بشارت ده تو بدرستیکه تو نیستی تیره باطن۔ (صفحہ ۲۴ طبع بمبئی ۱۳۱۰ھ)

(حاصل) دیلمی اور ابن حجر کے کتب میں ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:

''اے علی خدا نے تم کو بخش دیا اور تمہاری اولاد مغفور ہے اور تمہارے شیعہ منزل غفران پر ہیں پس آپ بشارت دے دیجئے کہ تم بدباطن نہیں ہو۔''

(۲) منقبت ۔ قال النبی صلی الله علیه و اٰله وسلّم یا علی انت (۲) و شیعتك تردون علیٰ الحوض رواة مرویین مبیضّة وجوهکم وان اعدائکم یردون علی الحوض ظماءً متقبحین۔

ترجمہ: در جمیع دیلمی و صواعق محرقه مسطور است که رسولؐ گفت اے علی تو و محبّان تو وارد می شوند بر حوض سیراب و سیر کرده

---

(۲)ص ۱۶۰۵ ارجح المطالب منقول از فردوس الاخبار دیلمی۔

شده در انحالیکه سفید است رو ہائے شما بدر ستیکه دشمنان و ارد می شوند بر حوض تشنه با قُبح و جہے (ص ۵۵)

فردوس الاخبار وصواعق محرقہ میں ہے کہ رسولؐ نے فرمایا اے علیؑ! تم اور تمہارے شیعہ حوض کوثر پر سیر و سیراب وارد ہوں گے چہرے نور سے چمکتے ہوں گے اور تمہارے دشمن حوض کوثر پر تشنہ لب اور قبیح صورت پہنچیں گے۔

(۳) منقبت قال النبیؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لا تستحفوا الشیعة فان الرجل منهم یشفع فی مثل ربیعة و مضر۔

ترجمه: از حضرت امیر المومنین کرم اللّٰه وجہه مروی است که گفت رسول سبک مدار ید پیروان علیؑ را بدرستیکه پیروے ایشاں درخواست کند گناہان جمعی که مانند گوسفندان قبیله ربیعه و مضر باشند۔ (ص۵۸)

حضرت امیر کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ علیؑ کے شیعوں کو حقیر نہ سمجھو ان میں کا ایک شخص بڑے بڑے قبیلوں کے برابر لوگوں کی شفاعت کرے گا۔

اس حدیث کو دیکھتے ہوئے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ سے بغض رکھنے والے طبقہ نے دور نبوی میں شیعیان علیؑ کو نظر حقارت سے دیکھنا شروع کیا لہٰذا اس فرقہ کی برتری کو ختم کرنے کے لئے محترم رسولؐ نے شیعوں کا الٰہی اقتدار ظاہر فرمایا ہے اور اپنے کلام کو بجائے اثبات کے نہی سے شروع کیا۔

(۴) اسلام کے مشہور سیرت نگار ابن عساکر اور اخطب خوارزم اور جلال الدین سیوطی اور شیخ سلیمان قندوزی وغیرہ علماء اہل سنت نے باتفاق نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

والذی نفسی بیده (۱) انّ هٰذا وشیعته فهم فائزون یوم القیامة۔

ص ۲۰۳ ارجح المطالب طبع قدیم نول کشور لاہور۔

''قسم ہے خدا کی، جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، علیؑ اوران کے شیعہ ہی قیامت کے دن کامیاب ہوں گے۔''

پیغمبرؐ خدا کے زمانہ میں کچھ لوگوں کو شیعوں کے بلند مرتبہ ہونے میں عذر تھا تو آپ نے قسم کھا کر فضیلت بیان کی ایسی لاتعداد حدیثوں کونظر انداز کر کے فرمانا کہ عہد نبوی میں ''شیعہ اور غیر شیعہ کی کوئی تفریق ظاہر نہ ہوئی تھی'' محتاج ثبوت ہے۔

اس قسم کی رائیں سنیت نوازی کا ثبوت اور اغیار کو یہ کہنے کا موقع دیتی ہیں کہ فرقہ شیعہ کی بنیاد عبداللہ بن سبا نے قائم کی ابوالفضل محمد بن عمر بن خالد المدعو بجمال القرشی نے سبائیہ کی لغت میں اس قدر لکھا تھا:

منسوب عبد اللہ بن سبا (الصراح من الصحاح ص ۹ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱۳۲۷ھ) یعنی یہ مذہب عبداللہ بن سبا سے منسوب ہے۔

اس کے بعد عبدالرشید حسینی نے غیر شیعہ بادشاہ کوخوش کرنے کے لئے اپنے لغت میں اضافہ کیا:

سبا نام پدر عبد اللہ کہ سبائیہ غلاۃ شیعہ اند منسوب بہ او۔

(منتخب اللغات شاہ جہانی)

قارئین کرام فرقہ شیعہ جس پر آشوب دور سے گزرا اور آج تک گزر رہا ہے اس کو ملحوظ رکھ کر قلم اٹھاتا ہے اور دشمن کی تائید ہرگز ہمارا شیوہ نہیں ہے باطل کا علم رفتہ رفتہ بلند کیا گیا ہے عبدالرشید نے صرف غالی طبقہ کو نسبت دی تھی اور دوسو برس کے بعد مولوی شیخ عبدالشکور صاحب نے اپنے جرائد میں بانگ دُہل کہنا شروع کیا کہ فرقہ شیعہ عبداللہ بن سبا کی تاسیس ہے ان بے چاروں نے حسبنا کتاب اللہ کہہ دینے کے بعد بھی سورۂ قصص کی آیتوں کو یاد نہیں رکھا۔ کتاب خدا کا فیصلہ تو یہی ہے کہ قرآنی لغات میں لفظ پہلے پہل حضرت ابراہیمؑ کے لئے استعمال ہوئی ہے اگر عبداللہ ابن سبا کا وجود عہد نمرود سے پہلے ثابت کر دیا جائے تو دعویٰ صحیح ہوسکتا ہے اور ہماری خامہ فرسائی غلط ہے ورنہ اس قسم کی ہر آواز دروغ بے فروغ ہے۔

دشمن کی حرکت مذبوحی:

اس مختصر تاریخ سے واضح ہو گیا کہ لفظ شیعہ بزم رسولؐ میں محتاج تعارف نہ تھی۔ اس مقصد کے پایۂ تکمیل کو پہنچ جانے کے بعد ہم پھر یاد دلاتے ہیں کہ مشکوٰۃ شریف اور اصابہ کی روشنی میں معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت امیرؑ سے کینہ رکھنے والے کا نام منافق تھا۔ یہ لفظ قہراً و جبراً مخالف پر پوری اترتی تھی کہ معاویہ کے فتنہ پرور اور فریب افزا دماغ نے ۴۱ھ میں (۱) اپنے اور اپنے ہم خیال طبقہ کے لئے سنت و جماعت کا نام تجویز کر کے اس تنافر کو دور کر دیا جو منافق کی لفظ میں مضمر تھا۔ کم وبیش سو برس تک وہ طبقہ جو ابوسفیان کی نسل اور اس کی پالیسی کا حامل تھا سنت و جماعت سے پکارا گیا یہاں تک کہ اس جماعت میں ان کے امام اعظم ابوحنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ بر سر اقتدار ہوئے اور ان کی افتادِ طبیعت و قیاس پسندی نے اصلاحی خدمت کا یہ پھل پایا کہ وہ طبقہ جس نے ان کے اقدامات کو نظر استحسان سے دیکھا تھا حنفی کہا گیا۔ پھر بیس پچیس سال کے اندر محمد بن مالک بن انس المتوفی ۱۷۹ھ نے اپنے اجتہادات کو مالکی مذہب میں ڈھال (۲) دیا اور تقریباً اتنی ہی مدّت گذرنے پر محمد بن ادریس شافعی المتوفی ۲۰۴ھ نے مذہب شافعی کی خشت نصب کی اور ان ہر سہ مساعی کو ناکامیاب قرار دیتے ہوئے امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ نے حنبلی مذہب بنایا اور ہر چہار مصلے کعبہ میں علیحدہ علیحدہ نظر آنے لگے اور مسلمانوں کا وہ حصہ جو خلافت بلافصل میں عذر کرتا تھا اس میں تقسیم ہو کر ساری دنیائے اسلام پر چھا گیا۔

جذبۂ انتقام میں ایک غلط اقدام:

یہ گروہ جس نے ہمیشہ وقت کا ساتھ دیا اور ہر صدی میں اپنے نام بدلنے کا عزم کر چکا تھا اس

---

(۱) قال العلامة العینی فی عمدة القاری شرح صحیح البخاری فاخذہ المعاویہ البیعة لنفسہ فکانت تلك السنّت سنة الجماعہ ص۲۱۹ تاریخ احمدی طبع نور المطابع ۱۳۲۴ھ

(۲) انیس الخاطر وجلیس السافر ص ۹۲ مولوی محمد فرقان مدنی حنفی قادری۔

نے شیعوں کو رافضی کہنا شروع کیا یہ اقدام عہد کلیم کی ایک لفظ کو زندہ کرتا تھا چنانچہ سیرت (۱) حضرت موسیٰ ؑ میں موجود ہے کہ دشمن ان کے دوستوں کو رافضی کہتے تھے تیسری صدی ہجری میں امام شافعی نے اس دریدہ دہنی کا جواب دیا جس کو ابن حجر ایسے تنگ دل نے بھی قبول کیا۔

لنعم ما قال اما منا ابو عبد الله محمد بن ادریس الشافعی المطلبی رحمه الله علیه

انا نحن فضلّنا علییّاً فاننا
روافض بالتفضیل عند ذوا لجھل
ولو کان الرفض حب اٰل محمد
فلیشھد الثقلان انّی رافضی

(صواعق) کیا اچھا فرمایا ہے ہمارے امام اعظم سیدنا مولانا حضرت امام محمد بن ادریس الشافعی مطلبی رحمہ اللہ نے کہ جب ہم جناب علیؑ کو فضیلت دیتے ہیں تو بے وقوفوں کے نزدیک ہم رافضی ٹھہرائے جاتے ہیں۔ اگر آل محمدؐ کی محبت رفض ہے تو جن وانس گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔ (۲) یہاں تک کہ اسی جماعت میں جو اپنے نام کو بمصلحت بدل چکی تھی زمانہ کی آب وہوا کے لحاظ سے نجدی وہّابی، مقلّد غیر مقلد، دیو بندی، اہل قرآن، اہل حدیث کی لفظیں استعمال ہوئیں اور معمولی کتر بیونت نے باہمی افتراق پیدا کیا ورنہ یہ سب ایک میدان کے شہسوار ہیں۔ اب ایک غیر جانب دار بھی فیصلہ کر سکتا ہے کہ شیعہ بہت قدیم اور قرآنی نقطہ نظر ہے اور سنّت والجماعۃ جدید اور خود ساختہ۔

---

(۱) انیس الخاطر جلیس السافر ص ۹۲۔

(۲) ارجح المطالب ص ۶۱۲ ومناقب المصطفیٰ مؤلفہ حیدر علی قلندر ص ۲۸۱۔

نجات یافتہ فرقہ کون ہے؟:

صالح ترمذی کشفی لکھتے ہیں:

مناقب ابن بابویہ مسطور است کہ از زازان رضی اللّٰہ عنہ روایت می کند از مرتضیٰ علی کرم اللّٰہ وجہہ گفت **تفرق ھٰذا الامۃ علی ثلث و سبعین فرقۃ اثنان و سبعون فی النار و واحد فی الجنّۃ و ھم الذین قال اللہ تعالیٰ و ممن خلقنا امّۃً یھدون بالحق و بہ یعدلون و ھم انا و شیعتی۔**

ایں امت ہفتاد و سہ گروہ می شوند ہفتاد و دو در دوزخ میروند یکے در جنت و ایں گروہ کہ حق تعالیٰ در شان ایشاں آیۂ مسطورہ فرستاد آں فرقہ منم و محبّان من (ص۲۹)

پیغمبر خدا کی وحی آموز حدیثیں حضرت علیؑ کے ارشادات اصحاب اخیار کی خبریں شیعوں کا طرّہ امتیاز تھیں اور ہر دماغ اور ذہن نے سمجھ لیا کہ فرد مسلم کی نجات شیعہ علیؑ ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس غیر معمولی تعارف کا نتیجہ یہ ہوا کہ گروہ مخالف اس مٹھی بھر جماعت کا دشمن ہوا اس نے طے کر لیا شیعہ اقلّیت کو فنا کر دو۔

مصیبتوں کا راز:

ظلم و ستم کی طوفاں زا آندھیاں تعصب کی گھنگھور گھٹائیں قہر و استبداد کی بجلیاں آل رسولؐ کے نام لیوا کو کہاں چین سے بیٹھنے دے سکتی تھیں۔ ان کی مقدس زندگی کے زیادہ سے زیادہ چراغ وقت سے پہلے بجھے مگر جو سخت جان زندہ رہ گئے وہ اقلّیت میں بھی حق و انصاف کا کلمہ پڑھتے رہے اور دنیا ان کی ذہنیت کو تبدیل نہیں کر سکی۔

فرقہ شیعہ نوزائیدہ مذہب ہوتا اور کسی وقتی ہیجان سے متاثر ہو کر عملی جامہ پہنتا تو مادیت جس قدر ناپائیدار ہوتی اتنی ہی عمر حاصل ہوتی اور پھر وہ ختم ہو جاتا۔ کیا کیا جائے وہ دنیا کا قدیم ترین مسلک تھا جس کو آتش نمرود جلا کر راکھ بنا نہ سکی۔ فرعونیت بحر فنا میں غرق نہ کر سکی۔ الٰہی طاقت

پشت و پناہ تھی۔ صادق کا وعدہ صبح قیامت تک زندہ رکھنے کا ضامن تھا اس لئے کہ یہ انسان تھے جن کے لئے ابتلا ضروری تھا۔

انّا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتليه۔

انبیاء و مرسلین مرکز مصائب تھے تو ان کے نام لیوا ہمیشہ ظلم و ستم کی چکی میں پستے رہیں گے اور یہ کشمکش کی زندگی ان کی تقرب الٰہی کی دلیل ہوگی اور یہی اس فرقہ کی آن بان تھی جو کبھی نہیں رخصت ہوئی۔

ہٹ اپنی اپنی بات کی ہے دھیاں اپنی اپنی آن کا ہے
ہم ہیں کہ تلے ہیں مٹنے پر وہ ہیں کہ مٹائے جاتے ہیں

(آرزو)

مظلوم کو اپنی منزل سے صبر و شکیب کے ساتھ گزر جانے پر جو لذّت اور شیرینی محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مستقبل کی ہمدردیاں ہمارے ہی ساتھ ہیں اور ظالم سے بیزاری ذوق سلیم کا اعلان عام ہیں جامع کبیر کافی کی حدیث اذا احب اعبد اعتد بالبلاء (۱)

''جب خدا کسی بندہ کو چاہتا ہے تو اس کو بلاؤں میں گھیر دیتا ہے۔''

اہل سنّت کے صحاح ستہ میں بھی یہ مقصد موجود ہے:

اشد النّاس بلاء

(۲) الانبیاء ثم الامثل فالامثل

منزل امتحان پر شدید ترین ابتلا انبیاء و مرسلینؑ کا ہے۔

ان کے بعد جو مرتبہ میں بڑھے ہوئے ہیں ان کی بلا اپنے سے پست طبقہ سے افزوں ہے۔

جن کے رُتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

(۱) اصول کافی ص ۲۰ نول کشور۔ (۲) ارشاد ساری شرح صحیح بخاری جلد ۸ ص ۲۴۷ از احمد بن محمد خطیب قسطلانی۔

وہ افراد ملّت جو شیعہ ہوکر ہر دور میں خارزار مصائب سے گزرے، جن کے چپ و راست رو برو اور عقب میں، تحت و فوق مظالم کی مسلّح فوجیں تھیں، جن کی مورد ملخ کے سوارخ میں بھی جائے پناہ نہ تھی کسی نہ کسی طرح اس آسمان کے سایہ اور زمین کی وسعت میں رہے اور زمانہ کی سرد و گرم ہواؤں سے دلیرانہ مقابلہ کرتے رہے اور ایک قرن کے بعد دوسرے قرن میں آئے یہ بقا ایک کرشمۂ قدرت تھا یا سچّائی کا پھل، وعدۂ الٰہی کا راز ہو، عزائم میں پختگی اور ارادوں میں طاقت پیدا ہوکر جینے کی امید ہوئی لیکن ایک صدی کے بعد دوسری صدی سخت ثابت ہوئی اور دور ابتلا نے اقوام عالم کو حیرت میں ڈال دیا اس کشمکش حیات کی پیشین گوئی زبان رسالت سے ہو چکی تھی اس وقت جب ایک نو وارد نے عرض کیا کہ میں، خدا کو دوست رکھتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا امتحان کے لئے تیار ہو جاؤ اس نے عرض کیا میں آپ کو بھی دوست رکھتا ہوں۔ فرمایا فقر کے لئے آمادہ ہو جاؤ اس نے عرض کیا کہ میں علی ابن ابی طالبؑ کو بھی دوست رکھتا ہوں فرمایا:

استعد لکثرۃ الاعداء۔

دشمنوں کی اکثریت پر تیار رہ۔

پیغمبر خدا کے وقت میں لفظ شیعہ کے استعمال پر جو ثبوت شیعی نقطۂ نظر سے ہیں وہ اس قدر طویل ہیں کہ اس موضوع پر اہل قلم نے مستقل کتابیں مدوّن کی ہیں اس ذخیرہ میں صرف ایک روایت ملاحظہ ہو جو حضرت امام محمد باقرؑ پر ختم ہوتی ہیں اور آپ اپنے آباء طاہرین سے قول حضرت امیر المومنینؑ نقل فرماتے ہیں:

واللہ لقد مات رسول اللہ وھو علی امّتہ لساخط الا الشیعۃ الا وانّ لکل شیء عروۃ و عروۃ الا سلام الشیعۃ الا و انّ لکل شیء دعامۃ و دعامۃ الاسلام الشیعۃ الا وان لکل شیء شرف و شرف الاسلام الشیعۃ الا وان لکل شیء اماما و امام الارض تسنکھا الشیعۃ (تاویل الایات الظاہرہ مخطوطات)

خدا کی قسم رسولؐ مرتے وقت اپنی امت سے ناراض تھے مگر شیعوں سے خوش تھے۔ ہر شئے کا ایک ستون ہے اور ستون اسلام شیعہ ہیں ہر شئے کا شرف ہے اور شرف اسلام شیعہ ہیں ہر شئے کا ایک پیشوا ہوتا ہے اور زمین کا پیشوا وہ خطۂ ارض ہے جس پر شیعہ آباد ہوں۔

ملّت جعفریہ کا پرخطر دور:

پیغمبر خدا کے سامنے اور ان کے بعد مختلف مواقع پر شیعوں کے خلاف آگ بھڑکی اور یہ کہنا غلط ہے کہ عہد رسولؐ میں شیعہ اور غیر شیعہ کی کوئی تفریق ظاہر نہ ہوئی تھی اسامہ کی قیادت سے انکار صرف اسی بنا پر تھا کہ اسامہ اس جماعت سے نہ تھا جس کو پیغمبرؐ خدا اپنی وفات کے موقع پر مدینہ سے ہٹا دینا چاہتے تھے انتخاب خلافت کی قرارداد میں مجمع اپنی جگہ پر رہا اور پیغمبرؐ خدا کو سخت الفاظ استعمال کرنے کی نوبت آئی۔

امیر المومنین حضرت علیؑ اور ان کی اولاد میں مسلسل دس معصومین کی شہادت نے طرف مخالف کے جذبۂ عناد کا پتہ دیا اور یہ طے ہو گیا کہ دشمن نے آل محمدؐ کو دنیا میں زندہ رہنے نہیں دیا۔ قتل کی ایک واردات ہوتی تو اجتہادی غلطی اور قاتل کا جذبۂ انتقام متصوّر رہوتا مگر سلسلہ ائمہ اہلبیتؑ میں گیارہ اماموں کا یکے بعد دیگرے شہید ہونا اور تلوار، زہر ہلاہل، قید، نظر بندی، تمام امکانات کو صرف کر دینا بتاتا ہے کہ ہر حادثہ قتل عمد تھا۔ یزید کا اپنے اسلام سوز شعر میں اس کا اظہار کہ وہ مقتولین بدر کا بدلہ لینے میں کامیاب ہوا، اگر بفرض محال صحیح ہے تو امام زین العابدینؑ اور دیگر ائمہ کی زہرخورانی کا کیا سبب تھا؟ دوستداران اہلبیتؑ کیوں قتل کئے گئے۔

ستم ایجاد گروہ نے ایک ایک کو قتل کر کے زنداں آباد کئے۔ حجّاج ابن یوسف کے ہاتھوں قربانی کا مینڈھا بنے۔ متوکل کی ذات سے خس وخاشاک کی طرح کنوئیں پاٹے گئے اور دست ظلم جب اور زیادہ ہوا تو بغداد کی دیوار ان کے خونیں گارے سے اٹھیں۔ لاشیں دریا میں پھینکیں یا نذر آتش کر دیں۔ قبروں کے نشان مٹائے۔ خصیہ دبا کر کام تمام کیا۔

چٹائیوں میں لپیٹ کر دم نکالا حاکم شہر بیمار پڑا تو شیعہ خون (۱) کی اس کے تلوے میں مالش ہوئی بے بنیاد اشتباہ پر کسی کو زندہ دفن کر دیا (۲) یحییٰ بن معمر (۳) فقیہ خراسان کو لوہے میں جکڑ کر دربار حجاج میں لائے تلوار زہر حبس دوام جلا وطنی شیعہ زندگی کے ختم کر دینے والے مصائب تھے مگر یہ مٹھی بھر جماعت جبر وقہر کے کالے بادلوں میں چاند اور تارے بن کر چمکے۔ مصالح کی مورچہ بندی میں مجنون بن کر لیلائے مذہب کا ساتھ دیا۔

مجسمۂ خیر ہستیوں زہد وورع کے پیکر نمودار افراد کو لرزہ براندام کر دینے والے مظالم سے دو چار کرنا وہ مصائب کے پہاڑ تھے جس کے مقابلہ کے لیئے فرقہ شیعہ نے حفاظت ذاتی کے لئے امکانی تدابیر اختیار کرنا شروع کئے اور سیرت اہلبیتؑ ہی کی روشنی میں اپنی جانیں بچائیں بچوں کو ذبح ہونے سے بچایا۔

فرقۂ شیعہ کو جس کے ممبروں میں حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کا پہلا نام تھا اپنے زمانہ کے نمرودیوں سے بچنے کے لئے جو تدابیر اختیار کرنا پڑیں ان کو تعصب کی عینک اتار کر رواداری کے پردہ چاک کر کے دل کی آنکھوں سے دیکھو ان کو کبھی چھپ کر کام کرنا پڑا اور غیبت میں نصرت دین کی۔ کبھی ہجرت پر تیار ہوئے اور دیس چھوڑا اہل وطن سے جدا ہوئے پردیس میں بیک بینی د وگوش؟ قدم رکھے، کبھی مجنون بن کر زندگی بسر کی اور مسلک کی آزادی میں فرق آنے نہ دیا۔ کبھی فقیرانہ زندگی اختیار کی اور رخت گدائی پہنا۔

مناظرہ کا آغاز:

سنی شیعہ تفریق کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فریقین صبر وسکون کے ساتھ اپنے اپنے عقائد پر

---

(۱) روضۃ الصادقین ص ۲۰۱ مبحث معجزات از راحۃ القلوب نقلاً عن مناقب لاسمعیل بن زہدان

(۲) حیات الحیوان دمیری ص ۵۳

(۳) مفاتیح الغیب فخر الدین رازی ج ا ص ۴۰۹ مصر۔

باقی رہ کر عام نگاہوں میں شیر وشکر رہے یا مناظرہ ومجادلہ کا دروازہ بھی کھولا گیا۔افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اختلاف کی وبا دلوں تک محدود نہیں رہی بلکہ زبان اور قلم سے اکثریت نے اقلیت کو کچلنے کی کوشش کی اور مناظرہ کی بنیاد بھی عہد نبوی میں شروع ہوگئ اور جب تک وحی کا دروازہ کھلا رہا لسان قدرت سے جوابات ملتے رہے حارث بن نعمان فہری نے حدیث غدیر سے انکار کیا اور خدا سے دعا کی:

اللّٰھم ان کان ما یقول محمد حقا فامطر علینا حجارۃ من السّماء اؤتینا بعذاب الیم۔

اے معبود! اگر جو کچھ محمدؐ نے کہا ہے وہ ٹھیک ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا ہم پر دردناک عذاب بھیج۔

فما وصل راحلتہ حتی رماہ اللہ عزّ و جل الحجر سقط علےٰ ھاستہ فخرج من دبرہ فقتلہ۔

اپنی سواری تک وہ شخص نہ پہنچا تھا کہ آسمان سے ایک پتھر گرا، جو سر کو توڑتا ہوا نیچے سے نکل گیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِلْكَافِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ۔

(سورۂ معارج آیت ۳۔۱)

اس قسم کے واقعات کثرت سے ہیں جن کو نقل کر کے طول نہیں دیا جاتا۔

جب پیغمبرؐ کے سامنے یہ طبقہ راہ راست پر نہ آیا تو وحی کا دروازہ بند ہو جانے کے بعد کب امید تھی چنانچہ زبان اور قلم سے باطل کی وکالت بھی ہر صدی میں ہوئی۔ یہ واقعہ پہلی صدی ہجری کا تھا دوسری صدی میں ابوحنیفہ امام اعظم اہل سنت نے خلافت جور کی تاسیس میں زبردست اقدام کیا جس کے بصیرت افروز حقیقت زا جوابات فضال بن حسین کوفی دیتے رہے پھر عہد

ہارون رشید میں یحییٰ بن خالد برکمی اور عمر بن عبید نے تشیع کی بنیاد کو متزلزل کرنا چاہا اور ہشام بن حکم نے نصرت دین میں باطل کو شکست دی۔ چوتھی صدی میں علی بن عیسیٰ رمانی اور قاضی عبد الجبار معتزلی نے شیعیت پر حملہ کیا جس کے جوابات شیخ مفیدؒ نے دیئے پانچویں صدی میں ابن صیرفی نحوی کی علمی طاقت کا مقابلہ سید رضی علیہ الرحمہ نے کیا پھر ساتویں صدی میں زمخشری و رازی کی رد میں خواجہ نصیر الدین طوسی علیہ الرحمہ نے اقدام کیا اور کئی کے سید شریف نے جوابات دیئے۔ قاضی برہان الدین مالکی اور عباد بن جماعہ شافعی کی رد میں شہید اول کا وجود ذی جود اور فخر الدین رازی کی قلمی جد و جہد کو شیخ محمود(۱) حمصی نے تار تار کیا۔ دسویں صدی میں فضل اللہ بن روز بہان بن فضل اللہ انجی الشیر ازی شیعوں کے خلاف اٹھے اور دنداں شکن جوابات پائے ہندوستان میں ملا عبد القادر اور دیگر علماء کی خفیہ ریشہ دوانیوں کا قاضی نور اللہ شوستری نے جواب دیا۔ مولوی سمیع الدین صوفی اور عبد العزیز دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ کی غلط فہمیوں کو سید دلدار علی نصیر آبادی غفران مآبؒ اور ان کے تلامذہ نے دور کیا۔ اس عصر کے امام اہل سنت مولوی شیخ عبد الشکور صاحب کاکوروی بانی دار المبلغین پاٹہ نالہ لکھنؤ کے فرسودہ شبہات کو خطیب اعظم سید سبط حسن صاحب المتوفی ۱۳۵۴ھ اور ان کے برادر عینی ابو البراءہ مولانا سید ظفر مہدی صاحب جائسی اعلی اللہ مقامہم نے پادر ہوا کیا اور جریدۂ النجم لکھنؤ کے جواب میں اصلاح اور رسالۂ سہیل یمن کا نام تاریخ شیعہ میں باقی رہے گا۔ یہ تھی مختصر فہرست شیعہ متکلمین کی جنہوں نے مخالف طبقہ کا جواب دیا۔ عوام بھی کبھی شیر و شکر نہیں نہیں ہوئے اور ہمیشہ نوک جھوک جاری رہی شیخ ادیب

---

(۱) فخر الدین رازی نے تفسیر مفاتیح الغیب جلد دوم ص ۲۰۰ تقطیع کلاں طبع مصر میں ان بزرگ کو بایں الفاظ یاد کیا ہے کان فی الری رجل یقال لہ محمود الحمصی و کان معلم اثنی عشریہ۔ یہ امر تحقیق طلب ہے کہ لولوۃ البحرین میں سید الدین شیخ محمود حمصی جن کو استاذ المتکلمین کے گراں قدر لقب سے علامہ بحرینی نے یاد کیا ہے یہی بزرگ ہیں یا دوسرے۔

احمد بن محمد انصاری یمنی شیروانی لکھتے ہیں کہ ایک مرد سنّی نے شیعہ شخص کے پاس گیہوں بھیجے جو پرانے ہو چکے تھے اور اچھے نہ تھے شیعہ نے واپس کر دیئے سنّی نے اس کے بدلے نئے گیہوں بھیجے مگر کچھ مٹی ملی ہوئی تھی شیعہ نے گیہوں کی رسید میں خط لکھا:۔

بعث لنا بدل البر برا
رجاء اللجزيل من الثواب
رفضاه عتيقا وارتضينا
به اذ جاء و هو ابو تراب

تم نے ہمارے لئے گیہوں کے بدلے گیہوں بھیجے بے پایاں ثواب کی توقع رکھتے ہوئے ہم نے پرانے گیہوں کو چھوڑا اور جو گرد آلود گیہوں پہنچے ان کو پسند کیا اس شعر میں ارتضیٰ اور رفض اور ابوتراب کی لفظیں بیت کی جان ہیں جو اساس شیعیت کی تصویر کشی کرتی ہیں۔

قربانیوں کا راز:

نہیں کہا جا سکتا کہ شیعہ کس وقت صابر رہے اور کس وقت قربانی پر تیار ہو گئے جس کے سامنے ماحول ہوتا ہے وہ اپنی تکلیف شرعی خود مقرر کرتا ہے۔ میرے خیال میں ان کا یہ رویہ حضرت امیرؑ کی تعلیم سے ماخوذ تھا جب کہ کوئی بلا آئے تو اپنے مال کو جان کا صدقہ قرار دے دو اور جب کوئی مصیبت آئے جس میں تمہارے دین پر بن جائے تو جان کو دین پر نثار کر دو۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

شیعتی یا نوف ذبل الشفا الخمص البطون رهبان فی اللیل اسد (۱) فی النهار۔

اے نوف میرے شیعہ وہ ہیں جن کے لب پژمردہ ہوں گرسنگی (ان کی خاص صفت ہے)

---

(۱) مستدرک نہج البلاغہ ص ۵۶ طبع نجف اشرف۔

رات کو اندھیرے میں وہ راہب معلوم ہوں اور دان کو ادائگی فرائض میں وہ شیر کی طرح نڈر ہوں ارشاد ہے:۔(۱)

دوسرے احادیث اس طرز زندگی کے منافی نہیں ہیں چنانچہ امام ہفتم کا ارشاد ہے:

انما شیعتنا من اطاع اللہ وعمل عملنا۔

شیعہ ہمارے صرف وہ ہیں جو مطیع خدا ہوں اور ان کا کردار ہمارا ہو۔

عمل اہلبیتؑ میں صبر اور جہاد دونوں داخل ہیں۔

جب عنان سخن یہاں تک پہنچی تو اب ہم پہلے وہ عنوانات پیش کرتے ہیں جو شیعہ نے اختیار کئے۔

مصیبتوں کے پہاڑ اور مظلوم کی طرف سے ردّعمل

جان بچانے کے ہر ممکن تدابیر

مشکلے نیست کہ آساں نشود

مرد باید کہ ہراساں نشود

غیر جانبدار:

قرآن اور صدائے رسولؐ کے سوا فرقہ شیعہ کے سب سے بڑے قائد نے حلقۂ اثر کو ایک معاشرتی اصول یہ بھی بتایا تھا۔

کن فی الفتنۃ کا ابن اللبون لا ظھر فیر کب ولا ضرع فیحلب

فتنہ وفساد کے زمانہ میں اس طرح ہو کہ جیسے اونٹ کا بچہ ہوتا ہے جو اپنی عمر کے دوسال ختم کر کے تیسرے برس میں پہنچے اس کی ماں اس عرصہ میں دوسرے بچے کو دودھ پلانے لگتی ہے۔ اسی وجہ سے ماں لبون اور بچہ ابن لبون کہلاتا ہے۔ نہ اس کی پشت اتنی مضبوط ہوتی جس پر سواری کی جائے نہ اس کے تھن ہوتے ہیں تا کہ دودھ دوہا جائے۔

---

(۱) مناقب ترمذی کشفی

حکیم روحانی نے دوا تجویز کردی مریض اگر اپنے مزاج کے موافق سمجھے تونسخہ حاضر ہے اور طبیعت کی اصلاح کرے انسان اپنے نفس کا بہترین ناظر خود ہے نامساعد زمانہ اس جماعت سے ہمیشہ برسرِمخالفت رہا اور کبھی مشق ستم سے باز نہ آیا قدرت نے دماغ میں ایک نئی صورت پیدا کی اور گویا پکار کر کہا کہ جان بچانا ہو تو فقیر بن جاؤ کاسۂ گدائی اگر ہاتھ میں ہوگا تو حکومت قہر آلود نظر سے نہ دیکھے گی مسکین سمجھ کر چھوڑ دی گئی۔ بہت سے ایسے تھے جو پرفریب دنیا سے قطعی منھ موڑ کے الگ ہو گئے۔ کچھ صوفیت کے جامہ میں چلے گئے مگر اپنے پیشوا کو نہ بھولے۔

تقیّہ:

اب رہا تقیہ تو وہ اس سلسلہ کی آخری کڑی اور جائے پناہ تھی جس کی تشخیص میں کامل غور وخوض کی ضرورت پڑتی۔ فکر ونظر کے بعد فرائض معیّن کرنا پڑتے۔ چنانچہ کتنے ایسے تھے جن کو عام نظر دائرہ تشیع کے باہر سمجھتے رہے مگر وہ دشمن کے لباس میں اپنا کام کررہے تھے اور پیکر غیر میں آنے کے بعد بھی جادہ سے نہ ہٹے۔ خلفاء جور کی مدح کی۔ ابوبکر زنگی کی منقبت میں قلم اٹھایا گیا۔ مگر دل کی گہرائیوں والا تخیل زبان تک آہی گیا۔

ترا اژدہا گر بود یار غار
ازاں بہ کہ جاہل بود غمگسار

(سعدی المتوفی ۶۹۱ھ)

یہ سچّے دل کی نصیحت محتاج تعارف نہیں ہے اور ضبط نفس کا مرحلہ جب تحمل سے باہر ہو جاتا ہے تو صبر وشکیب اختیار کرنے والا گفتار و رفتار میں آزاد ہو جاتا ہے اور مہر خاموشی ٹوٹ جاتی ہے اسی پرآشوب زمانہ کے ایک دوسرے شاعر نے اپنے مولا کو یوں پکارا۔ ع

منبع ہشت و چہار وقت مدد است

اس صدائے حق کو خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی رحمہ اللہ علیہ المتوفی ۷۹۱ھ نے لب و لہجہ میں کسی قدر ترشی پیدا کر کے یوں اپنایا۔

بد شمناں منشیں حافظا تو لا کن
نجات خویش طلب کن بجان ہشت و چہار

(لسان الغیب دیوان حافظ طبع نامی پریس ۱۳۱۰ھ)

بہر حال اب ہمارے پاس دشمن کو ساکت کرنے والی کوئی دلیل نہیں ہے جو بتائیں کہ میر جملہ وزیر اورنگ زیب شیعہ تھے اور دہلی میں جو سید خاندان تخت و تاج کا مالک ہوا ۱۴۱۴ء سے ۳۶ر برس حکومت کی ان کا کیا ملک تھا حیدر علی والیِ میسور کا شیعہ ہونا لازم جنکو ۱۷۷۲ء میں انگریزوں نے پسپا کیا مگر ان کے فرزند سلطان فتح علی ٹیپو المتوفی ۱۲۱۴ھ کے افراد خاندان نے بیان کیا کہ وہ اور انکی اولاد سب ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے تھے یہ خبر متواتر سہی مگر ایک شیعہ مخالف ماحول میں کیونکر زندگی بسر کرے ان سنی ہوئی باتوں کو چھوڑ یئے اب غیروں کی آواز بھی کان تک پہنچانا ہے محمود خاں محمود بنگلوری تاریخ سلطنت خدا داد میسور (۱) میں اعلان کرتے ہیں کہ سلطان ٹیپو کے آلات حرب پر اسد اللہ الغالب لکھا ہوا تھا۔

صوفی:

صدر اسلام سے کئی قرن تک ایسے صاحبان کمال گزرتے ہیں جن کے اقوال و افعال دیکھ کر آسانی سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ شیعہ تھے یا سنّی۔ اس لئے کہ کہیں وہ حق کے پکّے حامی نظر آتے ہیں اور کہیں باطل کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابو یزید بسطامی اور معروف کرخی ایسے مشاہیر کو بھی بعض (۲) اہل تحقیق شیعہ قرار دیتے ہیں میرے نزدیک حقیقت زیر نقاب رہنے کی یہی وجہ ہے کہ طبقہ اولیٰ جس دور سے گزرا اس میں زبان اور قلم اور جذبات ہر قوت پر پہرا تھا اور مستقبل میں ان کے مسلک کے بارے میں رائے قائم کرنا مشکل ہے۔

---

(۱) تاریخ میسور ص ۴۴۸ طبع چہارم لاہور ۱۹۴۷ء

(۲) معراج العقول شرح دعائے مشلول عربی فاضل نونہروی ص ۲۷۵۔

اس میں شک نہیں کہ فقراء عظام اور صوفیائے کرام نے اپنے گدڑیوں میں محبّت اہلبیتؑ کے گوہر ابدار کو خوب چھپایا مگر افراط وتفریط نے اصل مقصد کو فوت کر دیا اور توحید زد میں آ گئی حالانکہ حقیقی صوفیت یہ تھی جو خود شیر خدا کی زبان سے تعریف کی گئی ہے۔

الصوفی من لبس الصوف علی الصفاء و جعل الدنیا علی القفاء و سلك طریق المصطفیٰ واستوی عنده الذهب والحجر و الفضة والمدور الا فالکلب الکوفی خیر من الف صوفی۔

صوفی وہ ہے جو صاف جسم میں پشمینہ پہنے اور دنیا کو پس پشت ڈال دے اور محمد مصطفیٰ کا چلن اختیار کرے اور اس کے نزدیک طلاء خالص اور پتھر اور چاندی اور سنگریزے سب برابر ہوں اور اگر اس کی یہ ذہنیت نہیں تو شہر کوفہ کا ایک کتا ہزار صوفیوں سے بہتر ہے۔

بقاء مذہب پردۂ خفا میں:

لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ

(سورۂ بقرہ آیت ۱۹۵)

نہ کچھ شوخی چلی بادِ صبا کی
بگڑنے پر بھی زلف اسکی بنا کی

ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے مقصد کی تکمیل اور انسان جو تحریک اٹھائے اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ خود میدان عمل میں آ کر کام کرے اس وقت فرائض کی ادائگی ہوا گر چھپ کر وہی خدمات انجام دے تو یہی تحریک بارآور ہوتی ہے مثال کے طور پر نباتات، جمادات، حیوان ہر طبقہ میں قوت نامیہ کو دیکھو وہ دانہ جو آج زمین کا پردہ چاک کر کے روئیدہ ہوا ہے دیکھتے دیکھتے پورا ہوا مگر قوت نامیہ کو باصرہ نے نہ دیکھا سطح زمین میں کوہستانی شکل پیدا ہوئی اور ایک مدت کے بعد پہاڑی نظر آئی مگر حجری عنصر کے بڑھانے والے کو کسی نے نہ دیکھا چوپایہ جانور پیدائش اور شکم مادر سے برآمد ہونے کے بعد اتنا سبک ہوتا ہے کہ ضعیف الخلقت انسان اس کو گود میں

لے سکتا ہے مگر قوت نمو کے کمال پر وہ اسی انسان کی سواری بن سکتا ہے اور چھوٹے سے بڑے کرنے والی طاقت کو کبھی کسی نے نہ دیکھا انسان خود اپنے جسم میں حقیقت روح کو نہ سمجھا اور دل کا جذبۂ حکمرانی کسی نے دریافت نہ کیا ایسی لاتعداد مثالیں دیکھ کر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ظاہر رہ کر زندہ رہنا اور باطنی زندگی دونوں برابر سے ممکن ہیں دنیا کے طول وعرض زمین کے نشیب وفراز فضا کے چکر میں بے شمار ذی حیات ایسے ہیں جو بغیر خوردبین نظر نہیں آ سکتے اور ہم ان کے وجود کے منکر نہیں ہیں۔ ائمہ اہلبیت علیہم السلام کا تار نظر بہت زیادہ طاقت ور تھا۔ انہوں نے موجودہ سائنس کے عرصۂ وجود میں آنے سے پہلے دیکھا اور مولائے کائنات کی تسبیح پڑھی سبحان اللہ خلق ما یریٰ وما لا یریٰ پاک ومنزہ ہے وہ پیدا کرنے والا جس نے نگاہ کے سامنے گزرنے والی چیزیں بھی پیدا کیں اور وہ کائنات بھی خلق کی جو شرمندہ بصر نہیں ہے ان مطابق فطرت اصول پر رہ کر جب فرقہ شیعہ کو زندگی میں خطرات کا سامنا ہوا تو منظر عام سے ہٹ گئے مگر کردار کو نہ بدلا۔

سیرت علیؑ:

یہ تعلیم بھی حضرت امیر المومنینؑ سے حاصل کی۔ دوسرے انسان کے لباس میں کام کیا۔

(۱) موفق ابن احمد خوارزمی جنگ صفین کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ لشکر معاویہ سے کویب بن ابرہہ نکلا، یہ آل ذی یزن ایک بہادر گھرانے کا مہیب صورت سپاہی تھا اور طاقت کا یہ حال تھا کہ درہم ودینار چٹکی سے ملکر نقش ونگار مٹا دیتا تھا۔ اسکی بہادری پر معاویہ کو ناز تھا۔ میدان میں آنے کے ساتھ اعلان کیا کہ اس کے مقابلہ کو خود علیؑ آئیں تو برابری ہو۔

فوج خدا سے ۱۔ مرتفع بن اضاح (۱) اور ۲۔ شرجیل بن بکر اور ۳۔ حرث بن حلاج شیبانی کو یکے بعد دیگرے شہید کیا۔ مؤخر الذکر شہید زہد وتقویٰ میں ممتاز اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے تھے جب انسب کو اس بدبخت نے شہید کیا۔

لما قتلوا جمیعاً فدعیٰ علی ابنہ العباس وکان تاماً کاملاً من الرجال

فامرہ بان ینزل عن فرسه و ینزع ثیابه ففعل فلبس علیؑ ثیابه و رکب فرسه والبس ابنه العباس ثیابه وارکبه فرسه۔

(مناقب اخطب خوارزم مخطوطات ص۹۹ کتب خانہ جناب ممتاز العلماء)

اس موقع پر حضرت نے اپنے فرزند عباس کو جو قدرو قامت میں کم نہ تھے پکارا اور حکم دیا کہ گھوڑے سے اتریں اور کپڑے اتار دیں عباس نے تعمیل حکم کی۔ آپ نے فرزند کے کپڑے پہنے اور اپنا لباس جنگ عباس کو پہنایا اور اپنے گھوڑے پر سوار کیا۔ یہ بیان نوادارت میں سے ہے۔

۲۔ دوسرا واقعہ جناب امیرؑ کے عبداللہ ابن عباس کے لباس میں جنگ کرنے کا ہے، جس کو متاخرین علماء شیعہ میں شیخ جعفر شوستری المتوفی ۱۳۰۳ھ علیہ الرحمہ نے بیان کیا ہے۔

اما ثبات و پامردی آنحضرت سلام اللّٰہ علیه بایں حد بود که اگر دریک محلے بود حمله براومی کرد و تمام انس و جن وغیرہ از محل خود حرکت نمی کرد بیک وقتے در جنگ صفین حضرت لباس ابن عباس راپوشیده به جنگ رفت بسیاری را کشت۔ معاویه گفت ابن عباس نیست۔ ابن عباس ایں قدر شجاعت ندارد گفتند در جوابش که ہماں ابن عباس است معاویه گفت میخواہید بدانید ابن عباس ایں قدر با قوت نیست لشکر یک دفعه حرکت کند پس ہمه لشکر یک دفعه حمله کردند بسوئے او حضرت در ہمان مکان خود ایستاد و حرکت نکرد۔ لشکر دانست که حضرت امیر المومنینؑ است۔(۱)

اب رہا ثبات قدم اور پامردی ان حضرت کی تو وہ اس حد پر تھی نہ اگر وہ اپنی جگہ پر ہوں اور

---

(۱) فوائد المشاہد نتیجہ المقاصد مجلس ۹ ص ۸۱ و ۸۲ طبع بمبئی ۱۳۲۷ھ

تمام جن وانس متحد ہوکراُن پر حملہ کریں تو اپنی جگہ سے حرکت نہ کریں صفین میں ایک وقت آپ نے ابن عباس کے کپڑے پہنکر لڑنا شروع کیا اور بہت سے سپاہی قتل کئے معاویہ نے کہا یہ ابن عباس نہیں ہیں ابن عباس اس قدر بہادر نہیں ہیں لوگوں نے کہا ابن عباس کی ہیں۔ معاویہ نے کہا کیا چاہتے ہو دیکھو یہ قوت ابن عباس کی نہیں ہے۔ پورے لشکر کو حملہ کرنے کا حکم دیا اب ساری فوج کے حملہ کرنے پر بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹے اس وقت ہر شخص نے پہچانا کہ یہ ابن عباس نہیں ہیں۔

فرقہ شیعہ کا خوف دشمن سے چھپ کر زندگی بسر کرنا:

یہ تو ایک جنگی ضرورت تھی کہ آپ مصالح حرب وضرب کی تحت میں دوسرے کے لباس میں کام کرتے رہے لیکن اس رویہ سے آپ نے یہ تعلیم بھی دی کہ وقت ضرورت انسان پوشیدہ رہ سکتا ہے فرقہ شیعہ نے اپنے تئیں چھپایا اور بنی امیہ و بنی عباس کی خون آشام تلواروں سے بچاتے ہوئے جنگلوں کو آباد کیا، شہری زندگی کو چھوڑ کر دیہات میں سکونت اختیار کی،
فقیروں کے بھیس میں نظر آئے صوفیوں کا لباس پہنا، عرب کی زمین تنگ ہوئی تو عجم پہنچے اور وہاں بھی باطل نے گلا گھوٹنا چاہا تو ہندوستان کی طرف آئے شاہزادہ عبد العظیم اکابر شیعہ میں ایک مشہور ہستی ہیں جن کا مزار مملکت ایران میں ایک سر بلند عمارت کی صورت میں زیارت گاہ خلق ہے امام حسنؑ کی اولاد میں تھے اور صرف چار پشت کا فاصلہ تھا عبد العظیم بن عبداللہ بن علی بن حسن بن زید بن حسن بن علی ابن ابی طالب۔ ظالم حکومت کے خوف سے آوارہ وطن ہوئے۔ ان کی پُر درد حالت کو شیخ عباس قمی علیہ الرحمہ المتوفی ۱۳۵۹ھ حسب ذیل الفاظ میں ظاہر فرماتے ہیں:

در رجال (۱) کشی نجاشی است کہ حضرت عبد العظیم از سلطان

---

(۱) مفاتیح الجنان ص ۱۰۷ طبع نجف اشرف ۱۳۷۵ھ

زماں خویش ترسید و گریخت و در شہر ہا گردش می کرد بعنوان آنکه قاصد و پیک است تابرے آمد مخفی شد در ساربانان و عبادت خدا می کرد وروزہا روزہ می داشت و شب ہا نماز بہ ایستاد و حتیٰ برحمت الٰہی واصل گشت چوں اور ابرہنہ کرد مذکہ غسل بد ہند در جیبش رقعہ یافتند کہ در آ نجا نسب شریف خود نوشتہ۔

بادشاہ کے خوف سے بھاگے اور شہروں میں پھرتے رہے چٹھی رساں کی صورت میں یہاں تک کہ رے میں داخل ہوئے اور اونٹ والوں میں رہنے لگے۔

ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے
بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے

سفر میں بھی عبادت الٰہی ترک نہ کی دن کو روزہ رکھتے تھے راتیں نماز میں بسر ہوتی تھیں۔ اسی شغل میں مدت کے بعد بیمار پڑ کر انتقال کر گئے۔ وقت غسل جو کپڑے اتارے گئے تو جیب سے کاغذ برآمد ہو کر نام ونشان معلوم ہوا۔

یہ تھا فرقۂ شیعہ کی زندگی کا صرف ایک پہلو جس پر شروع میں مختصر طور پر اشارہ کیا گیا ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کا بہادرانہ پہلو ان کے شیعوں کے لئے مظلومانہ زندگی بسر کرنے کا درس تھا اور جن سے پہلے انبیاؑء کے مشکلات حل کئے جس کی ذاتی کمالات پر امم سابقہ کی آواز ہے۔

هو الّذی ایّده الله به النبیین سرّاً و ایّد به محمداً جهراً۔(۱)

یہ وہ ذات ہے جس نے ہمیشہ انبیاء کی نصرت در پردہ کی اور پیغمبر اسلام کی تائید میں وہ ظاہر بظاہر آیا۔

---

(۱) مدینۃ المعاجز ص؟ طبع ایران۔

مجنون بن کر زندگی بسر کرنا

روشن دلوں کو بادِ حوادث سے کیا گزند
صر صر سے گُل ہوا نہ چراغ آفتاب کا

دیوانہ بن کر زندگی بسر کرنا

ایک سخت باب ہے جس کو پردۂ خفا میں رکھنا تاریخی خیانت ہے، یہ ذکر اس ظلم آفریں دور کا ہے جب متوکل نے مظلومؑ کربلا کی قبر مطہر کو دریا کاٹ کے بے نشان کر دینا چاہا اور جو زیارت حسینؑ کا ارادہ کرے اس کے قتل عام کا حکم دیا۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ المتوفی ۱۱۱۱ھ تحریر فرماتے ہیں:

(۱) ایں خبر به(۵) زید مجنون رسید که شیعه بود برائے مصلحت وقت اظہار دیوانگی میکرد که ہر سخنے حقی که خواہد بگوید و کسی معترض او نشود و از استماع ایں خبر بسیار محزون گردید دراں وقت در مصر بود و از آنجا متوجه زیارت آنحضرت شد بادیده گریاں و دل بریاں چوں بکوفه رسید بہلول دانا را درآں جادید و نیز در کمال و دانائی بود برائے اختیار دین حق از شر مخالفان در پناه دیوانگی گریخته بود۔

(جلاء العیون)

ترجمہ: جب یہ خبر زید مجنون کو پہنچی وہ چونکہ شیعہ مومن تھے اور مصلحتاً دیوانگی کرتے تھے کہ ہر سخن حق کہہ دیا کریں اور کوئی ان کا معترض نہ ہو سکے اس خبر کے سننے سے بہت محزون و غمگین ہوئے اور اس وقت آپ مصر میں تھے پس وہاں سے بادیدۂ گریاں و دل بریاں متوجہ زیارت قبر شریف امام حسینؑ ہوئے جب کوفہ میں پہنچے بہلول دانا کو وہاں دیکھا اور یہ بھی عقیل و دانائے کامل تھے۔ دین حق کی حفاظت اور شرارت و ایذا رسانی مخالفین سے پناہ میں رہنے کے لئے بظاہر دیوانگی اختیار کی تھی۔(۱)

(۲) ملا محمد رفیع واعظ تحریر کرتے ہیں:

بعضی دیوانگی بہلول را بدیں وجه نوشته اند که ہارون الرشید لعین برائے حفظ ملک شوم خود دائم درمقام دفع حضرت امام موسیٰ کاظم بود پیوسته در کمین قتل آن سالار دین نشسته جستجوئے بہانه می نمود تا آن که حضرت را بداعیه خروج متہم ساخته از مفتیاں آں زمان که یکے از انجمله بہلول بود براباحت قتل آں حضرت استفاده نمود۔ دیگراں فتویٰ داد ند، بہلول بخدمت امامؑ رفته واقعۂ عرض نمود ودراں باب استدعائے چاره و سوال طریق مفرے نمود آں حضرت فرمود که بر دیوانگی زن و خود را گسیخته مہار بے وقار دانا بہلول به تعلیم وارشاد امام واجب الانقیاد علیه السلام بر کوچۂ دیوانگی زده خود راازغرقاب ہلاک بساحل نجات رسانید۔ (۱)

ترجمہ: بعض مؤرخین نے بہلول کی دیوانگی کا یہ سبب بتایا ہے کہ ہارون رشید اپنی سلطنت کی حفاظت کے لئے ہمیشہ امام موسیٰ کاظمؑ کے روحانی اقتدار سے بچنے کی فکر میں رہا اور آپ کے قتل کا بہانا ڈھونڈھتا رہا یہاں تک کہ حکومت پر خروج کا الزام عائد کر کے اس زمانہ کے فتوی دینے والے عالموں سے امام کے قتل کی اجازت حاصل کی اور بہلول بھی اس زمانہ کے عالموں میں تھے۔ انہوں نے باطل کی حمایت سے پہلے امام ہفتم سے حالات بیان کیئے اور آپ نے فرمایا مجنون ہو جاؤ اس صورت سے ان کا فتویٰ قابل اعتماد نہ رہا اور وہ اپنے تئیں بحر ہلاکت میں ڈوبنے سے بچا کر ساحل نجات تک پہنچ گئے۔

---

(۱) الدمع التہون ترجمہ جلد دوم مطبع جعفری ص ۲۲۴

ابوہذیل علاف کا ایک مجنون سے مکالمہ:

یہ فرقۂ معتزلہ کا ایک نمودار شخص ہے جس کو اہل علم نے شیخ المعتزلہ کی لفظ سے یاد کیا ہے۔ان کا بھانجہ ابواسحق ابراہیم بن یسار بھی (۲) نمودار شخص ہے۔

اثبات مطلوب میں یہ تیسرا شاہد ہے جس کے پیش کرنے سے پہلے قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہیئے کہ زید اور بہلول کے وقت تک تو نام نہاد اسلامی حکومت کا یہ رویہ تھا کہ ان دونوں کو آزاد رکھا مگر مامون کا وہ دور جس کو سنّیت نواز طبقہ نے علمی دور اور سیاسی ارتقا کا عہد قرار دیا ہے اس ظالم حکومت میں پاگل بھی سزایاب ہوتے تھے۔

مندرجۂ ذیل واقعہ اسلامی تاریخ کا ایک ظلم پرور واقعہ ہے جس کے صرف ترجمہ پر اکتفا مناسب معلوم ہوتی ہے علم دوست افراد اصل کتاب سے مطابق کرلیں اور یہ فیصلہ کریں کہ فرقہ شیعہ نے کس طرح اپنے مقصد کو محفوظ رکھا۔ابو ہذیل علاف کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے مامون کے ہمراہ رقہ کا سفر کیا۔

دریائے فرات ہماری کشتی کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے راستہ طے کر رہا تھا کہ اتفاق سے ہم ایک دیر کے قریب ہو کے گذرے۔لوگوں نے ہم سے کہا کہ اس دیر میں ایک پاگل ہے جس کی باتیں عاقلانہ اور حکمت آمیز ہوتی ہیں۔

مجھے اس سے ملنے کا شوق پیدا ہوا اور میں قریب گیا۔میں نے دیکھا کہ ایک پاکیزہ اور وجیہ شخص ہے جس کی زبان میں فصاحت کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور وہ مقیّد و اسیر ہے۔میں نے جب اسے دیکھا تو سلسلۂ کلام یوں شروع ہوا:

---

(۱) ص ۱۴۳ ابواب الجنان طبع نولکشور جلد اول۔

(۲) اوائل المقالات ص ۱۲۱ طبع تبریز۔

علاف: سلامٌ علیکم۔

پاگل: علیکم السّلام۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم اس شہر رقہ کے بے وقوف اور کم عقل باشندوں سے نہیں ہو۔

علاف: ہاں ایسا ہی ہے میں عراق کا رہنے والا ہوں۔

پاگل: میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں لہذا جو کچھ کہتا ہوں اسے بغور سنیئے۔

علاف: کہیئے میں تیار ہوں۔

پاگل: مجھے یہ بتایئے کہ رسولؐ نے (اپنی خلافت کے متعلق) کوئی وصیت کی تھی؟

علاف: ایسا تو نہیں ہوا۔

پاگل: پھر حضرت ابوبکر صاحب بغیر ان کی وصیّت کے جانشین کیونکر ہو گئے؟

علاف۔: یوں جانشین ہوئے کہ مہاجرین و انصار نے ان کو اس منصب کے لئے اختیار کیا اور لوگ اس پر راضی ہو گئے۔

پاگل: مہاجرین نے کب اجازت دی۔ زبیر بن عوام اور عباس نے تو یہ کہا کہ ہم سوا علیؑ کے کسی ایک کی بھی بیعت نہ کریں گے۔ رہ گئے انصار، یہ کہتے تھے (اگر یوں ہی ہے) تو ایک شخص ہم میں سے امیر ہو اور ایک تم میں سے اور یوم سقیفہ سعد بن عباد کے لئے یہ امر انصار کی طرف سے چاہا گیا۔ جس پر حضرت عمر نے کہا کہ ''سعد کو قتل کر ڈالو خدا اسے قتل کرے۔'' رہ گئے لوگوں کی رضا، یہ تم کیونکر کہتے ہو لوگ اس انتخاب پر راضی ہوئے، حالانکہ سلمان فارسی کہہ رہے تھے کہ ''کردید و ناکردید'' تم نے کیا جو کچھ کیا اور جو کچھ بھی نہ کیا جس پر ان کی گردن کو ایذا پہنچائی گئی اور سنیے ابوسفیان (جو لوگوں میں داخل تھا) وہ بھی اس امر پر راضی نہ تھا جب ہی تو امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ بڑھایئے میں بیعت کرتا ہوں اور اگر کہئے تو ان لوگوں کے خلاف مدینہ پیدل اور سواروں سے بھر دوں۔ اس کے علاوہ بنو ہاشم نے چھ مہینہ تک ابوبکر کی بیعت نہیں کی، پھر نہ جب کل مہاجرین راضی تھے نہ انصار اور نہ لوگ اس پر

راضی تھے تو اجماع کہاں رہا۔

اس کے علاوہ جب حضرت ابوبکر کو منصب خلافت ملا تو انہوں نے خطبہ پڑھا اس میں حمد وثنا کی اور کہا کہ میں تم پر حاکم مقرر ہوا ہوں اور جانتا ہوں کہ تم سے بہتر نہیں پھر جب ایسا تھا تو فاضل پر مفضول کا تقدم کس عقل کے نزدیک جائز ہے؟

یوں ہی حضرت عمر تخت خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے کہا کاش میں ابوبکر کے سینہ کا بال ہوتا یعنی اس قول سے ان کی فضیلت ظاہر کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت ناگہانی تھی جس کے شر سے خدا نے امّت کو بچایا (یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں)۔

اس گفتگو کے بعد مجنوں نے ہر خلافت کے ابطال میں گفتگو شروع کی اور حضرت ام المومنین بی بی عائشہ کے بارے میں سوال کیا۔

مجنون۔: اچھا اب عائشہ کے متعلق بتایئے کہ یہ عثمان کے خلاف لوگوں کو ابھارتی اور (با علان) کہتی تھیں کہ نعثل کو قتل کر ڈالو خدا اسے قتل کرے (یا تو یہ رنگ تھا) اور جب حضرت علیؑ حاکم ہوئے تو یہ کہتی تھیں کہ کاش آسمان زمین پر پھٹ پڑتا اور ضبط کینہ نہ کر کے میدان جنگ میں طلحہ وزبیر کے ساتھ آگئیں باوجود اس کے کہ حکم الٰہی ''ازواج نبی اپنے گھروں میں بیٹھو اور جاہلیت کی زینت نہ اختیار کرو۔'' روک رہا تھا۔ جب حضرت عثمان قتل ہو گئے تو سلمان اور صحابہ حضرت علیؑ کی طرف دوڑ پڑے کہ ان کی بیعت کریں حضرت امیرؑ نے انکار کیا (قوم مصر ہوئی) اب ذرا مجھے بتایئے کہ کون سی خلافت مضبوط ہے جس میں سعد بن عبادہ سے حاضرین دست وگریبان ہوئے اور سلمان کی گردن میں چوٹ آئی یا وہ کہ جس میں لوگ خود دوڑتے ہوئے آئے۔

علاف کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں بالکل مبہوت اور متحیر ہو گیا اور مجھے کوئی جواب دیتے نہ بن پڑا بلکہ سکوت کے عالم میں کھڑا تھا کہ اس نے کہا:

مجنون: کم سے کم کتنے مال کو چوری میں ہاتھ کاٹ ڈالنے کا حکم ہے؟

علاف: چوتھائی دینار۔

مجنون: یہ جس کے ساتھ تم آئے ہو اس نے تمہیں کیا دیا۔

علاف: پانچ سو دینار۔

مجنون: اس حساب سے جس حساب سے کہ تم نے دینار لئے ہیں چاہیئے کہ تمہارا عضوعضو کاٹ ڈالا جائے۔

علاف: کیوں؟

مجنون: اس لئے کہ تم نے مسلمانوں کے مال کی چوری کی۔

علاف: مجھے تو خلیفہ نے دیا ہے اور اپنے مال سے دیا ہے۔

مجنون: خلیفہ کے پاس کہاں سے آیا۔ مال خدا کا ہے اور سارے مسلمانوں کا۔ خدا کی قسم وہ دوا جو پاگل پن کے دفع کرنے کے لئے مجھے سنگھائی جاتی ہے وہ تم ایسوں کو سنگھائی جانا چاہیئے اور یہ قید جو میرے لئے ہے تمہارے لئے ہونا چاہیئے کیونکہ دراصل مجنون تم ہو۔

علاف یہ گفتگو سن کر وہاں سے چلے آئے (۱) اور مدتوں خجالت نہ گئی۔

افسوس کہ مخاطب کا تو صفحۂ تاریخ پر نام موجود ہے مگر متکلم کا نام پردۂ خفا میں ہے اور صرف مجنون کہہ کر اس کی حکیمانہ گفتگو درج کی ہے۔ زید مجنون ہوں یا بہلول دانا یا خود یہ مرد عاقل، اس کی تسکین کے لئے کافی ہے کہ ناقدر شناس دنیا فخر کائنات رسولؐ کو مجنون کہتی تھی اور حضرت امیرؑ کی شان میں بھی اس صفت کا پایا جانا راویان حدیث ظاہر کرتے ہیں رسولؐ نے فرمایا ہے:

لا تسبّوا علیاً فانّه مموس فی ذات الله۔

''علیؑ کو برا نہ کہو وہ معرفت الٰہی میں ازخود رفتہ ہیں۔''

یہ روایت حلیۃ الاولیاء اور فردوس الاخبار کتب اہل سنت کی ہے۔

---

(۱) تذکرہ ابن جوزی المتوفی ۶۵۴ھ خواص الامہ طبع طہران ص ۶۴۔

حفاظت کا ایک غیبی سامان

ملّت جعفریہ کا پرخطر دور

الدّنیا سجن للمومن و جنّة للکافر

ظلم و ستم کی چمکتی ہوئی بجلیوں میں فرقہ شیعہ کو زمانہ دراز جیل میں گزرا اور وہ زندان، جس کی تاریکی ظلمت قبر کو یاد دلاتی تھی جہاں کا ہر گھنٹہ موت کی تصویر تھا مگر قیدیوں نے خدا کی یاد نہ چھوڑی۔

دل دہلتے نہیں زنداں میں گرفتاروں کے
بیڑیاں ڈھونڈھتی ہیں پاؤں وفاداروں کے

کتنے نفوس، رشتۂ حیات قطع کر کے نکلے۔ کتنوں کی بیڑیاں مرنے کے بعد کاٹی گئیں۔ رضی الملّة والدین جمال العارفین سید علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن محمد الطاؤس العلوی الفاطمی المتوفی ۶۶۴ھ تحریر فرماتے ہیں:

اسر (۱) رجل بأرض الروم فقام فی اٰخر اللّیل فصلّی رکعتین ثم دعی فبعث الله عزّ و جل له ملکا حتّی صیرہ فی حیاته مع رفقائه۔

شخصے در زمین روم اسیر شدہ بود پس برخواست در آخر شب دو رکعت نماز کرد و دعا خواند پس فرستاد خداوند ملکی را تا آنکہ برداشت او را و فرود آورد او را نزد رفقائے او۔

سید علیہ الرحمہ کی دوسری کتاب مجتبیٰ میں کمیل بن مسعود زاہد طرسوسی کے بیان میں ہے کہ اس رومی شیعہ کی ۳۰ سال قید سخت کا ذکر ہے اور یہ زیادہ ہے کہ مرد شیعہ نے منّت مانی تھی کہ اگر

---

(۱) نہج الدعوات و نہج الغایات طبع بمبئی ص ۲۷۱

میں قید سے رہا ہوا تو پیادہ حج کروں گا رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک سفید پرند قید خانہ کی دیوار پر بیٹھا ہے اور بزبان فصیح دعا پڑھ رہا ہے قیدی نے عالم رویا میں دعا یاد کرلی اور اس دعا کی تلاوت سے تیسرے دن قید سے رہا ہو گیا دونوں دعاؤں میں کافی اختلاف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ دو شخصوں کا ہے۔ موخرالذکر دعا کو دعائے طائر رومی سے دعا کی قدیم اور معتبر مصادر میں یاد کیا ہے۔ مصباح کفعمی اور ظہیر الاجین وامان الخائفین میں یہ واقعہ من وعن موجود ہے اور قیدی نے اپنی دعا میں جہاں حضرت موسیٰؑ کا ذکر کیا ہے اس محل پر تابعین موسیٰ کو شیعہ کی لفظ سے یاد کیا ہے:

انت الّذی فلقت البحر لبنی اسرائیل حین ضربه موسیٰ بعصاه فانفلق فکان کالطود العظ حتیٰ مشی علیه و شیعتهٗ

تو وہ ہے جس نے دریا کو بنی اسرائیل کے لئے شگافتہ کیا، جبکہ موسیٰؑ نے اپنا عصا دریا پر مارا اور دریا پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ گو یا ہر ٹکڑا ایک پہاڑ تھا یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ اور ان کے شیعہ گزر گئے۔ (جنۃ الواقیہ)

پہلی صدی ہجری

۶۲۲ء سے ۷۱۸ء تک

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہجرت رسولؐ سے پہلے مسلمانوں کو شیعیت کا تعارف ہو چکا تھا اور جہاں رسولؐ پر وطن کا ماحول سخت ثابت ہوا وہاں گروہ شیعہ بھی کفار قریش اور حسد پرور مسلمانوں دوز بردست طاقت کا شکار ہوا اور ذات پیغمبرؐ کے ترک وطن کے بعد اس جماعت کو بھی اپنا دیس چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ لہذا اس زندگانی سے قطع نگاہ کرنے کے بعد جو تشیع نے مکّہ میں حاصل کی تھی آپ سے آپ سنہ ہجری شروع ہونے پر تاریخ شیعہ کا پہلا دور قرار دینا پڑتا ہے۔ قانون اسلام تمام دنیا کے مذاہب سے کامل تر ہے اور جملہ ضروریات زندگی پر حاوی ہے کوئی چھوٹی اور بڑی ضرورت باقی نہیں ہے جس پر کتاب اور سنّت نے تبصرہ نہ کیا ہو وہ فرقہ جو

مظلوم زندگی بسر کرنے والا ہو اس کے لئے سب سے زیادہ جس قانون کی ضرورت تھی وہ اظہار ظلم کی اجازت، نوحہ وشیون کا حکم۔ مصیبت کے مواقع پر تعزیت انسانی فریضہ ہے یا نہیں۔ ان مسائل پر پیغمبرؐ خدا نے اپنی عمر شریف میں زیادہ سے زیادہ بحث کی اور جو دلیل و برہان حکمت آفریں احادیث میں ودیعت فرمائے وہ قوانین معاش ومعاد (شریعت) کی طرح بہت ضروری تھے۔ حق و باطل کا فیصلہ ظالم ومظلوم کی شناخت مستقبل میں اسی پر موقوف تھی۔ چنانچہ مرنے والوں پر گریہ اسلامی شخصیت کے مفقود ہونے پر اشک بار ہونا حضرت عثمان بن مظعون علیہ الرحمہ کی رحلت سے ثابت ہو چکا تھا اور پسماندگان سے اس فطری حق کو مرسل نے سلب نہیں کیا بلکہ پیکر رحمت ہونے کا تقاضہ تھا کہ وہ معزز اصحاب کی موت پر اظہار غم والم فرمائیں اور صحابیت سے بلند شخصیتوں مثلاً حضرت حمزہ اور جعفر طیارؓ کی جگر پاش شہادت پر رسم تعزیت کی بنیادیں مستحکم کر جائیں سردار جوانان جناں امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہما السلام کی خبر شہادت پر نبوی تاثرات مسلمانوں کے لئے اسوۂ حسنہ ہوئے بلکہ پہلا:

تعزیہ

کربلا کی مقدس زمین کے ذرات دست عصمت سے باعجاز سمیٹ کر حضرت ام سلمہؓ کو دئے گئے اور تعزیہ رسولؐ کے ہاتھ سے انہیں کے گھر میں رکھا گیا۔ دنیا نے تدریجی ترقی کی اور ہر کامل نمونہ اپنے آغاز میں نہ صرف ناقص بلکہ ایک خاکہ سمجھا جاتا ہے ہزار برس پہلے انسان پہاڑیوں کے درّوں میں رہتا تھا اور اب بلند قصر خوبصورت عمارتوں میں فروکش ہے صدہا برس پہلے کاغذ کیسا ہوتا تھا۔ بنا ہوا کپڑا کس شان کا تھا وغیرہ وغیرہ۔

حضرت ام سلمہ نے جو ام المومنین تھیں شیشہ میں (۱) اس مٹی کو رکھ کر کم وبیش پچاس سال حفاظت کی۔ یہ تعزیہ، ضریح کا پہلا ڈھانچہ تھا جس کی بنیاد میں وہ دست مبارک شریک تھا جس کو

---

(۱) احمد ابونعیم بیہقی وغیرہ علماء اہل سنت نے اعتراف کیا ہے ینابیع المودۃ ص ۳۱۹ طبع استنبول میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

قرآن حکیم نے مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (سورۂ انفال آیت ۱۷) کی ابدی عزت دی ہے۔ عہد رسولؐ میں رونے والوں کو نہ کسی نے روکا نہ تعزیت میں کسی نے عذر کیا۔ جعفر طیار کی حاضری (۱) بیت اشرف رسالت سے مکمل اندوہ کے ساتھ بیوہ عورت اور یتیم بچوں تک لائی گئی اور شیعہ شادی اور غم کے مواقع میں رسالتؐ کے زیر سایہ شاندار زندگی بسر کرتے رہے اور بدر سے حنین تک شیعیت عروج حاصل کرتی رہی تشیع کا آخری فروغ اسامہ (۲) کی علمداری تھی جس کو باطل نے نظر عناد سے دیکھا۔ ۱۱ھ ۲۸ر صفر وہ قیامت خیز دن تھا کہ چراغ ہدایت ورسالت گل ہوا اور آپ کی بیبیوں میں سے دو عورتوں کے زہر دینے پر کئی روز کے تیز بخار میں وفات واقع ہوئی اور آخری لمحات زندگی میں بھی آپ اہلبیتؑ کو اپنا سرمایۂ زندگی ظاہر فرماتے رہے اور بستر مرض پر صاف الفاظ میں فرمادیا کہ قرآن وعترت دو چیزیں ہیں جن سے وابستہ ہونا گمراہی سے بچائے گا اگر ان کا ساتھ چھوٹا تو قعر ضلالت ہے۔ تشیع نے ۱۱ر برس تک کسی قدر آرام وآسائش کی سانس لے کر فروغ حاصل کیا۔ وفات نبیؐ کے بعد تشیع کا سب سے بڑا پشت وپناہ نہ رہا اور راحت ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئی۔ رسولؐ عربی کی وفات سے پہلے غدیر میں اعلان خلافت اور تکمیل دین ہو چکی تھی مگر کچھ شورش پسند مسلمانوں نے ایک جگہ جمع ہو کر رسولؐ کے دفن وکفن سے پہلے اپنا (۳) خلیفہ خود بنالیا اور آپس کے کافی اختلاف کے بعد خلافت رسولؐ کا محترم منصب غیروں کے پاس پہنچ گیا۔ اس دست تعدّی کا خاتون جناں کو بہت زیادہ صدمہ تھا اور رسول زادی نے باپ کے غم میں ہمہ وقت گریہ وبکا کے سوا باقی حصۂ زندگانی میں صرف ایک مرتبہ تبسّم فرمایا جب:

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح طبع بمبئی ۱۲۷۱ھ ص۱۹۹ از شیخ ولی الدین محمد ابن عبداللہ الخطیب التبریزی۔

(۲) بلوغ المرام من اولۃ الاحکام قاضی ابوالفضل احمد بن علی بن محمد کفائی عسقلانی مہری المعروف بہ حافظ ابن حجر ص ۱۴۴ طبع بھوپال ۱۲۹۶ھ۔

(۳) حیات القلوب ج ۲ ص ۶۶ طبع نول کشور ۱۸۸۳ء معالم زلفے طبع ایران ص ۱۰۰۔

شبیہ تابوت

اسلام کی معزز خاتون اسماء بنت عمیس(۱) کے ہاتھ سے بن کر تیار ہوئی آپ کو اپنی وفات کا یقین تھا اور چاہتی تھیں کہ عام عورتوں کی طرح جنازہ اٹھایا نہ جائے اسماء نے نقل تابوت بنا کر پیش کی اور وہ معصومہ مسکرائیں بضعۃ الرسولؐ کی استحسان آمیز نگاہ رضاء باری کے مترادف تھی اور آنے والی نسلوں کو بتا دیا کہ شبیہہ تابوت بنانا بدعت نہیں ہے۔ حضرت فاطمہؑ(۱۴) کی وفات قنفذ غلام کی ضرب سے واقع ہوئی اور یہ خلافت اوّل کا سب سے بڑا حادثہ ہے۔ یہ وہ حقائق ہیں جس پر کتب کلام میں اہل قلم نے دفتر سیاہ کر دیئے ہیں۔ مالک(۱۵) بن نویرہ بے گناہ کا قتل اور حکومت کا دست ظلم حدیث ساز جماعت کا آل رسولؐ کے خلاف حدیثیں گڑھنے میں مصروف ہونا نا قابل انکار واقعات ہیں۔ اسی طرح عہد اول گزرا اور خلیفۂ وقت نے اپنے اقتدار سے فائدہ اٹھا کر مرتے وقت دوسرے شخص کو خود نامزد کیا اور خلافت ثانی کی بنیاد قائم ہوئی مگر ہر دو عہد میں مسلمانوں کی اکثریت نے بار بار مشاہدہ کیا کہ سخت اوقات علمی اختلافات شرعی مسائل وغیرہ میں خلفاء کی جبین نیاز باب مدینۃ العلم کے روبرو خم ہوتی تھی۔۔۔۔۔۔۔

فن تاریخ کی تاسیس

جب ہوئی اس میں(۱۷) بھی امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کا حکم کارفرما ہوا مسلمان چاہتے تھے کہ اسلامی سن وفات رسولؐ یا بعثت سے شروع ہو آپ نے ہجرت سے ابتدا کئے جانے کا مشورہ دیا اور بلا اختلاف(۲) اسلامیان عصر نے اس کو پسند کیا تاریخ وسیر پر علوی احسان ہے جو ۱۷ھ میں ہوا اسی طرح جو فتوحات ہوئے اس میں تین بنی ہاشم کے جوان

---

(۱) تفسیر بحر محیط ص ۷ ۲۴ ج ۷

(۲) نصیر اللغات ترجمہ اردو غیاث اللغات از نصیر الدین احمد بن شمس الدین مالوی ص ۱۶۱ کالم ۴ سطر ۳۲ چاپ ۱۸۸۹ء نولکشور اڈیشن دوم (۳) فتوحات بہار

شریک تھے اور ان کی شجاعت نے عرب سے عجم تک داد حاصل کی۔ اس کے بعد تیسری خلافت بعض مسلمانوں کے شورائی سے تیار ہوئی اس پر بھی عام مسلمانوں کا اتفاق نہ تھا۔

اگر سب ایک دل ہوتے تو مسلمانوں ہی کی خانہ جنگی میں عثمان بن عفان قتل نہ ہوتے انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو نمایاں عہدوں پر سرفراز کیا۔ عزیزوں کو فروغ دیا۔ اہل قبیلہ کی غیر معمولی قدر کی، جس کی وجہ سے ہمہ گیر مخالفت شروع ہوگئ آپس کی سازش اور خفیہ ریشہ دوانیاں دیکھ کر داغ کا یہ شعر یاد آتا ہے ۔

دیکھنا رشک اس کی محفل میں
ایک کو ایک کھائے جاتا ہے

تیسری خلافت ختم ہونے پر ١٩/ذی الحجہ ٣٨ھ وہ برکت آفریں تاریخ تھی کہ عام مسلمانوں نے جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ سے بیعت کرلی صرف اولاد ابوسفیان نے جن کے ہاتھ میں شام کی عنان حکومت تھی خلافت برحق سے انکار کیا اور دمشق کا خزانۂ عامرہ وقار مذہب کے ختم کر دینے کے لئے وقف ہوا۔ اموی سازشیں رنگ لائیں اور مسلمانوں سے امن وامان رخصت ہوگیا صفین (٢٠) اور جمل (٢١) کی لڑائیاں ارض اسلام کو خون سے رنگین کرتی رہیں ایک اور گروہ خوارج کی صورت میں برسر پیکار ہوا اور نہروان (٢٢) میں ایک سخت لڑائی ہوئی اس کے علاوہ معاویہ کی طرف سے جو چھوٹے چھوٹے حملے اہل ایمان پر ہوتے رہے ان کا شمار نہیں حضرت (٢٣) علیؑ کے والی عبیداللہ ابن عباس پر چڑھائی ہوئی وہ یمن چھوڑ دینے پر مجبور ہوئے بسر نامی ایک ظالم نے ان کے کمسن لڑکوں کو ماں (١) کے سامنے ذبح کر دیا اور مسلمان عورتوں کو کفار کی لونڈی بنایا۔ آخر کار ٤٠ھ ٢١/ماہ صیام کو حضرت (٢٤) امیر المومنینؑ شہید ہوگئے ابوالائمہ کی وفات عبدالرحمن ابن ملجم مرادی کی تلوار سے ٹھیک نماز کی حالت

---

(١) جریدۂ نگار لکھنؤ بابت (مئی ١٩٥٥ء ص ١٣ بحوالہ اسد الغابہ۔

اور مسجد کوفہ میں واقع ہوئی اور آپ کو دشمنوں کے خوف میں آبادی سے بہت دور نجف کے ریگزار میں دفن کر دیا۔ مولا خود تو سپرد خاک ہو گئے مگر ان کے پرزور خطبات، زرّیں مقولے، حکمت آفریں نصیحتیں قوم عرب کے سینوں میں رہ گئیں معاویہ کی کوششوں سے جماعتی اختلاف نے جو بے اعتمادی پیدا کر دی وہ عام مسلمانوں کے لئے سم قاتل اور اسلامی یک جہتی کے لئے زہریلی ہوا اور ملک کی ترقی کے لئے دشمن جان تھی۔ ان حالات میں بھی اندازہ تھا کہ ظلم روز بروز بڑھتا جائے گا اور جب تک ایک ایک بچہ بھی آل رسولؐ میں باقی ہے مشق ستم جاری رہے گی۔ ان صورتوں میں حضرت علیؑ کے جانشین اور مسلمانوں کے دوسرے امام کو کیونکر زندگی بسر کرنا چاہیئے۔

ایں سخن چہ جواب ست تو ہم میدانی

امامت حسنؑ کا اساس صبر وسکون اور خاموشی گوشہ نشینی ہوتا تو کیا چارہ تھا حکومت شام کے ایما سے حضرت علیؑ پر جو تبرّا ہوتا تھا اس نے اور زیادہ زور پکڑا اور امام حسنؑ قوم کے جمود عنصر وفا کے فقدان سے مرکز آلام قرار پا گئے اور آپ نے چند شرائط پر جس میں حقوق ذاتی کا تحفظ تھا صلح کر لی، مگر افسوس ہے کہ معاہدہ کی کسی شرط کو پورا نہیں کیا گیا اور مصالحہ کا عدم و وجود برابر ہو کر آپ کی بی بی جعدہ کی وساطت سے ۵۰ھ ۲۸ / صفر کو آپ کی بھی شہادت واقع ہوئی اور مروان کے حکم امتناعی سے آپ روضۂ رسولؐ میں دفن ہونے نہیں پائے جنازہ پر تیر برسائے گئے معاویہ کی سیہ کاری نے اصحاب علیؑ کو بھی زندہ نہ چھوڑا اور تشیع کے سر برآوردہ عناصر چن چن کر قتل کئے جانے لگے۔ حجر بن عدی (۲۶) میثم تمّار (۲۷) کا سولی دیا جانا عمر بن حمق خزاعی (۲۸) کا سر کاٹ کے نیزہ پر بلند کرنا وہ مظالم ہیں جو پردۂ خفا میں رہ نہیں سکے اس جبر و استبداد کے بعد ظالم حکومت کی نظریں صرف حسینؑ ابن علیؑ پر تھیں۔ بھلا اولاد ابوسفیان ان کو چین سے کہاں رہنے دیتی۔ معاویہ ہلاک ہوا اور یزید (۲۹) ایسے بے دین کو اسلامی حکومت تفویض ہوئی۔
۶۰ھ گزرنے پر بنی امیہ نے اپنی بے پناہ طاقت سے پیغمبرؐ کے پورے گھرانے کو کربلا میں

مہمان بلا کر تین دن کا بھوکا پیاسا (۳۰) ذبح کر دیا۔ مظلوم کربلا روحی فداہ نے اپنے رجز میں شیعیت کو غیر فانی عزت دی اور فرمایا ہے۔

شیعتنا فی النّاس اکرمہ شیعة
و مبغضا یوم القیمة یخسر

تمام انسانوں میں ہمارے شیعہ کریم ہیں اور ہم سے کینے رکھنے والے روز قیامت نقصان میں رہیں گے۔

زیارت

عرب میں قدیم قاعدہ تھا کہ اگر کسی بے گناہ مقتول کی لاش کا طواف کیا جائے تو اس کی مرادیں پوری ہوتی تھیں شہداء کربلاؑ کی زیارت دفن سے پہلے شروع ہوگئ اور چار سو عورتیں (۱) ان پاکیزہ جسموں کی زیارت کر کے صاحب اولاد ہوئیں۔ شہادت حسینؑ کے بعد عورتیں (۲۶) اسیر ہوئیں کوفہ اور دمشق کے جلیل ان روحانی نفوس سے آباد ہوئے۔ نا معلوم مدت تک قید رہ کر جب رہا ہوئے تو ان حضرات نے یزید کے پایۂ تخت میں کسی اسلامی مقصد کی ادائگی کا ارادہ نہیں کیا ضرورت محسوس کی تو:

مجالس

کی یہ وہی مقدس لفظ ہے جو بزم رسولؐ کے لئے **تفسّحوا فی المجالس** کی لفظ سے استعمال ہوئی تھی اور زبان عصمت پر بار بار جاری ہوئی عہد رسالتؐ میں اسکا انعقاد محتاج ثبوت نہیں ہے۔ امام حسینؑ کی حقیقی بہن اور بزرگ خاندان حضرت زینبؑ نے اسلامی مملکت کے بازاروں میں جو زلزلہ افگن خطبات پڑھے تھے اس مقصد کو یزید کی راجدھانی میں پھر دوہرایا۔

---

(۱) موعظۂ تاج العلماء علیہ رحمہ ص ۱۱۔

شہادت امام حسینؑ نے تشیع کے مردہ جسم میں ایک حرکت پیدا نہیں کی بلکہ روح دوڑا دی اور

وہ عنصر شیعہ جو کربلا کے چٹیل میدان میں بے دفن وکفن پڑا رہا، اس کی تدفین با عجاز امام زین العابدینؑ کے ہاتھ سے ہوئی۔

یہ وہ وقت ہے کہ تشیع کل کا کل ختم کر دیا گیا جابر انصاری رسولؐ کے صحابی نابینا ہونے سے گوشہ نشین رہے۔ ان سے حکومت کو کوئی خطرہ نہ تھا، یا چند دوستدار وہ تھے جو پا بزنجیر تنگ و تاریک قید خانوں میں پہلے ہی بھیج دیئے گئے اور ان کو شہادت حسینؑ کی خبر نہ تھی۔ ان سے قطع نظر کرنے کے بعد سارا علم مرتد تھا اور وہی فتنۂ ارتداد تھا جو رحلت رسولؐ کے بعد سامنے آیا اور گنتی کے شیعہ اس قابل نہ تھے جو روئے زمین پر باقی رہ سکتے حق کا صرف ایک ترجمان حضرت امام زین العابدینؑ قتل سے باقی رہا یہی مظلومیت رفتہ وحال کا خاموش گواہ تھا۔ اس کو بھی باقی رکھا اور اس کا کلام صحیفۂ کاملہ بھی باقی رہا۔

نوحہ خوانی

ایک طبقہ وہ ہے جو اہل حرم کے افعال کو مذہب کی روشنی میں دیکھتا ہے اور ہم آنحضرتؐ کے عمل کی روشنی میں آئین مذہب کو دیکھتے ہیں۔ مدینہ رسولؐ میں داخل ہوتے وقت ام کلثوم نے نوحہ پڑھ کر عورتوں کو ماتم داری میں اپنی آواز بلند کرنے کا حق دیا۔

خون حسینؑ کا انتقام

عرب میں عموماً قتل ہو جانے کے بعد اس کا عزیز قریب انتقام کے لئے اٹھتا تھا مگر امام زین العابدینؑ نے خلاف عادت صبر کر کے خلق خدا سے سید الصابرین کا لقب حاصل کیا اور مشیت الٰہی نے مظلوموں کا ساتھ دیکر ان بہادروں کو قید سے رہا کیا جو عرصہ سے زنداں میں تھے یہ بکھرے ہوئے موتی پھر تسبیح فاطمہؑ بن کر منظم ہو گئے اور کوفہ کی علم خیز زمین سے ایک (۲۶) بہادر انسان جس کا نام مختار تھا اٹھا اور ابن زیاد اور یزید دونوں کی حیات کی ناؤ ڈگمگانے لگی اس نورانی ارادہ انسان نے اپنے تمام عزائم کی روشنی میں ساری خلقت کے دلوں کو موہ لیا۔

آفتاب انتقام کی شعاعوں نے کچھ ایسی بلا کی تعجب خیز گرمی دکھائی کہ قاتلان حسینؑ کو پھر چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ مظلوم کربلاؑ کے پسماندگان فکر انتقام کو خدا پر چھوڑ کر نوحہ وشیون میں مصروف رہے، جو ایک غمزدہ کا فطری حق ہے۔ انہوں نے بہترین شغل زندگی گریہ وبکا قرار دیا تھا۔ توکل کا یہ پھل ملا کہ بے گناہوں کے خون کا انتقام لینے کے لئے ایک بڑی ٹڈی دل فوج پرچم انتقام کے زیر سایہ جمع ہوگئی اور چار پانچ برس کی تھوڑی مدّت میں تمام قاتلان امام کو موت کی نیند سلا دیا۔ اس سپاہ کا ہر مرد میدان اپنے گزشتہ وقار کو ذہن نشین رکھتے ہوئے محو جنگ تھا ۔

لما دعی المختار للثار اقبلت

کتائب من اشیاع اٰل محمد

مختار نے جب خون شہیداں کا عوض لینے کو پکارا تو شیعوں کی فوجیں سمٹ کر بڑھنا شروع ہوئیں۔

اس وقت سے زیادہ خطرناک وقت مذہب پر نہیں آیا امن عرب سے رخصت ہو گیا تھا اور عراق وحجاز میں ہر طرف جنگ کے شعلہ بھڑک رہے تھے۔ واقعہ کربلا کے بعد یزیدیت میں سکون نہیں ہوا۔ رسولؐ کے وطن مقدس (۲۷) مدینہ طیبہ پر حملہ ہوا تین دن تک حرم نبی لٹتا رہا۔ رسولؐ کے سات (۱) سو صحابی قتل ہوئے ایک ہزار دوشیزہ لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی آخر میں خانۂ کعبہ پر حملہ ہوا اور منجنیق سے خدا کے گھر پر پتھر برسائے گئے۔ پوشش کعبہ آگ سے جلا دی۔ اس دور اضطراب پرور کو تاریخ اسلام میں واقعۂ حرّہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس جگر سوز سانحہ کے ۴۰ دن کے بعد:

۶۴ھ کو یزید ہلاک ہوا وہ پہلا شخص ہے جس نے قرآن مجید (۲۵) کو ۳۰ ٹکڑوں (۲) میں پارہ پارہ کیا اور مسلمانوں نے اس کی یادگار کو باقی رکھا یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ

---

(۱) ماہنامۂ نگار لکھنؤ بابت نومبر ۱۹۵۵ء ص ۱۲۰ تاریخ ابوالفداء وجذب القلوب وحجج الکرامہ

(۲) العوارف لکھنؤ بابت ماہ شوال ۱۳۳۰ھ

تخت نشین ہوا جس نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی آل محمدؐ کی حقیقت کا اعتراف کیا اور اپنی حق نوازی سے امویت کو زیر وزبر کر دیا اور مسلمانوں کے روبرو جو پہلا خطبہ پڑھا اس میں اعلان (۲۹) کیا کہ:

اس شخص کے دادا (۱) معاویہ نے خلافت میں اس ذات سے نزاع کی جو ان سے ہر طرح بہتر تھا۔ پیغمبرؐ خدا کی قرابت اور عظمت فضائل ایمان میں سابق ہونے کی وجہ سے۔

اس اعلان حق پر مسلمانوں کا مجمع بڑا برافروختہ ہوا معاویہ کے اتالیق عمر (۲) مقصوص پر الزام عائد کیا کہ تم نے اپنے شاگرد کو یہی تعلیم دی تھی اور یہی سکھایا تھا کہ خلافت سے دست بردار ہو جائے تم نے اس کو علیؑ اور اولاد علیؑ کی محبت سے آراستہ کیا۔ شیعہ اتالیق نے قسم کھا کر کہا کہ بخدا میں نے ایسا نہیں کیا اس کی سرشت میں محبت علیؑ داخل ہے۔

صد افسوس کہ اس بیان کو باور نہ کیا اور گرفتار کر کے عمر مقصوص (۳) کو زندہ دفن کر دیا اور وہ بے گناہ شہید ہو گئے۔ معاویہ نے مرقومۂ بالا جلسہ کے بعد مسلمانوں سے غیبت اختیار کی اور خانہ نشینی میں رحلت کی اقرار حق کے بعد وہ صرف ۴۰ دن (۳۰) زندہ رہا۔

تاریخ میں اس تاجدار کی زہر خورانی کو قول ضعیف قرار دیا ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ ایسے انصاف پسند کو مادی دنیا کیونکر زندہ رہنے دے سکتی ہے ۱۸ سال کی عمر عالم شباب میں یہ انصاف پرور موت (۳۱) کی نیند سلایا گیا۔

اشکے کہ راز عشق بگوید فشاندنی است
طفلے کہ خوش محاورہ افتد نماندنی است

---

(۱) حیواۃ الحیوان دمیری جلد اول طبع مصر ص ۵۲ مناظر المعائب شمس العلماء امداد امام ص ۷۳۔ (۲) حیات الحیوان ص ۵۳، ج ۱۔ (۳) منتخبات الفخری طبع فارس ص ۷ سنہ ۱۹۱۶۳ء۔

۶۷ھ ۱۵؍رمضان المبارک کو مختار بھی قتل ہو گئے مگر ان کا کارنامہ قیامت تک صفحۂ تاریخ پر باقی رہے گا۔ ۹۵ھ ۲۵؍محرم اس صدی کا آخری ظلم وفات (۳۳) امام زین العابدینؑ ہے آپ کی خاموش زندگی کو ولید بن عبدالملک

نے زہر دیکر ختم کر دیا۔ یہ ایک شخص کی موت نہ تھی بلکہ وہ چار سو(۱) گھر جہاں آپ کی طرف سے خورد ونوش کا انتظام تھا بے چراغ ہو گئے۔

اسی (۳۴) سال حجاج بن یوسف (۲) نے محمد بن قاسم کے ذریعہ ابن عطیہ کو حکم شاہی پہنچایا کہ وہ سبّ علیؑ کرے ورنہ چار سو کوڑے اور ڈاڑھی منڈوانے کی تکلیف برداشت کرے۔

دوسری صدی

۷۱۹ء سے ۸۱۵ء تک

یہ وہ دور ہے کہ کہنے کو تو پیغمبر اسلامؐ کی وفات کو دوسو برس ہو رہے تھے اور بادی النظر میں مرسل کے تبلیغی نقوش پرانے ہو چکے تھے مگر اولادِ رسولؐ میں اسلام کی نشر واشاعت کا جذبہ اور شیعوں میں مذہب حق سے وہی شغف رہا جو عہد رسالت میں تھا۔ اس صدی کے شروع میں عمر بن عبدالعزیز (۳۳) عہد معاویہ سے حضرت علیؑ پر (۳) جو تبرّا ہوا کرتا تھا اس کو اپنی طاقت سے روکا۔ اس صدی کا آغاز خلیفہ وقت کی انصاف پسندی اور مومن طاق کے دینی خدمات سے امید افزا تھا۔ یہ صدی امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے بہتے ہوئے علمی سمندر سے معمور رہی، لیکن ابوحنیفہ نے آئین مذہب کو مسخ کرنے میں ویسی ہی کوشش کی جیسا کہ ابوہریرہ نے خدائے قہار و جبار سے نہ ڈرتے ہوئے ہزاروں حدیثیں پیغمبرؐ کی طرف منسوب کر دیں۔ حدیث ساز کمیٹی میں شیعوں کے خلاف اس صدی میں بھی ایڑی چوٹی کا زور لگتا رہا مگر دین الٰہی اور مسلک تشیع کو کوئی طاقتور بگاڑ نہ سکا۔

---

(۱) صواعق محرقہ ص ۱۲۰ طبع مصر ۱۳۱۴ھ۔ (۲) حاشیۂ مقیاس المصابیح مخطوطات کتب خانہ ممتاز العلماءؒ۔ (۳) منتخبات الفخری ص ۴۴ مؤلفہ شمس العلماء ابونصر وحید ایم اے

اِسی صدی میں شہید نینوا (۳۴) حضرت سید الشہداءؑ روحی فداہ کی قبر مبارک پر کچھ آثار عمارت نظر آئے یہ فن تعمیر میں شیعوں کی پہلی داغ بیل تھی اس سرزمین پر۔

۱۱۴ھ ۷رذی الحجہ کو امام محمد باقرؑ ہشام بن عبدالملک کے زہر دینے سے شہید ہوئے اور جنت البقیع میں سپرد خاک ہوئے۔ واقعہ کربلا نے اس مٹھی بھر جماعت میں وہ روح عمل پیدا کر دی تھی کہ ہر شیعہ اپنے باب ماضی کو سوچ سوچ کر بہادر بن سکتا تھا اور تہور میں دوسرے مسلمانوں سے سبقت لے جانے کے قابل تھا۔

اس صدی کے نمایاں واقعات میں ایک اہم سانحہ یہ ہے مختار کی رحلت کے بعد بھی طبقہ شیعہ کے دل سے انتقام کا جذبہ دور نہیں ہوا اور اس فکر کو دلوں میں رہ جانا بھی چاہیئے تھا۔ اس لئے کہ شہید کربلاؑ ایسی بلند و بالا ہستیاں اگر ذبح ہوئیں تو ان کے جانوں کی دیت (خونبہا) وہ محدود طبقہ تھوڑی تھا جس کو مختار نے اور ان کے ساتھیوں نے قتل کیا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا حدود انتقام کے بارے میں یہ ارشاد ہے:

لکل دم الف الف دما(۱)

ولا یقصر قتل احزابها

ہر خون کے بدلہ ہزار ہزار جانیں ہوں گی اور (امام زمانؑ کے ہاتھ سے) ان کے گروہوں کے قتل میں کمی نہ کی جائے گی۔

امام مظلومؑ کے پوتے زید بن علی بن الحسینؑ نے:

۱۲۰ھ ۲رصفر کو حق کی حمایت کرتے ہوئے شہادت پائی۔ تاریخ میں ہے کہ اس (مجاہد) نے خون حسینؑ کے انتقام میں چڑھائی کی اور یوسف بن عمر ثقفی کے ہاتھ سے کوفہ میں شہید ہو گئے۔ (دیوان حضرت علیؑ۔ ص ۱۵ رمطبع نامی پریس ۱۳۰۱ھ) ان کی جان لینے میں ہشام بن عبد

---

(۱) دیوان حضرت علیؑ صفحہ ۱۵ مطبع نامی پریس ۱۳۰۱ھ

الملک بن مروان کا اشارہ تھا۔ چار برس یا دو سال ان کا جسم سولی پر رہا اور مکڑی نے جالا لگا کر (۱) پردہ رکھا۔

یہ اقدام جارحانہ نہ تھا۔ دنیاء اسلام امام زادہ کی دشمن ہو چکی تھی اور آپ جہاد سے پہلے ہشام کے قید خانہ میں اسیر بھی رہ چکے تھے۔ اگر تلوار نہ اٹھاتے جب بھی زندہ نہ رہ سکتے تھے۔ ان کا جہاد مدافعانہ تھا تاریخ میں یہ بھی ہے کہ کوفہ میں قتل کے بعد وہ دفن ت۔ کر دیئے گئے تھے۔ قبر سے نکال کر سولی دی گئی اور پھر ایک مدت کے بعد جسم شریف کو نذر آتش (۲) کر دیا اور خاکستر کو ہوا میں پراگندہ کر دیا مفتاح التاریخ میں ہم نے ان کا مفصل حال قلم بند کیا ہے۔ زیدی سادات انہیں کی نسل سے ہیں۔ منصور (۳۷) بن سلمہ بن زرقان تمیری نے اس صدی میں شہادت حسینؑ پر ایک مرثیہ (لامیہ) نظم کیا تھا۔ حکومت نے یہ سزا تجویز کی کہ گدّی سے زبان کھینچ کر ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے جائیں پھر بے دست و پا جسم کو سولی ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان کی لاش بھی جلا دی گئی۔

اس صدی میں محمد (۳۸) بن عبداللہ بن حسن کو مدینہ میں فروغ ہوا اور منصور دوانقی نے ان کے مقابلہ پر لشکر بھیجا اور ان کو قتل کیا اور ابراہیم (۳۹) برادر محمد کو بھی شہید کیا اور عبداللہ بن حسن کو مع ایک جماعت سادات مدینہ سے لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر عراق لے گیا۔

ان امام جعفر صادقؑ کا دودھ شریک بھائی (۴۰) داؤد بھی اسیر تھا اور ضعیف ماں کو کچھ خبر نہ تھی کہ کیا انجام ہوا۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ داؤد قتل ہو گئے اور بعض مخبروں کا بیان تھا کہ ان کو ان چچازاد بھائیوں کے ساتھ ظالموں نے زندہ دیوار میں چن دیا۔ اس الم ناک سرگزشت کو دریافت کر کے امام جعفر صادقؑ نے مادر داؤد کو (جو امام حسنؑ کی نسل سے تھیں)

---

(۱) حیات الحیوان دمیری ص ۱۳۴ ج ۲ طبع مصر و نور الاخبار فی تاریخ النبی والہ اطہار طبع بمبئی۔ (۲) تفسیر بحر محیط ج ۷ ص ۴۹۷ طبع مصر۔

عمل استفتاح تعلیم کیا اور آدھی رات ادھر آدھی رات ادھر منصور نے جیل سے بلا کر بیڑیاں کٹوائیں اور دس ہزار درہم دے کر تیز رفتار اونٹ پر بٹھا کر روانہ کیا۔

۱۴۸ھ ۱۵ رشوال کو امام جعفر صادقؑ (۱) ہشام بن عبد الملک کے زہر دینے (۴۱) سے شہید ہوئے اور اپنے وطن مدینہ کے قبرستان بقیع میں دفن ہوئے۔ اسی صدی میں ابن ابی عمیر (۴۲) کو شیعیت کے جرم میں سندی بن شاہک نے بحکم ہارون (۲) بارہ کوڑے پوری طاقت سے لگائے اور قید خانہ بھیج دیا۔ عرصہ تک جیل میں رکھنے کے بعد ۱۲۰ دینار (جرمانہ) حاصل کر کے رہا کر دیا۔

۱۸۳ھ ۲۵ ررجب (۴۳) وہ غم انگیز دن تھا جس میں حضرت امام موسیٰ کاظمؑ وطن سے دور بغداد میں ایک طویل قید کے بعد زہر دیکر شہید کئے گئے خاوند شاہ (۳) مؤرخ نے یحییٰ بن خالد برمکی کو آپ کی زہر خورانی میں باغواء ہارون رشید مجرم قرار دیا ہے۔

تیسری صدی

۸۶۱ء سے ۹۱۲ء تک

سلسلہ زیارت حسینؑ کا جو عصر عاشور سے شروع ہو گیا تھا بڑھا۔ بظاہر اس وقت تک ظالم حکومت کو توجہ نہ تھی کہ زیارت بند کر دی جائے سردار جوانان جناں اور شہداء بنی ہاشم وغیرہ کی کچی قبروں کا پتہ ایک بیری کا درخت دیتا تھا ہارون رشید نے اس کے کاٹ دیئے جانے (۴۴) کا حکم دیا۔ اس وقت رسولؐ کے رہے سہے تابعین اور تبع تابعین نے رسولؐ کی حدیث **لعن اللہ قاطع السدرۃ** خدا لعنت کرے بیری کا درخت کاٹنے والے پر۔ کو سمجھا۔

---

(۱) صواعق محرقہ ص ۱۲۱۔ (۲) سوانح عمری حضرت علی اکبر مؤلفۂ عبد الرزاق مقدم طبع عراق۔ (۳) روضۃ الصفاء ج ۳ طبع ایران عہد ناصر الدین شاہ قاچار ۱۲۷۱ھ۔

سنہ ۲۰۳ھ ۱۷/صفر (۴۵) کو حضرت امام رضاؑ مامون رشید کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ آپ کو اپنے دیس سے دور خراسان میں انگور میں زہر دیکر شہید کیا اور مامون کے جبر وتشدد سے آپ کو زہریلے انگور کھانا پڑے، جس کے سامنے امام ضامن وثامن کی پرفریب شہادت کا ثبوت ہو وہ ولی عہدی کو جو اس کے پہلے کا واقعہ ہے ہرگز مامون کی طرف سے عزت افزائی نہیں سمجھتا ولی عہدی نے مامون کی بے تعصبی کی جو خشت نصب کی تھی قتل امام کے بعد دنیا کو معلوم ہو گیا کہ یزید اور مامون کا نتیجۂ فکر ایک تھا۔

صرف تدابیر بدلے ہوئے تھے ولی عہدی کا منصب شیعیت کے نمودار کرنے کا سبب اس وقت ہوتا جب قتل امام کا داغ دامن حکومت پر نہ ہوتا۔ امادی اور ولی عہدی کے بعد مامون نے آپ کو نماز عید پڑھانے سے روکا۔ اسی وقت جذبۂ عناد بے نقاب ہو گیا۔ لہٰذا مامون سے ہم کو ہمدردی نہیں ہے۔

زنانی مجلس اور تبرّک

امام رضاؑ پہلے شخص ہیں جس نے مجلس حسینؑ میں عورتوں کی شرکت اور عورتوں کو پس پردہ جگہ دے کر معزز کیا اور تقسیم تبرک میں دوہرے حصے سے سرفراز کیا ذکر مظلوم کے صلہ میں نقد اور خلعت عطا فرما کر منصب کو جلیل تر ثابت کیا۔

ثانی حضرت زینبؑ یعنی فاطمہ قم کی وفات بھی بھائی کے غم میں (۴۶) اسی صدی میں ہوئی۔

یہ وہی قم ہے جس کے مرکز علم ہونے کی دور ائمہ میں پشین گوئی ہو چکی تھی اور جو بحمد اللہ اس وقت بھی اہل علم وکمال سے چھلک رہا ہے۔

سنہ ۲۰۸ھ ماہ رمضان میں سیدہ نفیسہ نے رحلت کی۔ یہ معزز خاتون نسل حضرت امیرؑ سے تھیں اور اسحاق بن امام جعفر صادقؑ کی رفیقۂ حیات تھیں علم وفضل کا یہ حال تھا کہ امام شافعی نے

تکمیل علم کے بعد (۱) اس معظّمہ کی شاگردی کو فخر سمجھا۔

۲۲۰ھ ۲۹/ذیقعدہ (۴۸) کو بغداد میں امام محمد تقیؑ بعمر ۲۵ سال شہید ہوئے۔ آپ کو بھی زہر دیا گیا اور سبط ابن جوزی کی رائے ہے کہ مامون کی لڑکی یعنی آپ کی منکوحہ نے شمع حیات گل کی اور باپ کے ظلم افروز مقصد کو کامیاب بنا کر جعدہ کی یاد تازہ کی۔

۲۳۷ھ میں (۴۹) متوکل کا دور آیا اور اس ظالم نے زائروں کو کربلا جانے سے روکا۔ فرات کاٹ کر قبر حسینؑ تک لایا اور چاہا کہ نشان قبر بھی نہ باقی رہے۔ قبور شہداءؑ پر کھیتی کی گئی اور ہل (۲) چلا، آخر میں زائروں کے ہاتھ اور پیر کٹوائے مگر تشیع میں وہ ہمت و استقلال تھا کہ زیارت بند نہ ہوئی۔

اسی سال متوکل نے دس ہزار کے لشکر سے زائروں کو روکنے کی کوشش کی۔

۲۴۶ھ رجب (۵۱) کی پانچویں کو ابن سکیت نحوی اس جرم (۳) میں قتل ہوا کہ وہ حضرت علیؑ کے غلام قنبرؓ کو حاکم وقت اور اس کے شاہزادوں سے بہتر سمجھتے تھے۔ اس جرم میں گدی سے زبان کھینچی گئی دنیائے علم و ادب میں اس کامل الفن کی شہادت سے ہمیشہ غم رہے گا۔

امام رضاؑ (۵۲) کی مجلس کے ذاکر مقبول دعبل خزاعی عجب شرم ناک طریقے سے شہید کئے گئے۔ ان کے نازک اعضاء جسم کو اس بے دردی (۱) سے دبا دیا گیا کہ جاں بحق تسلیم ہو گئے اور اہواز میں سپرد خاک ہوئے۔ ابوالحسن علی بن محمد بن نصر شاعر نے متوکل پہ نکتہ چینی کی۔ شہید کئے گئے اور آپ کی قبر بھی وطن سے بہت دور سامرہ میں بنائی گئی۔ اولاد امام میں جعفر تو اب مشہور ہستی اور سادات نقوی کے مورث اعلیٰ گذرے ہیں، جنہوں نے حضرت حجّت کے ۲۵۴ھ رجب کی تیسری (۵۳) کو دسویں امام علی نقیؑ

---

(۱) سیرت امام شافعی مؤلفۂ خالد انصاری مطبع علوی بھوپال۔ (۲) صواعق محرقہ ص ۱۲۳،، ۳۷۴ ناسخ التواریخ ص ۴۴۵۔ (۳) تاریخ زین الدین ابن عمر دردی وغیرہ

معتضد عباسی کے حکم سے زہر دیکر تعارف میں بمصلحت دعوائے امامت کیا تھا اور اسی طرح صدائے اختلاف بلند کی جس طرح حضرت عباس عم رسالت مآب اور محمد بن حنفیہؓ کا اختلاف تاریخ میں موجود ہے۔

اسی نظریہ کی تحت میں جب آپ امام حسن عسکریؑ کے نماز جنازہ کے لئے تابوت کے قریب پہنچ گئے اور تکبیر کہنی ہی چاہتے تھے کہ ایک ماہ پارہ شہزادہ صفیں چیرتا ہوا سامنے آیا اور کہا چچا ہٹ جایئے یہ حق میرا ہے۔ جعفر نے بھتیجہ (۲) کو بڑھا دیا اور خود اقتدا کر لی اس واقعہ کے بعد پھر کسی نے ان کو جعفر کذّاب نہیں کہا۔

۲۶۰ھ ۸ ربیع الاوّل کو معتمد عباسی کے حکم (۵۴) سے امام حسن عسکری علیہ السلام شہید ہوئے آپ کا سبب وفات بھی زہر خورانی (۳) ہے جو مسلمہ حقیقت ہے چونکہ فاطمہ زہرا کے گھر کی یہ آخری موت تھی اس لئے ان کے پیرو طبقۂ شیعہ نے ایام عزا کا آخری دن قرار دیا۔ اس لحاظ سے بھی یہ یوم غم ہوا کہ آج (۵۶) سے امامت کو غیبت شروع ہوئی زیارت ناحیہ بھی انہیں حدود میں برآمد ہوئے۔

زیارت (۵۷) کے اسناد میں میرے ہم عصر علماء میں بعض نے عذر کیا ہے مگر وہ شہرت جو ہر دور میں اس کلام کو حاصل ہے نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے اور فرقۂ شیعہ کی کامیابی کا راز ہے کہ واقعہ کربلا پر بڑی حد تک کلام امام کی احتیاج باقی نہیں رہتی۔

۲۹۶ھ میں ابوالعباس (۵۸) عبداللہ مقتدر کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور نجف اشرف میں سپرد خاک کئے گئے۔ جامعۂ (۵۹) نجفیہ کی بنیاد اسی صدی میں قائم ہوئی اور تالیف و تصنیف کی ابتدا اگر چہ اس سے پہلے ہو چکی تھی مگر (۶۰) علم سینہ میں تبدیل ہونے کا با قاعدہ کام اسی دور میں شروع ہوا۔

---

(۱) ابن کثیر شاہی مؤرخ کے الفاظ یہ ہیں عصرت خصتیاہ، تاریخ الکامل ص ۲۸۔ (۲) ارجح المطالب۔ (۳) عمدۃ الطالب فی انساب ابی طالب۔

ایک مفید بحث

عہد معاویہ میں مسلمانوں کو جو حکم سختی سے پہنچایا گیا کہ کوئی شخص اسلامی آبادی کا رہنے والا علیؑ اور اولادِ علیؑ کے ناموں پر اپنی اولاد کے نام نہ رکھے ورنہ قتل ہو جائے گا۔

اس صدی میں بنی امیہ و بنی عباس کا وقار ختم ہو گیا۔ مسلمانوں نے اپنی اولاد کا نام پھر اہلبیت رسولؐ کے محترم ناموں پر رکھنا شروع کیا اور نسبتاً مسلمان نام رکھنے میں آزاد ہوئے۔

وہ طبقہ جو امویت کے زیر سایہ پروان چڑھ رہا تھا، لاکھ زمانہ کے رنگ میں آجاتا مگر اسلام کا جذبہ بھی کوئی شئے تھا اگر خاندان رسولؐ کے نام ایک مسلمان اپنی اولاد کے رکھنا پسند کرے تو ہرگز گناہ نہیں ہے۔

اس طبقہ میں جستہ جستہ کچھ نام تو دوسری صدی میں ملتے ہیں۔ چنانچہ ابوعبداللہ محمد بن الحکیم (۱) الترمذی المتوفی ۱۸۹ھ صدر اول کا محدّث ہے اس کے بعد زیر بحث دور جس میں محمد مزوری المتوفی ۲۱۲ھ اور علی بن محمد طمنانسی المتوفی ۲۳۲ھ اور حافظ ابوعلی بن بریدۃ العبدی المتوفی ۲۵۷ھ اور نصر بن علی بن منذر طریقی المتوفی ۲۵۰ھ مشہور ائمہ حدیث گذرے ہیں جو اگرچہ سب اہل سنت تھے مگر ان کے والدین نے ان کے نام رکھ کر دورِ تعصب کی تبدیلی کا خاموشی سے ثبوت دیا۔

ان کے رشحات افکار ناظر بصیر کو منقبت آل محمدؐ کے سلسلہ میں مناقب اور کتب کلام میں ملیں گے شیعوں کو اپنی اولاد کے نام رکھنے میں جو مشکلات تھے اس کی نقشہ کشی ہماری کتاب سوانح حیات عثمان بن علی اور سوانح حیات یزید بن زیاد کندی میں موجود ہے۔

---

(۱) عبقات الانوار، حدیث ثقلین، طبع ۱۳۱۴ھ۔

چوتھی صدی

۹۱۳ء سے ۱۰۰۹ء تک

ثقیفائی حکومت قائم ہونے کے بعد سے دور بنی عباس تک دمشق ہو یا بغداد کسی اسلامی بستی یا مضافات میں شیعیان علیؑ کو نہ حکومت کے عہدوں پر سرفراز کیا جاتا نہ عام طور پر ان کو نوکری ملتی تھی۔ اسلامی اجتماعات میں وہ اگر پہنچ جاتے تو ان پر اجنبیت کی نظریں پڑتی تھیں۔

تجارت کے موقع پر بھی ان کو مقاطعہ کر کے کبھی ترقی کرنے نہ دیا مال غنیمت میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا بیت المال کے وظائف میں ان کی گنجائش نہ تھی اور اقتصادی خرید وفروخت میں حالت کو بد سے بدتر بنانے کے لئے ہر مسلمان تیار رہا۔ یہ نقصان شیعوں کے خون سے دیوار بغداد بنانے اور ان سے کنویں پاٹنے سے بھی سخت تھے۔ ایک طرف تو یہ بے پناہ مظالم تھے اور دوسری طرف ہدایت کے چراغ روشن ہوتے جا رہے تھے۔ چنانچہ اس صدی کی ابتدا اور ۲۰ سال میں اصول کافی مرتب ہوگئ جو احادیث واخبار کا کامل مجموعہ ہے۔

۳۲۹ھ اس کتاب کے جامع اور شیعوں کے سب سے بڑے عالم یعقوب کلینی علیہ الرحمہ نے انتقال کیا جن کی شب وفات رات بھر آسمان (۶۱) سے تارے ٹوٹتے رہے۔ اصول کافی وہ صحیفہ ہے جس کے لئے بارگاہ عصمت وطہارت سے کاف لشیعتنا کی سند اعزاز ملی اس قرن میں آل بویہ کو فروغ ہوا اور پہلا (۶۳) بادشاہ عماد الدولہ پسر بویہ پسر نوشیرواں برسر حکومت ہوا عزاداری (۶۴) سید الشہداءؑ باعلان (۱) شروع اور تاثرات منظر عام پر آئے۔ اسی صدی میں عید غدیر کی محفل مسرت (۶۵) ۱۸/ذی الحجہ باعلان (۲) ہوئی اور قدیم آثار فرحت وانبساط کی تجدید ہوئی۔

---

(۱) مرآۃ الجنان یافعی۔ (۲) دول الاسلام ذہبی

سنہ ۳۵۱ھ میں کرخ (۶۶) کے پر جوش شیعوں نے حاکم شام اور دیگر (۳) دشمنان اہلبیتؑ سے نام بنام بیزاری لکھ کر اپنے دروازوں کو اپنے ضمیر کا گواہ بنایا اور اپنے نزدیک دیوار مساوات کا علمی جواب دیا۔

سنہ ۳۵۷ھ مصر میں سلطنت فاطمی (۶۷) قائم ہوئی اور پہلا بادشاہ مہدی (۴) احمد بن اسمعیل بن امام جعفر صادق علیہ السلام برسر اقتدار رہوا۔

سنہ ۳۶۱ھ جامع ازہر (۵) کی (۶۸) شیعہ ہاتھ سے بنیاد قائم ہوئی جو آج تک مصر میں باقی ہے۔

سنہ ۳۶۳ھ بغداد میں فرقہ وار (۶۹) تصادم ہوا اور اکثریت اقلیت (۶) پر غالب آئی۔

سنہ ۴۰۰ھ رجب میں نہج البلاغہ (۷۰) کلام حضرت امیرؑ کتابی صورت میں آیا۔

اصول کافی اور نہج البلاغہ فرقۂ شیعہ کے جیب و دامن میں وگوہر آبدار محفوظ ہو گئے جو کسی خزانہ میں نہیں ہیں۔ اس صدی میں شیخ مفید علیہ الرحمہ کی علمی سلطنت اور عضد الدولہ کی دیناوی حکومت نے غیبت کبرے کی تاریکی میں شمع راہ کی حیثیت حاصل کی اور روضۂ (۷۱) نجف اشرف عضد الدولہ کی عقیدت سے تعمیر ہوا۔

پانچویں صدی

سنہ ۱۰۱۰ء سے سنہ ۱۱۰۶ء تک

اس صدی کا تہائی حصہ (۷۲) علّامۂ سید مرتضیٰ علم الہدی مشہور شیعہ عالم کے فیوض سے معمور رہا اور آپنے فرقہ ہائے باطل معتزلہ، زیدیہ اور علی بن موسی رمانی ابوعبداللہ بصری جعفر بن حرب ابی الحسن السبط ابولیث ادانی غیر شیعہ معترضین کے فیصلہ کن جوابات دیئے اور شہادت کی رگِ حیات کو قطع کر دیا۔

---

(۳) مجالس المومنین شوستری۔ (۴) منہ و جنات الخلود ص ۶۳ طبع قدیم۔ (۵) منہ۔ (۶) منہ۔

خراسان میں تغرل بیگ نے مٹھی بھر شیعوں پر عام (۱) تبرّے کا حکم دیا اور خوب دل کا بخار نکالا۔ افریقہ (۷۴) میں شیعہ قتل کئے گئے۔

۴۲۴ھ ۱۴/رجب کو ہندوستان میں ایک مشہور ہستی جس کو شیعہ ثابت کرنے کے ذرائع اگرچہ مکمل نہ ہوں مگر اس بات سے انکار نہیں ہے کہ ان کا سلسلۂ نسب نو واسطوں سے جناب محمد حنفیہ تک پہنچتا ہے نام سید سالار (۲) مسعود غازی ماں کی طرف سے محمود غزنوی کے بھانجے ۱۸ سال (۷۵) کی عمر عہد شباب میں مشرکین کے ہاتھ سے بہرائچ میں قتل ہو گئے۔ اسلام کی لاج میں آپ کے ساتھی سید (۵۶) حسن وغیرہ چند اشخاص اور بھی قتل ہوئے ان کی قبر زیارت گاہ خلق ہے اگر سیادت ثابت ہے تو یہ حادثہ اولاد حضرت امیرؑ کی شہادت کے لحاظ سے شیعہ ہمدردی کا مستحق ہے۔

۴۴۸ھ بغداد میں (۷۷) سنّی شیعہ فساد ہوا اور مذہب امامیہ کے بہت بڑے عالم ابوجعفر محمد بن حسن بن علی طوسی (۳) کا گھر جلا دیا گیا۔ کتابیں برباد کر دیں اور وہ جناب اس تباہی کے بعد نجف اشرف چلے گئے۔ فتنہ و فساد کی آگ روضۂ کاظمین تک پہنچی اور ضریح مبارک (۴) (۴۷) وارث خلیل کی نذر آتش کر دی گئی۔ اسی صدی میں شیعوں نے اپنی مسجدوں (۵) میں دروازہ پر محمدؐ و علیؑ خیر البشر لکھا ایسا کیوں ہوا بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مشرکین کو پاک سمجھنے والے نام نہاد مسلمان ہماری مسجد کو نجس نہ کریں اور خانۂ خدا میں اس طرح اذان ہوتی رہی جس طرح عہد رسولؐ میں ہوتی تھی۔

---

(۱) المختصر فی اخبار البشر۔ (۲) ماہنامہ مومن بدایوں جلد ۱۴ شمارہ نمبر ۷ و ۸ ماہ جولائی و اگست ۱۹۵۵ء ص ۳۵ مضمون پروفیسر محمد مطیع الرحمن پٹنہ۔

(۳) مجالس المومنین طبع ایران ص ۲۔ (۴) المختصر فی اخبار البشر۔ (۵) منہ۔ (۴) عبقات الانوار جلد اول حدیث ثقلین ص ۲۲۲ طبع ۱۳۱۴ھ۔ نہج الدعوات

حضرات اہل سنت و جماعت نے اس صدی میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کا فقرہ جو عہد خلیفہ ثانی سے شروع ہوا تھا جاری رکھنے میں کوشش کی۔

۴۵۷ھ ماہ صفر میں مملکت شام میں ایک شیعہ حاکم (۷۹) برسر اقتدار ہوا ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اس کے متعصب رافضی ہونے کا اقرار کرتے ہوئے یہ واقعہ لکھا ہے کہ شام و عراق کے محدث ابوبکر بن احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی کو جن کا خطیب بغداد لقب تھا حاکم وقت نے مجرم قرار دیا اور ایک (صحیح) الزام کے سلسلہ میں ان کے قتل کا حکم دیا۔ جلاّد سنّی تھا اس نے گردن زدنی کے بجائے ان کو بغداد بھاگ جانے کا موقع دیا اور وہ بغداد چلے گئے۔

چھٹی صدی

۱۱۰۷ء سے ۱۲۰۲ء تک

شعبان ۵۰۳ھ میں ابوالوفا عبدالجبار ازدی کارے میں مدرسہ جاری تھا۔

رجب ۵۱۳ھ میں (۵) ابوعبداللہ محمد شہریار روضۂ نجف کے خازن تھے۔

۵۹۷ھ ۱۱؍ جمادی الاولیٰ خواجہ نصیر الدین (۸۲) طوسی (۱) پیدا ہوئے جو علمی کمالات میں اپنی آپ نظیر تھے درود طوسی (۸۳) کی نعمت عظمیٰ شیعوں کو اسی صدی میں حاصل ہوئی۔ یہ دعا گرچہ ان دعاؤں میں نہیں ہے جو امام پیغمبروں کا کلام ہیں مگر اس کی تالیف کا تاریخی واقعہ یہ ہے کہ محقق طوسیؒ نے مستعصم خلیفۂ وقت کے سامنے تالیفات پیش کئے اور اس نے تمام کتابیں آپ کی دریا میں ڈال دیں آپ کو صدمہ عظیم ہوا۔ شب کو خواب (۲) جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ فرماتے ہیں اگرچہ چاہتے ہو کہ دلی مراد پوری ہو تو ایک درود انشا کر و آپ

---

(۱) لولوۃ البحرین۔ (۲) مجموعۃ الدعوات میر محمد مومن حسینی مخطوطات ص ۳۹۔

نے درود طوسی عربی زبان میں تیار کیا اور اس جدید دعا کے وظیفہ سے چنگیز خاں نے خروج کیا اور حکومت تاخت و تاراج ہوئی۔

۵۸۹ھ ۱۵ رمحرم کو سید علی بن طاؤس علیہ الرحمہ پیدا (۸۴) ہوئے دنیائے تشیع کی یہ وہ مقتدر ہستیاں ہیں جنہوں نے اپنے بعد ہدایت کے وہ روشن چراغ چھوڑے جو تا ابد گل نہ ہوں گے۔

پھر بغداد کا فرقہ (۸۵) وارانہ فساد اسی صدی میں ہوا اور بڑی مچھلیوں نے چھوٹی مچھلیوں کو ہڑپ کیا اس عملی جد و جہد کے ساتھ قلم بھی شیعیت کی بیخ کنی کے لئے مسلسل چلتا رہا اور اس طبقہ (۸۶) کے مؤرخ ابوالقاسم علی بن حسن ابن عساکر نے ذم الرافضہ (۱) شیعوں کی مذمت میں کتاب لکھی اور خوب دل کا بخار نکالا۔

ساتویں صدی

۱۲۰۴ء سے ۱۳۰۰ء تک

قرن وسطیٰ میں دولت بنی عباس ختم ہوئی اور سادات کو چن چن کر قتل کرنے والے خود پیوند زمین ہو گئے۔

۶۱۷ھ ربیع الآخر (۸۸) میں چنگیز خاں نے ایران پر حملہ کیا اور خوارزم ہرات بلخ خراسان (۲) سبزوار قم ہمدان نیشاپور کو تاخت و تاراج کیا سبزوار میں ستر ہزار مقتول اور نیشاپور میں ۱۲ دن تک لاشوں کا شمار ہوتا رہا۔ اسی حملہ میں دشمن نے آگ لگائی عورتوں کو اسیر کیا بعض بعض جگہ پانی بند کیا عورتوں کی عصمت دری کی۔ ذی الحجہ ۶۲۱ھ تک قتل عام جاری رہا جب شہر قم پر حملہ ہوا تو وزیر حکومت نے کہا:۔

---

(۱) عبقات الانوار حدیث طیر۔ (۲) روضۃ الصفا ج ۵ ص ۳۰ تا ۴۳ طبع ایران ۱۲۷۰ھ مؤلفہ محمد بن خاوندشاہ۔

چوں جنبه نو بان بقم رسید طائفه از مسلمانان که دراو روے او بودند گفتند که قتل اہل قم بسبب آنکه رافضی المذہب اند عین صواب و مستلزم ثوابست

(حاصل مضمون)

حملہ آور جب قم پہنچے تو مسلمانوں کے اس گروہ نے کہا قم کے رہنے والوں کا قتل اس وجہ سے کہ رافضی ہیں بالکل ٹھیک اور موجب ثواب ہے اس حملہ میں کئی لاکھ شیعہ قتل ہوئے اور سادات کا رخ ہندوستان کی سمت اسی قتل و غارت میں ہوا۔ عرب کی زمین جب اموی مظالم سے ان پر تنگ ہونے لگی تو ایران بسایا اور اس ہلچل میں عجم سے ہند میں آئے۔

۶۳۳ھ خواجہ معین الدین چشتی نے اجمیر میں وفات پائی اور ان کی زبان فیض ترجمان سے ظلمت کدۂ ہند میں حسینیت کا ترانہ بڑی حسن و خوبی سے ادا ہوا۔

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دین است (۱) حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد و نداد دست در دست یزید
حقا کہ بناء لا الہ است حسینؑ

اسی صدی میں سلطان شمس الدین التمش نے سبزواری شمس الدین کو جو گردیز میں تھے خلعت دامادی عطا کیا ان کی قبر حوض شمسی کے محاذ میں ہے۔

۶۴۸ھ ۱۹ رمضان (۹۰) بروز (۲) قدر مبدء فیاض سے مادر گیتی کو علامۂ حلّی سا فرزند

---

(۱) اس شعر کو علماء اہل سنت میں پروفیسر نواب علی ایم اے وزیر تعلیمات جونا گڑھ نے شہید حق ص ۳ طبع نظامی پریس ۱۹۲۹ء میں اور قادیانی اہل قلم عزیز، ادیب فاضل نے ہفتہ وار اخبار روشنی سری نگر کشمیر ص ۳ ج ۱۳ نمبر ۲۴ بابت اگست ۱۹۵۵ء مطابق ۱۷ محرم ۱۳۷۵ھ میں خواجہ صاحب کا نتیجہ فکر تسلیم کیا ہے۔ (۲) رئیس الخاطر جلیس السافر۔

عطا ہوا جس کے تحقیقات وافادات محتاج تعارف نہیں ہیں۔

۶۹۸ ھ شاہ خدا بندہ (۹۱) نے مذہب اثنا عشری قبول کیا اور ہلاکو خاں کی نسل میں ایمان کا ستارہ چمکا۔

آٹھویں صدی

۱۳۰۱ء سے ۱۳۹۷ء تک

۷۵۲ھ سے ۷۹۰ھ تک فیروز شاہ تغلق کی حکومت دہلی میں رہی اور اس (۹۲) نے ہندوستان میں دل کھول کر شیعہ قتل کئے چنانچہ وہ خود اپنی سوانح حیات میں رقم طراز ہے۔فرقہ شیعہ نے جنہیں روافض بھی کہتے ہیں میرے سلطنت میں اپنے عقائد پھیلانے کی کوشش کی رسائل اور کتابیں لکھیں اور شیعی معتقدات کی تعلیم واشاعت شروع کی حتیٰ کہ خلفاء راشدین کی ہتک حرمت اور سبّ صحابۂ کرام کا اقدام کیا میں نے ان سب کو گرفتار کر لیا اور اس کے جرائم اور قصوروں پر سزائیں دیں ان میں سے جو غالی شیعہ تھے انہیں قتل کرایا اور بقیہ کو تعزیر وتحدید و جزیہ کی سزا دی ان کی کتابیں اور تحریریں جلا دی گئیں اور اس طرح خداوند تعالیٰ کے فضل و احسان سے اس فرقہ کے اثرات بد سے ملک کو قطعاً پاک وصاف کیا۔

اس خود نوشتہ تحریر کا ذکر تاریخ ہند مرتبہ ایشوری پرشاد میں بھی موجود ہے اور فتوحات فیروز شاہی کے نام سے مؤلف نے یاد کیا ہے فیروز شاہ کی موت ۱۳۸۸ء میں ہوئی۔

۷۸۶ھ شیعوں کے بڑے جلیل عالم شیخ محمد (۹۳) مکی ایک سال کی قید سخت کے بعد قلعۂ (۱) شام سے رہا کر کے شہید کئے گئے۔آپ کے قتل پر قاضی برہان الدین مالکی اور عباد بن جماعہ قاضی دمشق کا فتوی تھا۔قتل کے بعد ظالم گروہ نے لاش پر پتھر برسائے اس کے بعد جسم جلا

---

(۱) لولوۃ البحرین۔

بھی دیا یہی وجہ ہے کہ اتنے بڑے شخص کی قبر کا بھی پتہ نہیں اگر چہ ان سے پہلے لاتعداد شیعہ اہل علم قتل ہو چکے تھے مگر زبان خلق میں شہید اول یہی کہے گئے۔

آپ کے تصانیف میں وہ رسالہ جو قید شام میں شیعہ فقہ پر لکھا تھا ''لمعہ دمشقیہ'' کے نام سے آج بھی موجود ہے اور دست مبارک کا لکھا ہوا صحیفۂ سجّادیہ جدّ علام ممتاز العلماءؒ کے کتب خانہ میں موجود ہے اور یہ شرف اسی مکتبہ کو حاصل ہے کہ وہ ایسے نوادر تبرکات آج تک رکھتا ہے اس مخطوطہ پر مقالات اور تحریر شہید کا عکس شیعہ پریس سے نشر کیا جا چکا ہے۔

اس صدی میں شیخ تقی الدین ابن تیمیہ نے شیعیت (۹۴) کے خلاف زہر اگلا اور وہابیت کو خوب سراہا۔ کتب خانہ حیدریہ (۹۵) نجف اشرف میں نذر آتش کر دیا گیا۔

۷۹۵ھ میں سید (۱) محمد نور بخش موسوی (۹۶) نے ۷ برس کی عمر میں پورا قرآن یاد کیا۔

نویں صدی

۱۳۹۸ء سے ۱۴۹۴ء تک

اس صدی میں شیعہ نسبتاً مظالم سے محفوظ رہے شعر و سخن جہاد قلم میں مطمئن ہو کر آگے بڑھے واقعہ کربلا کے نشر و اشاعت میں ان کی ہر کوشش کامیاب ہوئی مداحان اہلبیتؑ نے کثرت سے مرثیہ نظم کئے بظاہر اس وقت تک نثر میں ذکر شہادت کا رواج نہ تھا کثرت سے شیعوں نے اپنے اشعار میں واقعۂ کربلا پر بحث کی۔

۸۰۱ھ امیر تیمور کا دہلی میں تسلّط اس صدی کا اہم واقعہ ہے بھارت میں عزاداری تیمور کے دم سے پائیدار ہوئی۔ ادھر پرشیا میں اہل سنت کے عالم اور محقق کمال الدین حافظ حسین بن علی واعظ کاشفی سبزواری نے روضۃ الشہداء اس پر خلوص نیت سے مرتب کی کہ اب بجائے مرثیہ خوان کے منبروں پر (نثر میں) روضہ خوانی شروع ہوئی۔ کتاب (۲) مذکور کی مقبولیت پر رجال

---

(۱) مجالس المومنین۔ (۲) روضات الجنات۔

میں جو الفاظ ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے روضۃ الشہداء سے مجلسیں پڑھنے والا طبقہ اور جس جس نے یہ رنگ اختیار کیا اس کو روضہ خوان کہا جانے لگا اور یہ لقب آخر میں وسعت اختیار کر کے ہر ذاکر تک پہنچا اور مجلس آج تک روضہ خوانی کہی جاتی ہے تیمور شیعہ (۹۸) بادشاہ نے صاحب قاموس کو ایک لاکھ روپیہ انعام دیا۔ (عبقات ثقلین)

اسی صدی (۹۵) کی ابتدا میں سید محمد نور بخش ۱۸ روز تک (۳) کنویں میں قید رہے پھر شیراز کے قید خانے میں سزا برداشت کی اور ۸۶۹ھ میں رحلت کی۔

دسویں صدی

۱۴۹۵ء سے ۱۵۹۱ء تک

اس صدی میں برہان نظام شاہ تاجدار دکن نے شاہ طاہر کے ایما سے مذہب شیعہ اختیار (۱۰۰) کیا تبدیلی مذہب کا واقعہ تاریخ میں اس (۱) طرح ہے کہ شہزادۂ عبد القادر کو بہت تیز بخار آ گیا حکیموں نے جواب دے دیا مایوسی میں شاہ طاہر نے کہا کہ اگر بارہ اماموں کی راہ میں ایک بڑی رقم صرف کرنے کی منّت مانی جائے تو جان بچ سکتی ہے فرمانروائے دکن کو ۱۲ امام معلوم نہ تھے طاہر نے نام بتائے تو یاد آیا کہ بچپن میں ان کی ماں نے ۱۲ امام کے نام سکھائے تھے فوراً شاہ نے اقرار کیا اور معاہدہ کی برکت سے خدا نے صحت دی مریض کے خواب میں پیغمبرؐ خدا اور اہلبیت طاہرین علیہم السلام آئے اور مرض دور ہوا۔ شاہ طاہر سرخ رو ہوئے اور بادشاہ نے مذہب اثنا عشری قبول کیا۔ تفصیل اس کی تاریخ فرشتہ میں موجود ہے۔

۹۲۴ھ کے حدود میں محمود گاواں کی شہادت (۱۰۱) ہوئی یہ وہ شیعہ مدبّر ہے جس کی علم نوازی حکمت دوستی پر دکن کا چپہ چپہ گواہ ہے۔

---

(۱) مجالس المومنین

(۲) تاریخ فرشتہ مقالہ سویم روضۂ مؤلفہ محمد قاسم ہندوشاہ استرابادی ص ۱۱۳ طبع نول کشور۔

۹۲۷ھ عبداللہ سلطان ترک نے تیس ہزار سوار سے ایران پر حملہ کیا اور شیعہ قتل و غارت ہوئے۔ ۹۲۸ھ میں غیاث الدین محمد ایران میں (۱۰۳) قتل ہوئے مؤرخین نے ان کو سید شہید بے گناہ (۱) کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

۹۴۶ھ علماء شیعہ میں شیخ جلیل زین الدین بن علی بن احمد بن جمال الدین بن تقی الدین بن صالح نے ارادہ حج کیا اور مخالف ماحول کا احساس فرماتے ہوئے پردہ دار محمل میں روانہ ہوئے۔ ان کے ہم عصر قاضی صیدا سنّی عالم نے بادشاہ روم کو لکھا کہ مملکت شام میں ایک شخص بدعتی چاروں مذاہب حنبلی و شافعی و مالکی و حنفی کے علاوہ مذہب رکھتا ہے۔ حاکم نے شیخ کی تلاش میں جاسوس روانہ کیا اور حکم دیا کہ شیخ کو زندہ لے آؤ تاکہ ہم اپنے علماء سے مباحثہ کرائیں اور اس کے مسلک پر آگاہی حاصل کریں۔ مخبر حج کے راستہ میں آپ تک پہنچا۔ شیخ نے حج کر لینے کی اجازت مانگی۔ اس نے مہلت دی۔ آپ حج آخر سے واپس ہو رہے تھے اور کربلائے معلیٰ کی زیارت کا ارادہ تھا۔ سلطان سلیم شاہ روم نے آپ کو قید کر لیا اور قسطنطنیہ میں اسیر ہوئے۔ (۱۰۴)

۹۵۸ھ محرم کی چھٹی (۱۰۵) تاریخ ملا مبارک اللہ مشہور عالم کے گھر میں اولاد نرینہ ہوئی اور ہندوستان کے ذی علم باپ نے اس بچہ کا نام اپنے استاد کے نام پر ابوالفضل رکھا۔ یہ بچہ ضعیف باپ کا خلف اصغر ہوگا اور اس کے بڑے بھائی کا نام فیضی ہے ان صاحبان کمال باپ اور بیٹوں کا حال مختصر الفاظ میں لکھے بغیر مقصد تالیف پورا نہ ہوگا۔ اس لئے محترم ناظرین! تاریخ سے جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ملا مبارک جب آگرہ سے ہندوستان پہنچے، شیعہ ہمسایہ میں ٹھہرے بچپن میں باپ کا انتقال ہو گیا۔ ایک سید اولاد رسولؐ نے ان کو پالا پوسا، بڑا کیا اس پرورش پر ان کو ناز بھی تھا۔

---

(۲) روضۃ الصفاء۔

مختلف اہل علم سے تعلیم حاصل کر کے یکتائے روزگار ہوئے ساری عمر درس وتدریس میں صرف کی۔ خوددار ایسے تھے کہ بادشاہوں کی بارگاہ سے دور رہے مسجد میں نماز پڑھانے کے سوا کوئی شغل نہ تھا۔ دونوں لڑکے جو علم وہنر میں چاند سورج سے کم نہ تھے انہیں کی تعلیم سے نمودار ہوئے اور مقدر نے رسائی کی بادشاہ تک پہنچایا۔ ملا مبارک کی شیعہ دوستی ابوالفضل اور فیضی کی بات بات پر ذہانت سے لوگوں میں چرچا ہونے لگا کہ ملا مبارک رافضی (۱) ہیں۔

کچھ لوگ اس مرد پیر پر مہدوی ہونے کی تہمت لگاتے رہے مگر اس عالم باعمل کا رویہ ذرہ برابر نہ بدلا شیعوں کو سراہنا فتاویٰ میں شیعیت پر میلان اور ایک عراقی عالم سے تعاون جن کا نام تاریخ میں نہیں ملتا صرف رجحانات پائے جاتے ہیں کہ وہ قاضی نوراللہ علیہ الرحمہ تھے۔

یہ زندگی کے آزادانہ پہلو ہیں۔ ملا پر یہ بھی الزام ہے کہ انہوں نے اپنی لڑکی کا نکاح خداوند خاں دکنی رافضی (۲) کے ساتھ کر دیا۔ اس پر خطر دور میں باپ کے سایہ میں دونوں صاحبزادوں نے وہ عزت حاصل کی جو محتاج تعارف نہیں ہے اور دربار اکبری میں ابوالفضل و فیضی نے وہ شاندار زندگی بسر کی جو کوئی واقعہ نگاران کو سنّی نہیں لکھ سکا۔ یہ واقعہ ابوالفضل ہی کے حساس دماغ کا ہے کہ وہ زمانۂ طالب علمی میں استاد کے غیر معمولی اشفاق کا مرکز تھے اور ان کی عقل و دماغ کا امتحان یوں لیا گیا کہ بیٹھنے کی جگہ زیر فرش ایک کاغذ رکھ دیا ابوالفضل کو اندازہ ہو گیا کہ سقف خانہ جھک آئی ہے یا فرش زمین بلند ہے۔ ملا مبارک کی مایۂ ناز تفسیر منبع عیون معانی جس کا صرف ذکر دربار اکبر سبحۃ المرجان وغیرہ میں ہے۔ ہندوستان کے کسی کتب خانہ میں نہیں ہے بجز مکتبہ جد امجد ممتاز العلماءؒ۔ یہ تفسیر ملا نے تقیہ میں لکھی اور اپنے عہد کی تفسیر اکبر سمجھی جاتی ہے۔ دوسری یادگار (منعم حقیقی کے فضل وکرم سے) وہ قرآن شریف ہے جو مرحوم نے اپنے دست مبارک سے لکھا۔

---

(۱) دربار اکبری مولفہ شمس العلماء محمد حسین آزاد ص ۳۳۵ تا ۳۳۷۔ (۲) دربار اکبری ص ۳۵۶۔

یہ مصحف کریم میرے کتب خانہ کا خاص مخطوطہ ہے۔ اس قرآن شریف کے خاتمہ میں ملا نے بسلسلۂ درود وسلام صرف آل رسولؐ کا ذکر کیا ہے اور اصحاب و ازواج کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

۹۶۲ھ ماہ رمضان میں جب نصیر الدین ہمایوں تخت و تاج دہلی کا مالک ہوا تو متحدہ ہندوستان میں تعزیہ داری کے رہے سہے جو آثار تھے وہ مضبوط ہوئے۔ بادشاہ کو بھی عزاداری سے بہت دلچسپی تھی۔ یہ انہماک بظاہر اس قول و قرار کی بنا پر تھا جو شاہ طہماسپ صفوی کی مہمان داری ۹۳۷ھ دو سلطنوں میں تھا۔ شیر شاہ سوری سے شکست اٹھائی جس کے بعد ہمایوں ایران آیا اور شاہی مہمان ہوا تو ہمشیر شاہ کے ایما سے اس بزم میں مدح حضرت امیرؑ میں ولولہ انگیز اشعار پڑھوائے ہمایوں مدح اہلبیتؑ سن کر بالیدہ ہوا اور مضمحل چہرہ پر مسرت کی لہر دوڑ گئی اس مسافرت کا سبب یہی تھا کہ طہماسپ مہمان کی مدد کرے ہمایوں نے شاہ ایران کے سامنے یہ شعر پڑھا ؎

التماس از شاہ (۱) دارم کہ با مخلص کند
انچہ با سلماں علیؑ در دشت اژرن کند

شاہ نے جواب دیا:

اگر ہمایوں بادشاہ عہد کند کہ رؤس منابر ممالک محروسہ خود را بذکر اسامی ائمہ معصومین صلوت اللہ وسلامہ علیہم اجمعین مزین و مشرف گرداند من امداد نمودہ آنحضرت جواب داد کہ من المہد (۲) الی العہد مرا محبت خاندان رسالت مرکوز است۔

یعنی ہمایوں اقرار کرے کہ اس کی سلطنت میں منبروں پر بارہ امام چودہ معصومینؑ کے نام لئے جائیں تو میں مدد کے لئے تیار ہوں۔ ہمایوں نے جواب دیا کہ میں جب جھولے میں سن طفولیت میں تھا اس وقت سے محبتِ اہلبیتؑ راسخ ہے۔

---

(۱) روضۃ الصفا۔ (۲) تاریخ فرشتہ ص ۲۳۷ مقالہ دوم

ہمایوں کے لشکر میں نمایاں سرداروں کے نام یار علی، مہر علی، کفش علی مصاحبوں کے نام گدا علی، مسکین علی، زلف علی، پنجہ علی، درویش علی، محب علی تھے۔ شیخ حمید سنبھلی سنی عالم نے شکوہ کیا کہ:

بادشاہم تمام لشکر شمارا رافضی دیدم و ہیچ کس را ندیدم کہ بنام یاران دیگر باشد۔

میرے سلطان! آپ کا سارا لشکر رافضی نظر آ رہا ہے کوئی پیغمبرؐ کے دوسرے یاروں (خلفاء ثلاثہ) کا ہمنام نہیں ہے۔

ہمایوں کو تصویر بنانے کا شوق تھا غصہ سے قلم پھینک دیا اور اتنا کہہ کر محل میں چلا گیا۔

"نام پدر کلان من عمر شیخ است"(۱) میرے سب سے بڑے باپ کا نام عمر شیخ تھا"۔

اس حق نوازی کا نتیجہ یہ تھا کہ آزاد لکھتے ہیں:

ہمایوں کے عہد میں بہت ایرانی ہندوستان میں آ گئے تھے مگر تقیہ کے پردہ میں رہتے تھے مذہب ظاہر نہ کرتے (۲) تھے اور اکثر ان میں صاحب اختیار ہو گئے تھے۔

ہمایوں کی بی بی حمیدہ بانو شیعہ تھی پھر جب رانی شیعہ ہو تو ملک میں عزاداری کہاں بند ہو سکتی ہے۔ عبداللطیف خاں لوحانی خالص پوری دوسرے ذمہ دار سنّی عالم (۳) کی تحریر ملاحظہ ہو:

"ہمایوں کو خاص عقیدت سیدنا امام حسینؑ سے تھی۔ بریا خاں نے کربلا جا کر ہمایوں کے واسطے زمرد تر شوا کر نقل ضریح مبارک بنوائی تھی اور یہ اول تعزیہ ہندوستان میں آیا یہ زمردی تعزیہ ۴۶ تولہ وزنی تھا اس کی قبر پر اسم اعظم کندہ تھا۔

علموں پر یا علیؑ اور زیر منبر یہ عبارت لکھوائی تھی "غلام امام بریاں خاں۔"

---

(۱) دربار اکبری ص ۸۹ عمر شیخ مرزا ہمایوں کے دادا کا نام تھا۔ (۲) دربار اکبر ص ۷ ۳۳۔
(۳) تعزیت حسین ص ۱۳ مطبع تیغ بہادر ۱۹۱۲ء لکھنؤ۔

عہد ہمایوں میں تعزیہ داری کے ثبوت میں حیدر طوطیائی کا شعر بھی مشہور ہے

ماہِ محرم آمد و شد گریہ فرضِ عین
گرییم خوں بیادِ لبِ تشنۂ حسینؑ

ظاہر ہے کہ اہل سنت رونے کو بدعت کہتے ہیں اور شعرائے ہمایوں کے نزدیک فرض ہے۔ فافهم و تدبّر۔

۹۶۵ھ ۵ ربیع الاول کو زندان قسطنطنیہ (۱۰۶) کا وہ محترم اسیر جس کا اوپر ذکر آ چکا ہے ایک مہینہ قید میں رہنے کے بعد دریا کے کنارہ قتل کرایا گیا اور سر بادشاہ کے پاس روانہ ہوا۔ دفن وکفن میں اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ مکہ کے تکیہ میں دفن کر کے لحد پر قبہ بنایا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ لاش دریا میں پھینک دی گئی۔

کتب خانہ (۱) جلا دیا (۱۰۷) اس زبردست عالم کا قلبی جہاد روضۂ بہیہ نامی علم فقہ کی کتاب ہے جو شرح لمعہ سے مشہور ہے اس کو حسن اتفاق کہتے ہیں کہ جس عالم نے متن لکھا وہ شہید اول اور جس نے شرح کی وہ شہید ثانی قرار پائے میرے والد ماجدؒ کی صحبت کے ایک بی، اے، ایل، ایل، بی برج موہن دیال ولد راجہ دین دیان رئیس نوبستہ لکھنؤ نے اس کتاب کا انگریزی (۱۰۸) ترجمہ کیا تھا جو ۱۹۱۹ء میں زیر تالیف تھا۔

عہد جلال الدین اکبر ۹۶۳ھ سے شروع ہوتا ہے اس زمانہ میں شیعہ جزیہ دیکر حکومت ہند میں رہتے تھے اور شیعہ ہونا مستوجب قتل تھا۔ مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری نے فروغ حاصل کر کے حکومت سے شیخ الاسلام کا لقب لیا آزاد کی لکھی ہوئی رائے ملاحظہ ہو:

''مخدوم (۲) صاحب نے شیعوں کو قید اور خاک ناکامی سے ہمیشہ دبائے رکھا۔''

---

(۱) الدر المنثور فی الماثور و غیر الماثور۔

(۲) دربار اکبر ص ۳۱۶

اس عہد میں سید محمد ہاشم (۱۰۹) بن میر محمود (۱۱۰) ماہہ کے سید قتل ہوئے میر (۱۱۱) مقیم میر یعقوب (۱۱۲) شیعہ سنّی فساد کشمیر کا ذمہ دار قرار (۱) (۱۱۳) دیکر مار ڈالے گئے۔ میر جش شیعہ ہونے کی سزا میں موت (۲) کے گھاٹ اتارے گئے میر مرتضیٰ شریفی جونسل (۱۱۴) سید شریف جرجانی سے تھے جب دلی میں رحلت کر گئے تو مسلمانوں کا قبرستان سمجھ کر لوگوں نے امیر خسرو کے قریب دفن کر دیا۔ بعد میں اعتراض ہوا کہ رافضی کا دفن سنت و جماعت کے قریب ناروا ہے۔ ان کی لاش قبر کھود کر نکالی گئی اور دوسری جگہ دفن ہوئی۔

غرض اکبر کے تعصّبات افق ہندوستان پر مریخ کی طرح قہر آلود ہیں لیکن اس مزاج سلطنت میں یہ تبدیلی دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ نوروز (۳) کی تقریب عہد اکبر میں (۱۱۵) بڑے طمطراق سے ہوتی تھی۔

یہ دو متضاد (رہ تھے) جو جمع نہیں ہو سکتے مگر شمس العلماء آزاد کی رائے دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ اکبر کا نو رتن باطن میں شیعہ تھا۔ اس لئے ان کی کوشش رسم نوروز کے باقی رکھنے میں رائگاں نہیں ہوئی اس عقل و دانش کے پیکر نے کسی سیاسی پہلو سے جشن نوروز (۱۱۶) منعقد کیا اور اکبر کی حکومت اور طبیعت روک نہ سکی آزاد کہتے ہیں۔ ابوالفضل فیضی خانخانان حکیم (۴) ابوالفتح حکیم ہمام میر فتح اللہ شیرازی وغیرہ سب دل کے شیعہ نام کے سنت جماعت تھے۔

بڑے طبقہ کے علاوہ دوسرے درجہ کے چھوٹے چھوٹے حکام بھی شیعہ تھے۔ چنانچہ حسن بن سعد اللہ (۱۱۷) صوبیدار تھے اور ان کی نسل ہمارے وطن مالوف نصیر آباد میں اب تک ہے۔ اکبر نے اسے شیعہ عنصر کی تالیف قلب کے لئے حکم دیا تھا کہ محرم کے مہینہ (۵) میں کوئی جاندار ستایا نہ جائے۔

---

(۱) دربار اکبر ص ۷۲۳۔ (۲) دربار اکبر ص ۳۲۳۔ (۳) دربار اکبر ص ۱۵۰
(۴) دربار اکبر ص ۵۹۶ طبع لاہور ۱۸۹۸ء۔
(۵) دربار اکبر ص ۱۱۰۔

بیرم خاں کے خدمات سلطنت مغلیہ میں اہم اس لئے تھی کہ ہمایوں کو ایران پہنچانے میں ان کی مدد تھی سلطنت کے مدارالمیام ہوجانے پران کو اس عہدہ سے ہٹانے میں یہ الزامات تھے کہ وہ کھلم کھلا شیعہ تھے اور انہوں نے مخصوص عہدوں پر شیعوں کو پہنچانا شروع کیا تھا آخر کار:

۹۶۹ھ میں بیرم (۱۱۸) خاں حج کے لئے جاتے ہوئے افغانی مسلمانوں کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔ اس صدی کے آخر میں ایک سنّی عالم احمد بن نصر اللہ اردبیلی کسی شیعہ فقیر کی صحبت (۳) میں راہ راست پر آئے (۱۱۹) اور مذہب شیعہ سچے دل سے اختیار کیا۔

۹۹۶ھ دارالخلافۃ لاہور میں اکثریت کے ہاتھ سے (۱۲۰) وہ بھی شہید کر دیئے گئے۔ تاریخ الفی (ایک ہزار برس کے حالات) ان کی قلمی شاہکار ہے (۱)۔ ممدوح کا حال ہم نے عبائر الانوار جلد اول میں نذر قرطاس کیا ہے۔

اس صدی میں شیعیان ایران نے کامل آزادی حاصل کی چنانچہ شاہ طہماسپ کے حال میں ہے کہ ترجمہ ملاحظہ ہو:

اس عہد (۲) میں ایران کے عام رہنے والے سنت و جماعت تھے اور گروہ شیعہ تعداد میں کم، مرتبہ میں پست، تقیہ میں تھے۔ شاہ طہماسپ نے مذہب جعفری کو رواج دیا اور بارہ اماموںؑ کے راستہ کو صاف کیا۔ پھر تو یہ نوبت پہنچی کہ شیخ علی بن عبد العالی کرکی عاملی نے سب سے پہلے جلوس تبرّا شریف نکالا (۱۲۱)۔ ان کے حالات میں ہے وہ پیادہ اور سوار ہو کے کبھی نہیں نکلے مگر ان کے ساتھ ساتھ کچھ نوجوان ''دشمنان خدا کے مرحمت الٰہی سے دور رہنے کی مخصوص صدا بلند کرتے تھے اور اس طبقہ کا جو پیرو ہو اس سے اظہار بیزاری کرتے تھے۔''

شاہ حسین طہماسپ اسی صدی (۱۲۲) میں افغانیوں کے حملہ سے شہید ہوئے ان کی اولاد کو بھی تہ تیغ کیا۔

---

(۱) مجالس المومنین۔ (۲) روضۃ الصفا جلد ۸

۱۰۰۰ھ ۱۷ر ذیقعدہ کو ملا مبارک نے رحلت (۱۲۳) کی اور اکبر آباد میں دفن ہوئے۔ کاش نشان قبر باقی ہوتا اور مشہد شوستری علیہ الرحمہ اور سرکار ناصر الملۃ کی قبر کے بعد اہل ایمان ان کی قبر پر فاتحہ پڑھتے۔ ملا مبارک نے مرتے دم تک گانا نہیں۔ سنا وہ سماع کو جائز نہیں سمجھتے تھے (دربار اکبر ص ۳۵۴)۔

گیارہوی صدی

۱۵۹۲ء سے ۱۶۸۸ء تک

(۱) ۱۰۰۴ھ سید نجم الدین نے جو جناب غفران مآبؒ کے مورث اعلیٰ تھے، قلعہ ادیا نگر فتح (۱۲۴) کیا اور ان کے فرزند نے اپنے بہادرانہ خدمات سے اشرف الملک کا لقب حاصل کیا۔

اسی سال ۱۰ر صفر کو ابوالفیض (۱۲۶) فیضی نے رحلت کی اور علم و ادب کا آفتاب درخشندہ مغرب ارض میں پنہاں ہوگیا۔ سنیت کے تعصب کا عملی ثبوت اس صدی (۲) میں یہ ہے کہ نویں محرم کو روز سرور سمجھ کر قلعہ شاہی کا سنگ بنیاد نصب (۱۲۷) ہوا اور مسلمانوں نے فرزند رسولؐ کے غم کو حقیر سمجھا۔ گول کنڈہ میں قطب شاہی (۱۲۸) سلطنت قائم ہوئی اور فرمانروایان دکن نے زہد و ورع کی عالمانہ زندگی میں اپنی عمر ختم کردی ان کے مقدس مزار دکن کی وسیع زمین پر اسلامی فن تعمیر کے بہترین نمونہ موجود ہیں اور ہر لوح مزار پر آیۃ الکرسی **تاھم فیہا خالدون** اور سورہ قدر سورۂ توحید و نادعلیؑ نسخ و نستعلیق کے کتبہ دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مشرقی کمالات اسی جگہ دفن ہیں۔ یہ سربلند گنبد بقعۂ نور معلوم ہونے کے ساتھ دنیا کی مشہور عمارتوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اس عمل پرور انتظام نے علم و حکمت کی تربیت کے ساتھ اردو زبان کو فروغ دیا اور مرثیہ کو غیر فانی عروج حاصل ہوا۔

---

(۱) مولانا آغا مہدی صاحب سے سہو ہوا ہے جائس اور نصیر آباد کے سادات نقوی کے جد بزرگوار نواب ملا سید نجم الدین سبزواری نے قلعہ ودیا نگر کو ۱۹۹ھ کے اواخر میں فتح کیا ہے جس کی گواہی میں سیکڑوں قدیم و جدید مطبوعہ و مخطوطہ کتب موجود ہیں۔ اسیف جائسی (۲) حل غوامض ص ۴۴ر از حافظ عبداللہ بلگرامی طبع کانپور ۱۸۸۶ء

بیجا پور کا شاعر مرزا اپنی زندگی کا مآل مرثیہ گوئی (۱) کو قرار دیئے ہوئے تھا اور دسویں محرم کو عشرہ (۱۲۹) کے دن مرثیہ نظم کر رہا تھا کہ ایک ظالم دشمن اہلبیتؑ نے خنجر سے شہید کر دیا اور اس عقیدت کیش کو درگاہ مرتضیٰ قادری میں سپرد خاک کیا۔ عہد اکبر میں دوسرے شیعہ عالم (۱۳۰) مرزا (۲) فولاد بیگ بھی شہید ہو گئے۔ ایک چشمۂ علم وکمال تھا جو مسدود ہو گیا۔

۱۰۱۱ھ ابوالفضل (۱۳۱) کی شہادت واقع ہوئی ان دونوں محترم بھائیوں کا مدرسہ باسٹہ ضلع بجنور میں تھا اور ایک بھائی کی قبر بھی قصبۂ مذکور میں ہے۔ اور گرد ونواح میں آج تک عورتیں کند ذہن بچوں کو ان کی خاک قبر چٹاتی ہیں (۳)۔ اس صدی میں جناب غفران مآب علیہ الرحمہ کے مورث اعلیٰ سید زکریا (۱۳۲) نے نصیر آباد فتح کیا اور ان کے بیٹے سید سلیمان کی پرتاب سنگھ راجپوت نے غیر معمولی عزت وتکریم کی ۱۰۱۹ھ ۱۸؍ جمادی الاولیٰ مشہور عالم (۱۳۳) قاضی نور اللہ شوستری علیہ الرحمہ آگرہ میں خاردار ذرہ کی ضرب سے شہید کئے گئے اور ہندوستان کے حلقۂ عقیدت میں شہید ثالثؒ کے لقب سے مشہور ہوئے ملک میں تشیع کا یہ پہلا چراغ تھا جو حکومت کے ہاتھ سے گل ہوا۔ اس صدی کی ابتدا میں نور جہاں شیعہ ملکہ (۱۳۴) نے اپنے سکہ پر یہ عبارت کندہ کی: حکمت (۴) علیہ عالیة عهد علیا نور جهاں بادشاه۔ عہد جہاں گیر میں میر خاں ابن امیر خاں میر میراں (۵) نے ایک لاکھ روپیہ خدمت سلطان میں پیش کر کے اپنے نام میں الف بڑھا کر امیر خان کیا۔ ۱۰۵۲ھ عہد شاہ جہاں میں لاہور کا شالا بار باغ (۱۳۶) شیعہ شخص نواب خلیل اللہ خاں کی نگرانی میں تیار ہوا۔ دہلی کی مسجد جامع (۱۳۷) بھی اسی شخص کے زیر اہتمام تیار ہوئی۔ ۱۰۷۰ھ کے حدود میں شاہزادی زیب النساء مخفی نے پردہ میں رہ کر وہ ادبی خدمات انجام دیئے جو تاریخ شیعہ میں یادگار ہیں۔

---

(۱) مقالات ہاشمی طبع حیدر آباد۔ (۲) کنز المعرفہ ص ۲۱۰ مؤلفہ حکیم محب علی طبع ۱۳۰۸ھ۔ (۳) فتح نصیر آباد بھی کئی سو سال پہلے کی بات ہے۔ اسیفؔ جائسی (۴) آئین اکبری جواد الہ سید احمد خاں۔ (۵) مراۃ آفتاب نما۔

بارہویں صدی

۱۶۸۹ء سے ۱۷۸۵ء تک

۱۱۱۸ھ محی الدین محمد اورنگ زیب عالم گیر نے ۹۰ برس کی عمر میں احمد نگر میں انتقال کیا اور جو وصیت نامہ چھوڑا وہ ان کے آخری عقائد کی تصویر ہے۔ اس تحریر شاہی میں ۱۲ وصیتیں ہیں (۱۳۸) جن کو ۱۲ اماموں کے ہم عدد ظاہر کرتے ہوئے یمن و برکت خیال کیا ہے۔ وصیت نامہ طویل ہے۔ جو سب سے پہلے قدیم مخطوطات مرأۃ البلاد مؤلفہ میر ہاشم علی رضوی میں میری نظر سے گزرا پھر ادبی کتابوں اور جنتریوں سے نشر ہوا۔

اور کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ ان وصایا میں ورثہ کو صرفاً خاک شفا قبر میں رکھنے کی ہدایت ہے واقعۂ کربلا سے آج تک ڈھونڈھنے پر بھی کوئی مسلمان ایسا نہ ملے گا جو اس عقیدت کا ثبوت دے سادات کے ساتھ حسن سلوک کی بھی وصیت نامہ میں ہدایت ہے اور دوسری وصیت کا مطالعہ کرنے سے رجحانات تشیع میں قوت پیدا ہوتی ہے۔

۔''دوم آنکه کتابت قرآن در فرقه شیعه حرمت دارد بکفن ما یحتاج صرف نه کنند'' دوسرے یہ کہ قرآن شریف کی لکھوائی اور اجرت لینا مذہب شیعہ میں حرام ہے اس لئے یہ روپیہ تجہیز و تکفین میں صرف نہ ہو۔ آخری الفاظ یہ ہیں۔ ''بعد د مبارک اثنا عشر اختتام بردو ازده وصیت شد''۔ یہ الفاظ دلیل ہو سکتے ہیں کہ شاہ مرحوم کو اپنی حیات کے آخری دور میں شیعہ ماحول نے اس قدر متاثر کر دیا تھا کہ وہ دلی خیالات کو ضبط نہ کر سکے یا اس میں بھی کوئی سیاست ہو بارہہ کے شیعہ تعلقدار یا دش بخیر جس جس گاؤں، قصبہ دیہات پر زمینداری ضبط ہونے سے پہلے تک قابض رہے وہ اورنگ زیب ہی کا عطیہ تھا ممکن ہے اورنگ زیب کا انقلاب ذہنیت نعمت خوان عالی میر منشی کی تمام عمر پہلو نشینی کا پھل ہو لیکن سلاطین کے لئے قرآنی آوازءِ آلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (سورۃ یونس آیت ۹۱) بھی ملحوظ رہے۔

۱۱۲۱ھ میں نعمت خوان عالی نے رحلت (۱۳۹) کی وہ فتح گول کنڈہ کے وقت اورنگ زیب کے ساتھ تھے دکہن ہی میں ان کا انتقال ہوا حیدر آباد کے قبرستان دائرہ میر مومن دروازہ کے متصل دفن ہوئے اورقول معتبر یہ ہے کہ ان کی قبر صحن مسجد میں جانب جنوب مغرب ہے۔

۱۱۲۵ھ اس سال سید عبد اللہ اور سید حسن دو شیعوں نے بڑی عزت حاصل کی اور ہر دو اشخاص ہندوستان میں بادشاہ گر تسلیم کئے گئے ان کے انتخاب سے سلطان مالک تخت وتاج ہوتا تھا۔

۱۱۳۱ھ کے بعد سید عبد المجید خاں کو محمد شاہ نے دیوان (۱۴۱) خالصہ کے عہدہ پر سرفراز کیا اور میر محمد (۱)(۱۴۲) مزمل اور میر محتشم علی حشمت (۱۴۳) ابن میر باقی جو شیعہ شعرا اور ادباء میں تھے ان کو منصب عطا ہوا محمد شاہ کے وزراء میں سید عنایت اللہ خاں (۱۴۴) تھے جن کو سید کاظم مشہدی کی سگی بہن بیاہی ہوئی تھیں اور یہ شیعہ عنصر کا دور قابل ذکر ہے۔ یہ گھرانہ صاحب تصنیف بھی تھا۔

۱۱۳۲ھ سید حسین بادشاہ گر عہد محمد شاہ (۱۴۵) میں قتل کر دیئے گئے اور عبد اللہ قید میں مدت تک رہے۔

منعم الدولہ نواب محمد نعیم خاں (۲) باون ہزاری (۱۴۶) کے بارے میں تاریخ میں ہے:

بخلعت ہائے فاخرہ پالکی و نالکی جھالرداری ممتاز بود۔

۱۱۶۸ھ کے بعد بزمانہ عالم گیر ثانی لکھنؤ میں التوتاش خاں نے زیارت گاہ (۱۴۷) قدم رسولؐ کی بنیاد قائم کی اس وقت لکھنؤ میں نہ شہریت تھی نہ کوئی قابلِ ذکر خصوصیت قدم رسولؐ کی مجاورت کے لئے اپنے دو بیٹے چھوڑ کر دلی چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ قبر مزار نظام الدین اولیاء کے عقب چوسٹھ کھمبے میں موجود ہے۔ میر اشرف اور میر مشرف ویرانہ میں رہتے تھے۔

---

(۱) گلشن گفتار از سید محمد ایم اے حیدر آباد۔ (۲) فسانہ کمال میر احمد حسین رضوی۔

میر اشرف نے اشرف آباد بسایا جہاں سے رکن العزا حاجی میر نواب علی صاحب مرحوم کا تعزیہ ۶ ربیع الاول ۴ بجے دن کو اٹھتا ہے۔ میر مشرف نے اپنی قیام گاہ کا نام نوبستہ رکھا قدم رسول نوبستہ میں اب بھی موجود ہے۔ یہ لکھنؤ کی پہلی زیارت گاہ ہے جس کے بعد سلاطین اودھ اور امراء لکھنؤ نے نجف، جنت البقیع، درگاہ، زینبیہ، مشہد سامرہ، مسجد کوفہ، فرزندان مسلم، روضۂ حر، مسجد حنانہ کی نقلیں بنوائیں اور کوئی جگہ باقی نہ رکھی جس کی شبیہ اولوالعزمی سے تیار نہ کی ہو ان میں ہر زیارت گاہ کے تاریخی اور ادبی حالات عصر حاضر کے ادیب شیخ تصدق حسین صاحب بی، اے، ایل، ایل، بی حنفی شیعہ جرائد میں تحریر کر چکے ہیں اور مدرستہ الواعظین کے آرگن الواعظ میں زیادہ سے زیادہ ذخیرہ موجود ہے۔

۱۱۷۳ھ کے بعد مجد الدولہ سید عبدالاحد خاں (۱۴۸) ابن سید عبدالمجید خاں شیعہ مدبر کو شاہ عالم نے دہلی میں نائب دیوان خالصہ کے عہدہ پر سرفراز کیا۔

۱۱۹۳ھ ۲۲ رمضان کو جناب غفران مآب علیہ الرحمہ نے اپنے زمانہ طالب علمی میں اقتران مشتری از راس ذنب دریافت کیا جو ۱۴ برس کے بعد ہوتا ہے اور اس ساعت میں جو مراد مانگے وہ پوری ہوتی ہے آپ نے تحت قبہ حرم سید الشہداؑ روحی فداہ میں تا ظہور قائم آل محمدؐ اپنی اولاد میں اجتہاد باقی رہنے کی دعا (۱۴۹) کی۔

اس صدی میں جو شیعہ اکابر قتل ہوئے ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ میرزا ہاشم ہمدانی شیعہ عالم اور طبیب (۱) جو اعلم زمانہ تھے لشکر روم کے حملہ (۱۵۰) سے اپنے وطن ہمدان میں شہید ہوئے ان کی وفات سے دنیاء طب اور اقلیم ادب کو صدمہ ہوا۔

۲۔ مولانا میرزا مہدی نسابہ آپ شیراز (۱۵۱) کے شیخ الاسلام تھے فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے افغانیوں کے فتنہ میں قتل ہوئے۔

---

(۱) نجوم السماء فی تراجم العلماء ص ۲۲۲

۳۔مولانا محمد علی ابن محمد امین سکّا کی شیرازی اسی فتنہ میں شہید (۱۵۲) ہوئے۔

اسی صدی میں سلطنت اودھ (۱۵۳) کی بنیاد قائم ہوئی اور ہندوستان میں شیعہ حاکم ہوئے۔

فروگزاشت: اس کے علاوہ کتنے شیعہ علماء فضلاء ظالم حکومتوں کے ہاتھ سے تہ تیغ ہوئے جن کے سالہائے وفات ان محدود صفحات میں درج نہیں ہو سکے۔شیعوں کی مکمل قربانی سے قوم کو تعارف کرانا آسان نہیں ہے۔ربیع ابن ابی مدرک ابن ابوسعید (۲) کا کوفہ میں سولی (۱۵۴) دیا جانا امیر دوست محمد (۱۵۵) کی مسجد الحرام میں شہادت، مالک اشتر کو (۱۵۶) مہمان کر کے شہد میں ملاکر زہر دینا اور محمد ابن ابی بکر کی عبرت ناک شہادت (۱۵۷) اپنے مقام پر درج نہ ہو سکی۔

تیرہویں صدی

۱۷۸۶ء سے ۱۸۸۲ء تک

۱۲۰۳ھ فروغ شیعیت کا سب سے بڑا منظر امام باڑہ (۱۵۸) اور مسجد اور باؤلی نواب آصف الدولہ بہادر کی تعمیر ہے۔یہ وہ وقت ہے کہ شہر میں کال پڑا اور پانی نہ برسنے سے رعایا اناج کو ترسنے لگی۔غریب پرور نواب نے امام حسینؑ کے نام پر بہت بڑی عمارت بنانے کا ارادہ کیا اور دریائے گومتی کے کنارے رومی دروازہ امام باڑہ کا پھاٹک قرار دیکر عزا خانہ تیار ہوا جو دنیا میں بڑے امام باڑے کے نام سے مشہور ہے۔سن تعمیر آستان شہید ابن شہید ہے۔اس کو دیکھنے ساری دنیا کے لوگ آتے ہیں۔اتنی بڑی چھت اور غلام گردش نہ کسی عمارت میں ہے اور نہ ایسی بھول بھولیاں نیچے تہ خانے میں اور کوٹھے پر آج تک کوئی معمار بنا سکا۔کفایت اللہ نامی معمار کی یہ صنعت ہے، جو ایران کا باشندہ تھا۔

---

(۲) عیون الرجال ص ۴۴

۱۲۱۲ھ یمین الدولہ (۱۵۹) ناظم الملک نواب سعادت علی خاں بہادر جنگ نے اس سال شہر لکھنؤ کی تمام شکستہ مسجدوں کی مرمت کرادی اور اپنا گھر بہشت میں بنایا۔

۱۲۱۴ھ بنگال میں سلطان ٹیپو (۱۶۰) انگریزوں کی فوج سے شہید ہوئے۔

اس مجاہد ملّی کا جنازہ جس طرح اٹھایا گیا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آخری حالات میں شیعیت کی جھلک تھی۔ میڈوز ٹیلر انگریزی مؤرخ کے بیان کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ جلوس (مشایعت) محل سے آہستہ آہستہ نکلا۔ علماء خوش الحانی مگر نیچی آواز اور غم زدہ لہجہ میں وہ آیات (قرآن) اور دعائیں پڑھ رہے تھے جو میّت کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ جنازہ آگے بڑھا تو سنجیدگی سے بھرپور قرأت شروع ہو گئ۔ اہل علم اپنے ہوا میں اڑتے ہوئے لبادے (Flowing Robes) عبائیں زیب تن کئے ہوئے میت کے صندوق کے آگے آگے تھے اور ہر آیت (Verse) جوان حضرت کی زبانوں پر جاری ہوتی اس کو وہ سب لوگ دہرا رہے تھے جو صندوق میت کے اردگرد تھے۔

(Teepu Sultan) یہ معلوم ہے کہ حضرات اہل سنت کے جنازے چار پائی پر اٹھتے ہیں اور سورۂ رحمن و دعائے عدیلہ وغیرہ راہ میں کچھ نہیں پڑھا جاتا۔ یہ شیعہ احادیث کا حکم ہے کہ جب فَبِاَیِّ الاءِ ربکما تکذبان پڑھو تو حاضرین کہیں لا بشیءٍ مِنَ الائك ربّ اکذب اے میرے پروردگار! ہم کسی چیز کی تیری نعمتوں میں سے تکذیب نہیں کرتے۔ انگریزی مؤرخ نے اسی مقصد کو اپنی لفظوں میں بیان کیا ہے۔

۱۲۱۶ھ ۱۸رذی الحجہ (۱۶۱) کو بدھ کے دن عتبات عالیات عراق پر سعودی حکومت نے ۲۰ ہزار فوج سے حملہ کیا۔ اور کربلا کی محترم زمین پر چھ سو شیعہ، نجدیوں کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔ مظلوم نینوا کا خزانہ حملہ آور نے لوٹا۔ اس صدی کے آغاز میں سلطان محمد قاچار نے گنبد روضۂ مظلوم کربلاؑ (۱۶۲) پر سونا چڑھوایا۔

۱۲۲۱ھ ہندوستان کے ایک دریا دل امیر حاجی محمد محسن ولد حاجی فیض اللہ پسر آقا فضل

اللہ (۱۶۳) نے شیعی مفاد کے لئے وقف محسنیہؑ ہوگلی (بنگال) میں قائم کیا یہ ہندو پاک کا سب سے بڑا وقف ہے۔

غفران مآبؒ: سرزمین لکھنؤ کے پہلے مجتہد مولانا سید دلدار علی صاحب قبلہ نصیر آبادی کے مبارک قدم لکھنؤ میں آئے۔ ان کے سامنے جہالت کا وہ سیلاب تھا جس میں سنی شیعہ برابر سے ڈوب رہے تھے۔ آپ نے حکومت اودھ کو پشت و پناہ بنا کر صحیح اسلام کی تبلیغ شروع کی اور لکھنؤ کی اجاڑ زمین کو مرکز علم بنایا۔ احمد کبیر (۱) کی گائے، شیخ سدّو کا بکرا، بی بی گرج کا روٹ، میاں جلال کے کونڈے پرانی رسموں کو روکا، بھنگ پینے کے خلاف تقریر کی اور اپنی روحانیت سے جو قدم اٹھایا کامیاب ہوئے۔ آپ ایک ہاتف غیبی کی آواز پر رائے بریلی کے ضلع سے باپ دادا کا پیشہ کھیتی باڑی چھوڑ کر عرب اور عجم کی گھاٹیوں سے اکیلے اس وقت کی سواریوں پر گزرتے ہوئے برسوں کی ریاضت میں محنت کا پھل پا کر اپنے دیس میں آئے۔ زمانہ ساز گار تھا تو قدرت نے اولاد بھی دی اور بیٹیوں کے ماسوا پانچ بیٹے عطا ہوئے جو اپنے کمالات میں ایک سے ایک بہتر تھا اور بھائیوں میں عباسؑ اور حسینؑ کی ایسی الفت تھی۔ یہ خدا کی دین تھی تو اس وقت ہندو پاک اور عراق میں پانچوں مرد اور عورت اور بچے ان کی نسل میں موجود ہیں خدا ان کو علم و عمل کی توفیق دے بحق محمدؐ و آلہ۔ مولوی مدن (۲) ہر دل عزیز شخص اپنے زمانہ میں جو نہ کر

---

(۱) اہل سنت کے ایک ولی جن کا ۱۲۷۵ھ میں وصال ہوا۔ (۲) آپ کا دور زندگی عہد شاہی سے پہلے تھا افسوس ہے کہ اس وقت میرے سامنے شرح بکا مطبوعہ اثنا عشری پریس ۱۳۲۱ھ لکھنؤ نہیں ہے۔ اس کتاب کے فاضل مؤلف مولوی علی نقی صاحب جائسیؒ ص ۱۸ میں مولوی صاحب کا اصلی نام بتایا جو شخص واقفیت حاصل کرنا چاہے وہ رسالہ مذکورہ دیکھے مولوی صاحب کی مرنجاں مرنج زندگی سے ان کا نام باقی رہ گیا۔ مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی۔ (امیر مینائی) ان کے لڑکے مولوی سدن غفران مآبؒ کے ہم عصر تھے۔ بوستان اودھ مؤلفہ درگا پرشاد ص ۱۰۳ اور حیات حافظ رحمت خاں ص ۱۹۵ و ۱۳۲۹ھ اور تذکرہ بے بہا فاضل نوگانوی ص ۷۹ میں ان کے تذکرے ہیں۔ مولانا میر محمد باقر صاحب مرحوم تلمیذ جناب غفران مآبؒ اور مولوی سدن صاحب سے نماز تراویح پر ایک دلچسپ مکالمہ ہوا تھا جو ارشاد یہ چودھویں رات کے چاند ص ۶۷۵ میں موجود ہے۔

سکا وہ غفران مآبؒ کے مقدس ہاتھوں سے ہوا اور دلدار علی کی تبلیغ نے ہر شاہ و گدا کو برابر سے ہدایت کی راہ دکھائی۔لکھنؤ میں بے دینی کی مورچہ بندی،صوفیت کے قلعے تھے،جن کی غفران مآب نے اینٹ سے اینٹ بجادی۔

سب سے پہلی نماز جماعت نواب حسن رضا خاں کی مسجد میں ہوئی جس میں خودنواب آصف الدولہ شریک تھے۔لکھنؤ کی زندہ تاریخ داروغہ سید محمد صاحبؒ نے مجھ سے بتایا کہ یہ مسجد مکان مرزا علی قدر صاحب مرحوم کے محاذ میں تھی جو کمپنی باغ کی تعمیر میں عہد ایسٹ انڈیا کمپنی کے بعد شہید (۱۶۰) ہوگئی۔اب اس جگہ چوک کا جدید بزارہ ہے پہلی نماز جمعہ بھی غفران مآبؒ ہی کی اقتدا میں ہوئی۔

آپ نے لکھنؤ میں مسجد (۱۶۲) امام باڑہ (۱۶۳) بنوایا، کتب خانہ قائم (۱۶۴) کیا شاہ کی طرف سے حسن خدمات میں بارہ مواضعات دیئے گئے جو عہد جناب بحر العلوم جناب علّن صاحب قبلہ مجتہد تک باقی رہے ورثاء نے خورد و برد کر دیئے کتب خانہ (۱) تلف ہو گیا۔

تاریخ سے ثابت نہیں ہے کہ مقامی علماء اہل سنت میں غفران مآبؒ سے کسی کو اختلاف خیال ہوا ہو۔آراضی درگاہ قدم رسول نوبستہ لکھنؤ (جس کا گذشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے) کے ورثہ میں جب مقدمہ بازی کی نوبت پہنچی اور مدعی علیہ نے مفتی غلام حضرت (۲) اور غفران مآبؒ کو سرپنچ بنایا اور دو سنی شیعہ عالموں کی نگرانی میں شیعہ قانون میراث کی تحت میں ورثہ تقسیم ہوا۔اس دستاویز پر علماء فریقین کی دستخطیں دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں اتحاد عمل تھا۔

---

(۱) اس کتب خانہ کا ایک بیش بہا مخطوطہ پارۂ قرآن مجید بخط امام رضاؑ میں نے ایک شیعہ ریاست میں دیکھا جواب بھی وہاں موجود ہے۔ اس کتبہ پر غفران مآبؒ کے فرزند مولانا سید علی صاحب قبلہ کی مہر سیاہی خام موجود ہے۔(۲) مغربی حصہ شہر میں مفتی گنج آپ کا آباد کیا ہوا مشہور محلہ ہے جہاں مفتی کی کھڑکی آج تک مشہور ہے۔

غرض ایمان وعمل کا ستارہ افق مذہب پر غفران مآبؒ کی بدولت چمکا اور مقامی اصلاح سے فارغ ہو کر آپ کی توجہ گردونواح پر مبذول ہوئی اور شیخ الہند عبدالعزیز دہلوی مذہب امامیہ کے خلاف جو اقدام کر رہے تھے اس کے جواب کا بیڑا اٹھایا حسام اور ذوالفقار ایسی کتابیں لکھ کر عماد الاسلام کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کیا تحفہ اثنا عشریہ کی رد آپ کے ہم عصر فاضل جلیل حکیم مرزا محمد کامل ابن عنایت احمد خاں کشمیری نے بھی نزہہ اثنا عشریہ کی صورت میں فرمائی۔

دہلی میں رہ کر دہلوی عالم کی رد بڑے دل اور جگر کا کام تھا وہی ہوا کہ مخالف ماحول نے ان کو علاج کے حیلہ سے بحیثیت طلب کر کے زہر دے دیا اور جس سال جناب غفران مآبؒ نے ۱۲۳۵ھ میں رحلت کی اسی سال آپ کی شہادت ہوئی۔

نہیں کہا جا سکتا کہ ہر دو علماء میں کس کی وفات پہلے ہوئی اور خدمت دین میں کون سابق تھا صاحب نزہہ شہید ہوئے مگر ان کی نسل میں علم نہیں رہا۔ غفران مآبؒ کی نسل میں ان کی وفات کے بعد سے ہر دور مجتہدین سے معمور رہا۔

اسی لئے ان کے گھرانے کو خاندان اجتہاد کا لقب حاصل ہے۔ شیعہ علماء میں شہیدوں کی ترتیب کے لحاظ سے فاضل دہلوی کو شہید رابع کہا گیا۔ درگاہ پنجہ شریف دہلی میں ان کی قبر مبارک آج بھی موجود ہے اور غفران مآبؒ ۵ مجتہد بیٹے چھوڑ کر اپنے امام باڑہ میں آرام کرتے ہیں۔

شجرہ

آئندہ صفحات میں اپنے محل پر کسی قومی خدمت اور نصرت دین کے سلسلے میں جن اہل علم کے نام آنے والے ہیں وہ اس مختصر نسب نامے میں مورثِ اعلیٰ سے ان کا رشتہ بتائیں گے۔

علاّمہ سید لدار علی غفران مآبؒ (آپ کے پانچ فرزند)

۱۔سلطان العلماء (۱) سید محمد رضوان مآب بڑے قبلہ وکعبہ

۲۔سید علی مجتہد ۱۸۲۳ء کربلائے معلےٰ میں انتقال کیا۔

۳۔سید حسن مجتہد

۴۔سید مہدی مجتہد عنفوان شباب اور حیات والدین میں رحلت کی

۵۔سید العلماء سید حسین علیین مکان (۲)

۶۔منصف الدولہ (۳) سید محمد باقر ابن سلطان العلماء خلف اکبر زوجۂ اولیٰ کے بطن سے

۷۔دختر منصف الدولہ وزوجۂ زبدۃ العلماء علی نقی

۸۔دختر زبدۃ العلماء وزوجۂ سید العلماء سید محمد ابراہیم

۹۔تاج العلماء سید علی محمد ابن سلطان العلماء سید محمد نقوی زوجہ رابعہ سے (۴)

---

(۱) امام باڑۂ غفران مآبؒ کی شہ نشین میں قبر ہے (۲) امام باڑۂ غفران مآبؒ کی غربی صحنچی میں دفن ہیں قبر پر بہت بڑا سنگ مرمر نصب ہے اوراق الذہب میں سوانح حیات موجود ہیں (۳) کربلائے معتمد الدولہ واقع مہدی گنج لکھنؤ آپ ہی کی تعمیر کردہ ہے اور پختہ مسجد احاطہ کربلا میں اب تک موجود ہے (۴) مجسمہ کمال اور خاندان میں کثیر التصانیف تھے، عبرانی زبان بھی جانتے تھے۔

۱۰۔سید مہدی مجتہد ابن حضرت غفران مآبؒ

۱۱۔عمدۃ العلماء محمد ہادی ابن سید مہدی مجتہد

۱۲۔عماد العلماء میر آغا

ابن صدر الشریعۃ عمدۃ العلماء سید محمد ہادی

۱۳۔دختر عمدۃ العلماء سید محمد ہادی وزوجۂ کلب عابد جائسی

۱۴۔قدوۃ العلماء آقا حسن ابن مولانا سید حسن کلب عابد
ابن مولانا سید کلب حسین جائسی

۱۵۔ممتاز العلماء فخر المدرسین سید محمد تقی جنت مآب

ابن سید العلماء سید حسین (۱)

۱۶۔سید العلماء سید محمد ابراہیم ابن ممتاز العلماء سید محمد تقی

۱۷۔مولانا سید محمد تقی گوشہ نشین ابن سید العلماء سید ابراہیم

۱۸۔آغا مہدی مؤلف ابن زین العلماء سید محمد تقی

اسی صدی (۱۶۶) میں شاہ غازی الدین حیدر مرحوم کے حساس دماغ کو خیال ہوا کہ حکومت اودھ پر شاہانہ تسلط جائز اسی وقت ہوسکتا ہے جب سلطنت غفران مآبؒ کے خلف اکبر سلطان العلماء سید محمد صاحب قبلہ رضوان مآب المتوفی ۱۲۸۴ھ کو سپرد کردی (۱۶۷) جائے۔وہ بحیثیت مجتہد العصر والزمان حکومت کریں۔

رضوان مآب نے دنیاوی حکومت سے انکار کرتے ہوئے اپنی طرف سے تخت وتاج سپرد کیا اور حکومت اودھ حدود شرع میں آئی۔

---

(۱) مسجد تحسین کی پشت پر امام باڑہ موجود ہے اسی جگہ آپ کی قبر بھی ہے۔وقف ممتاز العلماء حکومت کی طرف سے کمیٹی کے زیر انتظام ہے۔

۱۲۴۷ھ میں نصیر الدین حیدر بادشاہ نے چوک (۱۶۸) میں شفا خانہ یونانی شاہی قائم۔کیا جہاں مریضوں کو دوا مفت دی جائے اور اطباء ضرورت دیکھیں تو ان کو دوا اور غذا کا انتظام کر کے تاصحت ٹھہرائیں، یہ دارالشفاء آج تک بلا استثناء مذہب وملّت لاتعداد مریضوں کو صحت بخش ادویہ باٹتا ہے اور شاہ موصوف اور محمد علی شاہ بادشاہ کے ۳ لاکھ روپیہ سرمایہ سے جاری ہے۔

شاہ موصوف کی طرف اسی سنہ میں دوسرا کارخیر (۱۶۹) ساڑھے ۳ لاکھ روپیہ سرمایہ سے خلق خدا کو فائدہ پہنچانے کے لئے خیرات خانہ شاہی کے نام سے شروع ہوا، جہاں ۶۵ لاوارث عورتیں اپاہج مرد، بوڑھے جن کی بسر کا کوئی ذریعہ نہ ہو، گھر کی طرح رکھے جاتے ہیں اور چار روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ یہ ادارہ ایک ہوشیار اور بادیانت کمیٹی کے سپرد ہے جو اچھا کام کر رہا ہے۔

۱۲۵۲ھ فتح اللہ خاں افغان نے ایران (۱۷۰) پرحملہ کیا۔خزانہ شاہی لوٹا عورتوں کو اسیر کیا۔

۱۲۵۴ھ حسین آباد کا خوبصورت (۱۷۱) امام باڑہ عظیم اللہ خاں نامی ادنیٰ عقیدت کیش کے دل کی ہمت اور دماغ کی کاوش سے بن کر تیار ہوا ابوالفتح معین الدین محمد علی شاہ بادشاہ کو پسند آیا پائی پائی قیمت ادا کر کے خود قبضہ کیا مگر لوح تعمیر باقی رکھی۔ع

از فلک آمد ندا نامی عظیم اللّٰہ خاں۔مادہ۔تاریخ اب تک پہلے پھاٹک کے پہلو میں ہر سیّاح کے سامنے ہے۔رئیس منزل اور شریف منزل بھی عمارت کا جز ہیں جو غربا اور نادار کے لئے غریب پرور شاہ کی طرف سے بنائی ہیں اور غریب مومنین یہاں رہتے ہیں۔

۱۲۵۵ھ ۱۵/رمضان کو شاہ موصوف (۱۷۲) نے امام باڑۂ مذکور شیعی مفاد کے لئے وقف کرتے ہوئے ایسٹ انڈیا کمپنی سے ایک معاہدہ کیا اور تولیت کو منحصر قرار دیا اولاد نواب رفیق الدولہ سید امام علی خاں بہادر اور عظیم اللہ میں۔قرآن مجید کی اردو میں پہلی تفسیر شاہ موصوف ہی کے عہد میں لکھی گئ اس تفسیر کا نام توضیح المجید (۱۷۳) اور مؤلف مولانا سید علی صاحب مجتہد

غفران مآبؒ کے بیٹے تھے جنہوں نے کربلا میں رحلت فرمائی اور ۱۲۵۹ھ میں اسی زمین پاک پر سپرد خاک ہوئے۔ تفسیر شاہی پریس میں دو ضخیم جلدوں میں طبع ہوئی۔

۱۲۶۴ھ ایران میں قزوین کے عالم جلیل (۱۷۴) اور مجتہد جامع الشرائط ملا محمد تقی برغانی کو صحن مسجد اثناء عبارت (۱) الہٰی میں نیزہ سے بابی گروہ نے شہید کر دیا ایران کے اہل قلم نے جن کے سامنے فاضل دہلوی کی خبر شہادت نہ تھی ان کو چوتھا شہید کہا ہے۔

عبائر الانوار جلد اول میں ان کا مفصل حال ہے۔ اس صدی اور شیعہ سلطنت میں عزاداری کو بہت بڑا فروغ ہوا انیسؔ اور دبیرؔ اور مشیرؔ ایسی ہستیاں پیدا ہوئیں جن پر شیعیت کو بجا طور پر ناز ہے اور اردو ادب کو بھی میر صاحب اور مرزا صاحب نے آسمان پر پہنچایا۔ اسی صدی (۱۷۵) میں آخری تاجدار دہلی محمد ابوالظفر سراج الدین بہادر شاہ ثانی نے مذہب شیعہ اختیار کیا اور مرزا حیدر شکوہ نے دہلی سے جناب رضوان مآب علیہ الرحمہ کو لکھا کہ شاہ دہلی مذہب شیعہ اختیار کرتے ہیں ان کی صحت ایک خاص مرض میں خاک شفا سے ہوئی۔

درگاہ حضرت عباسؑ میں علم چڑھایا مولوی امیر احمد علوی نے بھی اپنے مقالات میں تشیع کو تسلیم کیا ہے شاہ موصوف کے پرجوش اشعار منقبت اور پردرد نوحے مناجاتیں زباں زد ہیں جن میں بعض بیانات اور کچھ حالات عبائر الانوار جلد سویم میں نذر قرطاس کئے گئے ہیں۔

۱۲۶۹ھ ۵/ یا ۷/ محرم کو احمد آباد گجرات سے ۱/۳ فرسخ پر ایک غیر مسلم عورت کا شوہر قتل ہونے کے بعد باعجاز مظلوم کربلاؑ زندہ ہوا۔ گرد و نواح کے تین سو اشخاص (۱۷۷) اسلام لائے۔ دو عیسائی آدمیوں نے مذہب حق قبول کیا۔ عزیز اللہ نامی ایک سچّے مسلمان نے جناب علیین مکان المتوفی ۱۲۷۴ھ کو جو شیعی دنیا کے مجتہد اعظم تھے۔

---

(۱) قصص العلماء فاضل تنکابنی

خط لکھ کر خبر دی۔ دکن کے جرائد میں یہ واقعہ نشر ہوا۔ استاد کے ایما خط لکھ کر خبر دی۔ دکن کے جرائد میں یہ واقعہ نشر ہوا۔ استاد کے ایما سے مفتی علّام سید محمد عباس شوستری نے اس واقعہ کو نظم کیا، جو مثنوی بیت الحزن مطبع سید المطابع امروہہ میں باہتمام سید محمد حسین ۱۳۰۱ھ میں طبع ہوئی۔ اس زمانہ کے شعراء نے تاریخیں نظم کیں ۔

زہے جاں رفت از تن باز آمد

یہ تمام جملہ حالات مثنوی میں ملاحظہ ہوں۔

۱۲۷۲ھ میں سلطنت اودھ (۱۷۸) ختم ہوئی اور صوبۂ اودھ پر انگریزوں کا قبضہ ہوا واجد علی شاہ آخری تاجدار کو نظر بند کر کے کلکتہ روانہ کر دیا۔

۱۲۷۴ھ اس سال حکومت اسلامی (۱۷۹) دہلی سے ختم ہوئی اور پورے ملک پر برطانیہ کا قبضہ ہو گیا۔ بہادر شاہ دہلی سے قید کر کے سمندر پار صوبۂ برما رنگون پہنچا دیئے گئے۔ ان کے بیٹوں کے کٹے ہوئے سر خوان میں رکھ کر ان کے سامنے لائے جاتے تھے اور ان کی زبان پر مصیبتوں میں ۵ مصرعوں کا ایک خمسہ تھا جس کی آخری بیت یہ ہے ۔

آیئے اب تو مدد کے واسطے بہرِ خدا
یا حسین بن علیؑ بندہ بہت لاچار ہے

غدر:

اسی سال ۱۰ ارمئی ۱۸۵۷ء اتوار سے (۱۸۰) میرٹھ میں غدر شروع ہوگئ اور دہلی سے لکھنؤ تک فتنہ وفساد کی وہ آگ بھڑکی جس نے ہزاروں گھر بے چراغ کر دیئے۔ بھگدر میں کتنے شیعہ قتل ہوئے اور کون کون برباد ہوا۔ کسی کا کلکتہ کی طرف رُخ ہوا کوئی نیپال چلا گیا۔ کوئی بغرض فریاد رسی لندن روانہ ہوا۔ بعض دین داروں نے کربلائے معلیٰ (۱) کی طرف ہجرت

---

(۱) تذکرۂ بلاطبع نول کشور ۱۸۹۹ء مؤلفۂ محمد میرزا لکھنوی۔

کی اور جدھر سے آئے تھے ادھر ہی گئے۔ لوٹ مار میں جو شیعہ قتل ہوئے اس کے علاوہ مذہبی کینہ اور شیعہ ہونے کے جرم میں بھی جانیں گئیں۔ حکومت اودھ اپنے اقتدار سے مذہبی فسادات کو جورو کے ہوئے تھی اس کے ہٹ جانے پر خوب دلوں کا بخار نکلا مخالفین نے نہر اور راہ (۱) کی دو لفظیں ایجاد کی تھیں جس سے سنی شیعہ مراد لئے جاتے تھے اس اشارہ سے رافضی واجب القتل (۱۸۱) تھے۔

زور ہی کیا تھا جفائے باغباں دیکھا کئے
آشیاں اجڑا کیا ہم ناتواں دیکھا کئے

ہنگامی صورت میں گوروں کی یلغار سے جانوں پر بنی اور بہتیروں کو بغاوت کے الزام میں (۲) پھانسیاں دی گئیں۔ مولوی مرزا محمد باقر (۱۸۲)، نواب اقبال مند خاں (۱۸۳) دہلوی، مرزا عباس بیگ (۱۸۴)، نواب غضنفر حسین خاں (۱۸۵)، امجد علی خاں (۱۸۶) وغیرہ کو سزائے موت ہوئی ملکۂ وکٹوریہ کے اعلان مورخۂ ۳۰ر نومبر ۱۸۵۸ء سے امن ہوا اور ایک حد تک مذہبی آزادی ہر قوم کو ملی۔

۱۲۷۹ھ میں ۵ برس کی قید سخت کے بعد (۱۸۷) بہادر شاہ ظفر پر قید میں فالج گرا اور پردیس میں قضا کر گئے۔ آج کل ان کا مقبرہ اچھی حالت میں ہے۔ مجاور اور قرآن خوان بھی ہیں۔ دور دور کے سیّاح اس مجاہد ملّت کا نشان قبر دیکھنے آتے ہیں۔ ہم نے اپنی ضخیم کتاب سفینۂ حیات میں اس مزار کا چشم دید حال تحریر کیا ہے۔

۱۲۸۱ھ میں (۱۸۸) (بعد غدر) شاہ نصیر الدین حیدر بہادر مرحوم کے سرمایہ سے محلۂ حیدر گنج قدیم میں اسپتال انگریزی دواؤں کا کھولا گیا تا کہ عام مریضوں کا ڈاکٹری علاج ہو اور حسب ضرورت بیماروں کو ٹھہرا کر بھی مدد پہنچائی جائے۔ یہ اسپتال ۱۸۶۴ء میں قائم ہوا تھا اور عمارت جدید چونہ کاری میں قدیم کتبہ اب بھی کچھ کچھ پڑھا جاتا ہے۔

---

(۱) کلیات منیر شکوہ آبادی المتوفی ۱۲۹۰ھ۔ (۲) کلیات منیر شکوہ آبادی المتوفی ۱۲۹۰ھ۔

اس وقت بھارت کی حکومت نے اس ڈسپنسری کو آئیرویدک کالج کی صورت کر دیا ہے۔

اس صدی میں کمالات اطباء یونان کی صحیح یادگار حکیم ببّا صاحب (۱۸۸) مرحوم اور حکیم مرزا علی محمد مشہور بحکیم کوچک شہر لکھنؤ میں طبّی خدمات انجام دیتے رہے۔ موجودہ اطباء انہیں کی نسل اور شاگردوں میں ہیں۔

معذرت

شاہان اودھ کے پبلک خدمات کا یہ ایک مختصر خاکہ تھا۔ تشیع کی تاسیس میں مدرسۂ ایمانیہ انہیں کی دولت سے قائم ہوا۔ درگاہ، کربلا، امام باڑے بنے۔ جمعہ مسجد تعمیر ہوئی۔ سلطانی مطبع نے شیعہ تالیفات کی نشر واشاعت کی۔ مدرسۂ سلطانیہ قائم ہوا۔ ہزار ہا روپیہ مشاہد مقدسہ میں تقسیم کے لئے روانہ ہوا اور اب تک تنخواہیں عرب وعجم کو بٹتی ہیں۔ نہر آصفی نواب آصف الدولہ مرحوم کے روپیہ سے پانی پہنچانے کے لئے اس ارض مقدس پر بنائی گئی۔

روضوں کی تعمیر میں گرانقدر رقوم بھیجے گئے۔ مکانات خرید کر نووارد زائروں کے لئے وقف کئے گئے۔ وہاں ٹھہرنے کے لئے سرائے بنوائی بمبئی میں ببر علی کا امام باڑہ اسی مقصد کے لئے تعمیر ہوا۔ ایک دودی جہاز زائروں کو بصرہ پہنچانے کے لئے خریدا گیا لیکن لکھنؤ سے وہاں تک سیکڑوں کوس کی دوری ہونے سے سب مال دوستوں کا ہوگیا ہماری کتاب احیاء الآثار میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

علماء کرام کا طرز نگارش

اس صدی میں دیکھنا ہو تو ان کی قلمی آزادی ضربت حیدریہ، سم الغار، عبقات الانوار کے صفحات میں دیکھو کتاب ردیہ قبقاب پڑھو جس کی نشر واشاعت کے جرم میں میر عابد علی صاحب مرحوم شیعہ پریس کے بانی ۱۲۸۷ھ کے بعد مدت تک قید رہے۔ (۱۸۹)

یہ کتابیں اگر پڑھنے کی قابلیت نہ ہو اور دستیاب نہ ہوں تو بنیاد اعتقاد کا مطالعہ کرو اردو کا مطلع جتنا پیشتر تاریک تھا اس قدر اس صدی میں نہیں رہا اور عربی علم کلام کے بادل ہٹا کر فارسیت کی

گھٹائیں اٹھیں اردو داں ناظرین از دام جستہ سوئے دام می رود کا مصداق تھے کہ جناب تاج العلماء نے لکھنؤ سے اردو زبان کے فروغ کا بیڑا اٹھایا۔

دو عظیم الشان کتب خانے

مکتبہ غفران مآبؒ کے علاوہ جس کے تلف ہونے کا اوپر ذکر ہو چکا ہے عہد شاہی ختم ہوتے ہوتے لکھنؤ میں دو کتب خانے اور قائم ہو گئے۔ ایک کتب خانہ ممتاز العلماء فخر المدرسین سید محمد تقی جنت مآبؒ (۱۹۰) کا دوسرا کتب خانہ حجۃ الاسلام مولانا سید حامد حسین (۱۹۱) صاحب قبلہ صاحب عبقات الانوار کا۔ اول الذکر میں فقہ اور تفسیر کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ ہے جو عراق وحجاز میں بھی نہیں ہے اور مصنفین کے اصل مخطوطات، سلاطین دنیا کے کتب خانوں کی خاص کتابیں ہیں۔

سونا چڑھے ہوئے مختلف الالوان چوتھی صدی کے قدیم نوشتے آلات ریاضی اور کمیاب کتابوں میں تفسیر ثعلبی کا خرمہ کی روشنائی سے لکھا ہوا قدیم نسخہ جس کی قیمت ۱۹۱۹ء میں سشن جج لکھنؤ نے ایک لاکھ روپیہ تجویز کی اور شہید اول علیہ الرحمہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا صحیفہ کاملہ اور تفسیر منبع عیون معانی اور فقہ رضوی نسخہ امام سے مطابق بکثرت کتابیں قابل ذکر ہیں جن کے تعارف میں ایک کتاب چاہئے۔

اس لائبریری میں وہ کتاب بھی موجود ہے جو عراق سے روانگی کے وقت سمندر میں گر گئی تھی اور ساحل بمبئی میں شکم ماہی سے برآمد ہوئی۔ مکتبہ ممتاز العلماء اور ضمیمہ کتب خانہ میں ۴۲۴۱ کتب موجود ہیں۔ چھپی ہوئی بہت تھوڑی ہیں۔ غدر ۱۸۵۷ء میں اس کتب خانہ (۱۹۲) کو شہد کی مکھیوں نے بچایا۔ گورے سب نگینے لئے ہوئے جب داخل ہوئے تو چھتہ مکھیوں کا ٹوٹ گیا۔ بطخیں پلی ہوئی تھیں جن کو وہ لے گئے اور کتابیں محفوظ رہیں۔ کتب خانہ صاحب عبقات ہندوستان کے تمام کتب خانوں میں ممتاز اور کتب اہل سنت کا وہ نادر ذخیرہ ہے جو دنیا بھر میں نہیں ہے۔ یہ کتب خانہ بھی غدر میں تلف ہوا۔ اور کتابوں کے صندوق ایسے شخصوں تک پہنچے جنہوں نے پوری حفاظت سے کتابیں واپس کر دیں ذالك فضل الله يوتيه من يشاء کل کے علماء صاحب کرامات تھے اس کتب خانہ میں ۳۰ ہزار کتابیں ہیں۔

چودھویں صدی

۱۸۸۳ء سے ۱۹۴۹ء تک

جس طرح چودھویں منزل میں پہنچ کر چاند کامل ہوتا ہے اسی طرح چودھویں صدی شروع ہوتے ہوتے شیعہ دنیا کے ہر خطہ میں پہنچ گئے۔ افریقہ ماڈاگاسکر میں بھی شیعیت کے قدم جم گئے۔ قریب العہد ہونے سے اس صدی کے واقعات کا احاطہ دشوار ہے اور اہم مشہور حوادث پر توجہ مبذول کی جاتی ہے۔

۱۳۰۱ھ غدر کے بعد سے امام باڑۂ آصف الدولہ اور مسجد انگریز فوجوں کا قلعہ قرار دی گئی تھی اور ٹیلہ کی مسجد میں ملیٹری کی ڈسپنسری تھی۔ لکھنؤ کے مجتہد اعظم سید العلماء مولانا سید محمد ابراہیم صاحب قبلہ کا حساس دماغ اس کو کیوں کر گوارا کرسکتا تھا، حکام شہر سے گفتگو کر کے انتھک کوشش کے بعد آپ نے امام باڑہ کو واگذار کیا اور ۲۰/جون ۱۸۸۴ء (۱۹۴) کو یہ عظیم الشان عمارت جناب کی نگرانی میں آئی اور ۲۴/جولائی ۱۸۸۴ء (۱۹۵) کو آپ نے مسجد آصفی میں نماز عید پڑھائی۔ ٹیلہ کی (۱) مسجد میں اس سے پہلے بھی حضرات اہل سنت نماز پڑھتے تھے۔

وہ مسجد سنّی حضرات کے لئے تجویز کی۔ عیدین اور جمعہ کے سنی شیعہ اجتماعات اب بھی انہیں دو مسجدوں میں ممتاز طور پر ہوتے ہیں۔ آخر میں شیعہ مجتہد نے دنیا کے سب سے بڑے امام باڑہ (۱۹۶) اور ممتاز مسجد کو وقف حسین آباد مبارک کے سپرد کر دیا اور ٹرسٹ کو وہ مدد پہنچائی جو اپنی آپ نظیر ہے۔ اس اہم خدمت دین کے کاغذات کا مفصل حوالہ جناب مرحوم کی سوانح حیات میں موجود ہے۔

---

(۱) یہ مسجد شاہ پیر محمد شاہ صاحب کی تعمیر کردہ ہے، موصوف نے اپنی تالیف مصالح الطالبین کے دیباچہ میں اپنا مسلک اس طرح ظاہر کیا ہے کہ خلافت باطنی اور خلافت کبریٰ کے حامل حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے اور خلافت ظاہری اور خلافت صغریٰ خلفاء کو ملی۔

۱۳۰۲ھ (۱۹۷) میں قرآن مجید کا پہلا کامیاب اردو ترجمہ تاج العلماء مولانا سید علی محمد صاحب مجتہد مرحوم نے فرمایا اور ان کے حلقہ بگوش نواب محمد حسین قلی خاں کے نام سے ۷۹۶ صفحات پر مطبع حسینی اثنا عشری سے نشر ہوا۔ ۱۳۰۳ھ (۱۹۸) اس سنہ میں جاورہ کی زیارت (۱) گاہ سے جو روشنی اور نور (کرامات) ظاہر ہوتے رہے اس کی تیسری جلد چھپی۔

۱۳۰۶ھ لکھنؤ میں ایک فرقہ وارانہ فساد ہوا اور ۶/رجب پارڈالی گنج میں وقت اذاں نمازیوں پر حملہ ہو گیا اور بناء مخاصمت یہ قرار دی کہ خلیفۂ بلا فصل کی لفظیں تبرّا ہیں باہمی تصادم میں مجسٹریٹ نے شوال میں مسمی احمد حسین آصف حسین، نظیر ہادی، عنایت عباس وغیرہ کو ۶ مہینہ اور تین مہینہ اور دو مہینہ کی سزا دیکر جیل بھیج دیا۔

شیعہ پبلک میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور وہ فقرات اذان جو دن بھر میں کم از کم ۳ مرتبہ سلف سے آج تک کہے گئے اور کسی نے نہ روکا قابل اعتراض قرار دینے پر جگہ جگہ فساد کا اندیشہ ہوا مگر خدا کا شکر ہے کہ اذان ایک وقت بھی موقوف نہ ہوئی۔ خوش قسمتی سے مجتہد اعظم سید محمد ابراہیم صاحب قبلہ کا زمانہ تھا آپ کی سرپرستی میں مدافعت ہوتی رہی حتیٰ کہ کرنیل نیوبری F.M. Newbery کے بنگلہ پر جناب سے ایک سخت گفتگو ہوئی اور آپ کسی قیمت پر اس کے اذان سے خارج کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ یہاں تک ملکۂ وکٹوریہ آنجہانی سے مقامی حکام کی سختی کا شکوہ کیا گیا اور عرضداشت کے جواب میں ۱۸۸۹ء میں ولایت سے نیوبری صاحب کے عہدہ سے ہٹانے کی اطلاع آئی اور زیر بحث (۲۰۰) فقرات غیر دل آزار رسم قدیم کے مطابق قرار دیئے گئے۔ اذان میں خلیفته بلا فصل کہنا بند نہیں ہوا۔ اس محیر العقول کامیابی کے ایک سال بعد شیعی دنیا کا یہ مجتہد اعظم تو رحلت کر گیا مگر یاد دنیائے تشیع کے چپہ چپہ میں نام باقی ہے۔ ۱۳۱۱ھ (۲۰۱) لکھنؤ میں وقف داراب علی خاں قائم ہوا۔

---

(۱) جلد سویم ماہ جمادی الاخریٰ میں باہتمام منشی محمد قمقام الدین پوسٹ ماسٹر مطبع صفدری بمبئی سے طبع ہوئی۔

فتنۂ مستبدہ ومشروطہ

۱۳۲۴ھ میں عراق میں ایک سیاسی انقلاب برپا ہوا جس کا مختصر اثر تاریخ میں یہ ہے کہ اس (۱) فتنہ نے بادشاہوں کو تخت سے اتار اصاحبان اقتدار کو گرایا۔

اسلام میں وہ رخنہ پیدا ہوا جو ظہور حضرت حجتؑ سے دور ہوسکتا ہے۔ محتاط علماء قتل ہوئے اور عادل وزیروں کی جان گئی۔

۱۳۲۵ھ آقائے قوم قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن (۲۰۳) صاحب قبلہ مجتہد نے قومی انحطاط دیکھ کر شیعہ کانفرنس قائم کی اور شیعہ قوم کو بھی یہ درجہ حاصل ہوا کہ دوسرے اقوام کے دوش بدوش اپنے حقوق طلب کرے۔

۱۳۲۶ھ لکھنؤ میں فرقہ وارانہ فساد پھر شروع ہوا (۲۰۴) اور ایک فساد پسند گروہ نے ایام عزا میں چار یاری جھنڈے کی بنیاد قائم کرنا چاہی۔ کئی سال یہ انوکھی تحریک نقص امن کا سبب بنی رہی۔ کئی کئی موقعوں پر فسادات ہوئے۔ عشرہ کی لڑائی میں بھوکے پیاسے شیعوں پر چوک میں سخت حملہ ہوا۔ امام باڑۂ ممتاز العلماء طاب ثراہ سے حکیم میر حیدر حسین (۲۰۵) صاحب بوڑھے نورانی صورت کمر جھکی ہوئی گلے میں رسّی ڈالکر مچھلی والی بارہ دری لائے گئے (۲) کوتوال نے فرشتہ کو لباس بشر میں دیکھ کر چھوڑ دیا ان کے بیٹوں اور پوتے کو حوالات میں بھیج دیا۔ محلۂ ٹیڑھی بازار لکھنؤ میں عید شجاع کی ایک سالانہ محفل ربیع الآخر کے مہینے میں ہو رہی تھی چاروں طرف سے پتھر آنا شروع ہوئے۔ حاضرین نے پر امن طریقہ سے چاہا کہ محفل برخواست ہو جائے تو دیکھا گھر کا محاصرہ ہو گیا تھا۔ جو نکلتا تھا اس پر لاٹھیوں سے حملہ ہوتا تھا۔

---

(۱) احسن الودیعہ میں اس انقلاب کا اسی قدر تذکرہ ہے قتل فیها العلماء الورعون والوزراء العادلون ص ۳۸۹ طبع نجف وشعر وشاعری عصر جدید ایران خطابہ آقا سید محمد علی پرفسور نظام کالج حیدر آباد ص ۹ حیدر آباد ۱۳۴۶ھ۔ (۲) اس قدیم عمارت کا نام جہاں ابتداء انگریزی سے پولیس اسٹیشن تھا۔

شیدی جعفر خاں (۲۰۶) ۷۰ برس کے بوڑھے ایک غیور شخص تھے۔ کوٹھے پر سے کود پڑے حتی الامکان اپنے تئیں بچاتے رہے مگر کمین گاہ سے ایک حملہ ہوا اور جاں بحق تسلیم ہوئے۔ یہ اس غیرت دار طبقہ سے تھے جو تنگدستی میں سوال کا عادی نہ تھا مرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس دن فاقہ سے تھے۔

میرے چچا ممتاز العلماء مولانا سید ابوالحسن عرف منن صاحب قبلہ مجتہد نے نماز جنازہ پڑھائی، اس ہلچل میں شیعہ رؤساء میں مرزا بہادر مرزا محمد عباس المتوفی ۱۳۲۸ھ اور شیخ یوسف حسین بیرسٹر کی دولت اور نواب مہدی حسن صاحب رضوی کا جوان دماغ کام کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ جھنڈا قانوناً ممنوع قرار پایا (۲۰۷) اور سر جان ہیوٹ گورنر یوپی نے دربار عام میں بتایا کہ عزاداری سنّی شیعہ مشترکہ رسم ہے۔ شیعیان لکھنؤ سے دکانداروں (۲۰۸) پیشہ ور طبقہ نے اس موقع پر بائیکاٹ بھی کیا اور ہم میں تجارت کا ذوق پیدا ہوا۔ کپڑے، مٹھائی، دواؤں، ڈلی، کتھہ کی دوکانیں کھلیں اور الحمدللہ کہ شیعہ تجارت کے میدان میں آئے۔ ع

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

۱۳۳۰ھ ۱۱ ربیع الآخر کو زار روس (۲۰۹) کی ظالم فوج نے روضۂ حضرت امام رضاؑ اور مسجد گوہر شاد پر گولہ باری کی۔ شیعہ جان و مال کا نقصان عظیم ہوا۔ روضۂ اقدس کا بیش بہا خزانہ اور تبرکات لٹ گئے۔

شیعہ اور کانگریس

ملک کی تحریک آزادی میں شیعوں کے سر برآوردہ افراد پوری دل چسپی سے شریک ہوئے (۲۱۰) مولوی سید حیدر مہدی ایڈوکیٹ نصیرآبادی، مولوی میر واجد علی وکیل رائے بریلی، ثقۃ الاسلام مرزا عبدالرحیم بلبلہ المتوفی ۱۳۵۵ھ / ۱۳۶۶ھ علّامہ ہندی مولانا سید احمد صاحب المتوفی ۱۳۷۵ھ ہجری حکیم مولانا سید علی آشفتہ المتوفی ۱۳۷۵ھ مختلف پلیٹ فارموں سے جیل گئے ولایتی مال کا بائیکاٹ کیا انگریزوں کی نوکریاں چھوڑ دیں۔ کھدر پہنا۔ نجف اشرف کے سب سے بڑے اعلم مجتہد علامہ سید ابوالحسن اصفہانی المتوفی ۱۳۶۵ھ کو بھی کھدر پسند تھا۔

سرکار مرحوم کے ایک ہندوستانی مخلص نے عرض کیا کہ حضور مال ہندوستان سے کسی چیز کی فرمائش فرمائیں تو جناب نے کھدر کے کپڑے کی فرمائش کی۔کانگریس کی تاسیس میں شیعہ روپیہ شیعہ مدبروں کا دماغ شریک تھا۔عیاں راچہ بیاں۔مولوی سید محمد شبّر صاحب مدرس اعلیٰ مدرسۂ ایمانیہ ناصریہ جونپور نے سب کے آخر میں کانگریس فارم پر دستخط کی۔

۱۳۳۴ھ میں شیعہ کالج (۲۱۱) کی بنیاد قائم ہوئی۔انگریزی تعلیم کا مسئلہ چونکہ بہت نازک تھا۔اس لئے شیعہ دینیات کو اہم قرار دیتے ہوئے علماء کرام نے سلطان المدارس اور مدرسۂ ناظمیہ کی موجودگی میں عربی شعبہ کو جز قرار دیا اور اقدام میں اعتدال پیدا کیا۔کالج کربلائے نصیر الدین حیدر بہادر مرحوم اور کربلائے ملکہ آفاق کی درمیانی زمین پر بنا۔شعراء نے جو تاریخیں نظم کیں اس میں سید مجاور حسین تمنّا جائسی مرحوم المتوفی ۱۳۵۹ھ نے یہ مادہ تاریخ نکالا۔

''شیعہ کالج روضہائے شاہ کے مابین ہے''

۱۳۳۷ھ انگریزوں (۲۱۲) نے جنگ عظیم کے زمانہ میں نجف اشرف پر گولہ باری کی۔محاصرہ میں اہل شہر تک پانی نہیں پہنچ سکتا تھا اور قحط آب سے قریب تھا کہ لوگ سراسیمہ ہوں زور سے پانی برسا اور ضرورتیں پوری ہوئیں۔سکریٹری خدام عتبات عالیات کی طرف سے جو بیان شایع ہوا اس سے اس قدر واضح ہوا کہ صرف دیوار شہر منہدم ہوئی۔مسجد کوفہ کے بعض مصلے مسمار ہوئے قبر ہانی بن عروہ پر بم گرے۔آقا میرزا محمد رضا شیرازی اور دیگر علماء گرفتار ہوئے۔آقائے صدر طاب ثراہ کے بیٹے قید کر لئے گئے۔ان کے عیال میں اس گرفتاری سے تلاطم تھا۔

اس رست خیز میں سرکار سید کاظم طباطبائی کی جانب سے جو چاول مصیبت زدگان کو تقسیم ہوئے اور نجف کے ایک بقال نے جو خرمے تقسیم کئے وہ معمولی مقدار ہونے کے باوجود اس قدر برکت ہوئی کہ تمام بھوکوں تک پہنچے اور سب کو سیر کیا۔

۱۳۳۸ھ ۱۷؍ربیع الاول (۲۱۳) کو شمس العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ المتوفی ۱۳۶۰ھ نے سر مہاراجہ محمد علی خاں مرحوم المتوفی ۱۹۳۸ء کے،سی،آئی ممبر اکزکیٹیو کونسل ممالک

متحدہ آگرہ و اودھ وتعلقہ دار ریاست محمود آباد ضلع سیتاپور کے تعاون سے لکھنؤ میں مدرستہ الواعظین قائم کیا اور چین، تبت، کشمیر، انڈونیشیا، افریقہ دور دراز مقامات پر صدائے توحید کو پہنچایا۔ کتب خانہ مدرستہ الواعظین (۲۱۴) ۲۴ ہزار کتابوں پر مشتمل ہے۔

تیراہ

میں شیعوں پر مظالم ہوئے (۲۱۵) ملک میں گھر گھر چندہ ہوا اور بیکسوں کی امداد بڑے پیمانہ پر کی گئی اس اقدام میں وہی اکثریت شریک تھی جو ہر دور میں حرف غلط کی طرح ہم کو مٹاتے رہے۔

۱۳۴۴ھ ۸/شوال کو ابن سعود نے حجاز میں جنت البقیع کے مقدس مزار منہدم کئے اور گنبدوں کو گرادیا۔ یہ روح فرسا خبر آقائے صدر مرحوم ومغفور کی جانب سے بغداد کے تار مؤرخہ ۲۵/مئی ۱۹۲۶ء کے ذریعہ پہنچی پھر دفتر خلافت بمبئی نے مولوی شوکت علی صاحب کے تار سے تصدیق کی اور لکھنؤ کے سنّی شیعہ علماء کی طرف سے احتجاج ہوا۔ اس اظہار نفرت و بیزاری میں مولوی قطب الدین عبدالوالی اور مولوی محمد سلیمان صاحب قادری چشتی بھی شریک تھے۔

۱۳۴۶ھ اس سال ۱۲/مارچ ۱۹۳۰ء (۲۱۷) کو ہندوستان کے سب سے بڑے لیڈر گاندھی جی نے بہتر آدمی ساتھ لے کر نمک ستیہ گرہ شروع کی اور قدرت نے تیرہ سو برس کے بعد اس تعداد کو پھر نمایاں کیا بہتر کے موضوع پر مؤلف کا رسالہ نشر ہو چکا ہے۔ (۲۱۸)

۱۳۵۱-۵۳ھ قصور میں ذوالجناح کے جلوس پر سخت تصادم ہوا پردہ نشین عورتوں پر لکڑیوں سے حملہ ہوا اور فسادات و گرفتاریاں ہوئیں۔

۱۳۵۴ھ اس سال (۲۱۹) ۳۰/جون ۱۹۳۵ء کو کوئٹہ میں زلزلہ آیا اور عام نقصانات کے ساتھ شیعہ جان اور مال تلف ہوا۔

۱۳۵۶-۵۹ھ ایام عزا ختم ہونے پر جو فریقین میں کشمکش شروع ہوئی وہ پورے ۴ برس طرح طرح سے قتل و غارت کی صورت میں ظاہر ہوتی رہی اور لکھنؤ میں مدح صحابہ کا نیا شاخسانہ

مسلمانوں کو کمزور کرتا رہا۔

آئے دن کے فتنہ وفساد دیکھ کر ہم نے انجمن تنظیم المومنین (۲۲۱) قائم کی اوراس ادارہ نے وہ کام کیا جو کسی ادارہ سے نہ ہوا تھا۔تمام قومی اداروں اورعلماء نے اشتراک عمل کیا یہاں تک کہ مخالف کی بڑھتی ہوئی طاقت دیکھ کر شیعہ ایجی ٹیشن پر مجبور ہوئے اور ۳۱/مارچ ۱۹۳۹ء (۲۲۲) سے تبرّا ایجی ٹیشن امام باڑۂ غفران مآبؒ کی مقدس زمین سے شروع ہوا اور کچھ دن کی نشست میں جگہ نا کافی ہونے سے امام باڑۂ آصف الدولہ میں منتقل ہوا اور ۱۵۲ یوم تک جاری رہ کر ۲۶/اگست کو حکومت سے سمجھوتا ہونے کی توقع پر بند کر دیا گیا۔

تئیس ہزار شیعوں میں جنہوں نے اسیر ہوکر یوپی کے تمام جیل بھر دیئے کچھ لوہ دھوپ گرمی کی تیزی سے گذر گئے کچھ بڑھاپے کی وجہ سے قید میں زندگی کے دن پورے کر کے راہی ملک عدم ہوئے۔کچھ بیماریوں میں مبتلا ہوکر جیل کی بند کوٹھریوں میں جاں بحق تسلیم ہوئے فسادات اور جیل اور راہوں میں قتل ہونے والوں کی صحیح تعداد کا اندازہ عصر حاضر کے لوگ خود کر سکتے ہیں ابھی کچھ زیادہ دن نہیں گذرے ہیں۔

تاریخ شیعہ کا یہ وہ سنہرا باب ہے جو کبھی نظر انداز نہیں ہوسکتا اور محاذ حسینی کا ذکر نہ کرنا تاریخی خیانت ہے۔کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ متحدہ ہندوستان ایک پلیٹ فارم پر کھنچ آیا تھا؟ امام باڑۂ آصفی کی جس دن سے نیو قائم ہوئی اس روز سے تا ایں دم کبھی ایسا اجتماع اس عمارت میں نہیں ہوا اگر شیعوں کا وہ جوش تاریخی حقیقت ہو گیا ہے اور گولی چلنے پر مجمع کا پراگندہ نہ ہونا غیر معمولی ہمت ہے تو از راہ کرم اس کو تاریخ شیعہ سے خارج نہ کرو۔

شہیدان ملّت میں اگر سب نام خوف طول میں نہ دہرائے جائیں تو ۱۲/ربیع الاول ۱۳۵۹ھ کو سید محمد احمد (۲۲۳) کڑیل جوان کا سینہ پر گولی کھانا اور ایک پردیسی عالم سید علی رضا صاحب غازی پوری (۲۲۴) پروفیسر سلطانی المدارس کی شہادت اور بانس کی سرائے سے زخمی ہوکر مسجد تحسین خانہ خدا کے سامنے قبلہ رو دم توڑنا بھول نہیں سکتا۔ایجی ٹیشن میں شیعوں کی قربانی

اس روایتی وقار کی ایک کڑی تھی جس کا ناظرین کو اچھی طرح تعارف ہو چکا ہے آج دھواں دھار تقریروں سے اسٹیج کو ہلا دینے والے اس وقت مسہریوں پر آرام کرتے ہوئے رواداری، رواداری کا جپنا جپ رہے تھے اور سیرت سجّاد کے پیرو جیٹھ بیساکھ کی گرمیوں میں چکی پیس رہے تھے ناصر الملّت اور نجم الملّت (رحمہم اللہ) کے چشم وابرو پر چلنے والے تحریک کو کامیاب کر کے رہے۔ اس عظیم الشان جدّ و جہد کے پورے حالات ہماری کتاب قید فرنگ معروف بہ غیبت مہدی میں درج ہیں۔

نیا شگوفہ

عبدالعزیز دہلوی کی تحفۂ اثنا عشریہ پر عہد غفران مآبؒ سے رد وقدح ہو رہی ہے مگر فاضل معاصر ابوالحسن ندوی نے جو حالات تحریر کئے ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ چودہ سخت بیماریوں میں مبتلا تھے اور ان کو مراق بھی تھا تو اب جس کی صحت میں عصر حاضر کے مفکروں کی یہ رائے ہو اس کے اعتراضات شیعیت کی رد میں قابل قبول نہیں ہو سکتے اور ان کی رائے علیل قرار پانے پر پہلے صحت عقل ثابت کی جائے اس کے بعد جواب کا موقع ہے۔

''قرأت راشدہ'' میں جو ندوہ سے چھپی ہے یہ بیماریاں نام بنام موجود ہیں حدیث غدیر کو چھپانے میں جو مرض انس بن مالک کو تھا یہ بزرگ اس کے بھی شکار تھے۔

۱۳۶۱ھ اسی سال بوہروں (۲۲۵) کے پیشوائے اعظم سید طاہر سیف الدین با لقابہ نے نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ میں بصرف کثیر نقرئی ضریحیں نصب کیں اس ضریح کا طلائی کتبہ ۱۳۵۵ھ کا لکھا ہوا اور نقرئی ۱۳۵۹ھ(۱) کا نوشتہ ہے۔

۱۳۶۶ھ سو برس کی غلامی (۲۲۶) کے بعد ملک کی آزادی میں بھی ہمارا دماغ ہمارے افراد

---

(۱) جغرافیہ کربلا---ledccderma

کارفرما ہوئے زمینداری ختم ہوئی ملک میں عام فسادات ہوئے کتنی جانیں تلف ہوئیں حتی کہ بیدار مغز حکومت نے حالات پر قابو پاکر خانہ جنگی کا انسداد کیا اور امن و آشتی کے چراغ روشن کئے اور مولانا سید محمد (۲۲۷) صاحب، مولانا سید محمد سبطین (۲۲۸) صاحب سرسوی کا کتب خانہ نذر آتش ہوگیا ان نقصانات کی تلافی نہیں ہوسکتی۔

دور ظلم کا قید خانہ کیسا تھا؟

گذشتہ صفحات میں آپ نے پڑھا کہ فلاں شہید ہوگیا فلاں کو جیل بھیج دیا گیا اب سوال یہ ہے کہ وہ اسیر کیا سیاسی قیدیوں کی طرح آرام و راحت سے رکھے جاتے تھے کہ وہاں بھی بی کلاس اور سی کلاس تھا متمدن حکومتوں نے ملزم کے لئے ہر جرم کی سزا علیحدہ علیحدہ مقرر کی ہے مگر اموی اور عباسی دور میں شیعیت ہی ایک جرم تھا اور سزا میں مختلف نہیں بلکہ اپنے جذبۂ عناد کے مطابق سزا تجویز کرتا تھا اور جس طرح قید کی مدت مقرر نہ تھی اسی طرح جیل کا نقشہ بھی یکساں نہ تھا جبکہ ہر صدی میں ہم نے زنداں میں رہنے والوں کا تذکرہ کیا تو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ قید خانہ سب ایک طرح سے تھے موجودہ مقاتل دیکھ جانے سے قید خانہ کی حیثیتوں کا تصور ہوسکتا ہے۔

(۱) جس زنداں میں اہل حرم مظلوم کربلا اسیر تھے اس کی تصویر کشی صدوقؒ کے ذمہ دارانہ الفاظ سے اس طرح ہوتی ہے

فحبس مع علی بن الحسین فی محبس لا یکنّھم من حرّو لا یقیھم من بر دحتی تنشرت وجوھھم۔

اس زندان میں قید کیا تھا جہاں نہ دھوپ سے امن تھا نہ شبنم سے حفاظت یہاں تک کہ چہروں کی جلد موسم کے تضاد اثر سے شق ہوگئی تھی۔

(۲) کوفہ کا وہ قید خانہ جہاں ساڑھے چار ہزار شیعہ (۲۲۹) قید تھے اس لئے کہ نصرت حسینؑ نہ کرسکیں۔ ان کو ایک دن کھانا دیا جاتا تھا دوسرے دن فاقہ کرنا پڑتا تھا یہ زنداں زمیں دوز اور ایک تہ خانہ تھا جس پر نگہبان (وارڈر) مقرر تھے اور دروازوں پر تالے پڑے تھے قفل

پر مہریں لگی ہوئی تھیں اور آخری منزل کا حال یہ ہے:۔

فاذا ھی خمسون مرقاۃ و ھی مظلمۃ لا ینظر فیھا احد کفہ من شدّۃ الظلمۃ۔

پچاس زینہ طے کر کے قیدی اندر پہنچتا تھا اور اندھیرا گھپ تھا ہاتھ کو ہاتھ نہ دکھائی دیتا تھا۔

(نور الابصار فی اخذ الثار فارسی)

اس بیان کو میرے والد مرحوم نے اپنے منتخبات میں اور جد علّام نے مختار نامہ میں حوالہ قلم فرمایا ہے اور جناب مرحوم کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ جملہ قیدی ایک حالت میں نہ تھے ان کی ایک شخصیت سے حکومت کو جس حد تک (۱) خطرات تھے ان کو اس طرح اسیر کیا گیا تھا۔ چنانچہ اسی زنداں میں مختار کا یہ حال تھا کہ کھال کا پیراہن ان کو پہنایا گیا تھا دونوں پیروں میں بھاری زنجیریں تھیں ہاتھ گردن سے بندھے تھے رسّی کی جگہ زنجیریں استعمال ہوئی تھیں اور ممکن نہ تھا کہ داہنے اور بائیں گردن پھرا سکیں مختار کے جسم سے خون بھی جاری تھا۔

میری سمجھ میں نہ آیا جو ایسی قید سخت میں ہوا سنے خط کیونکر لکھا اور جس زندان میں دن اور رات کی پہچان نہ تھی وہاں روشنی کیونکر ہوئی کچھ غیبی سہولت بہم پہنچی ہوگی یہ باطل کا انتظام تھا قیدیوں کے ساتھ اور عہد حضرت امیر المومنینؑ میں قید خانہ اوقات نماز میں کھول دیا جاتا تھا اور اسیر عبادت الٰہی کے وقت اسیر نہ تھے۔

(مناقب اصحاب از ابوبکر زندی)

ملاحظہ ہو ہمارا مقالہ مندرجہ شیعہ لاہور جیل نمبر

---

(۱) نور الابصار ص ۳۰۔

سزائیں کہاں دی جاتی تھیں

ابن زیاد کا خطبہ اور اہل حرم مظلوم کربلا کا اسیر ہوکر جامع کوفہ میں لانا عبداللہ بن عفیف کا نا قابل تحمّل اقدام ظاہر کرتا ہے کہ دشمن نے مسجدوں کو ان حضرات کی تحقیر و تذلیل کا صدر مقام قرار دیا تھا اس رجحان کے بعد سید بن طاؤس کے بیان سے پوری تائید ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک نے حاکم مدینہ صالح عبداللہ مرّی کو خط لکھا(۱) کہ وہ حسن بن حسن بن علی بن ابی طالبؑ کو قید سے نکال کر پانچ سو تازیانہ مسجد رسولؐ میں لگائے صالح نے یہ تحریری حکم منبر پر پڑھ کر سنایا اور سزا دینے کا ارادہ کیا۔

آخر کتاب میں تمام دنیا کے شیعوں کی فہرست درج کر کے ہم اس مختصر تاریخ کو ختم کرتے ہیں۔ خدا مجھے یا میرے آئندہ نسلوں کو توفیق عطا فرمائے کہ اس اجمال کی تفصیل اور مختصر کی تشریح پر تیّار رہوں یہ ہے مظلوم فرقہ کی تاریخ کا خلاصہ جس کے مٹانے کے لئے کس کس نے تن دھن من سے کام نہیں لیا، فنا کرنے والے خود مٹ گئے مگر وہ آج تک زندہ ہے اور اپنی لا تعداد قربانیوں کی وجہ سے رہتی دنیا تک زندہ رہے گا۔

لفظ شیعہ جس کا ظہور حضرت نوحؑ کی پیروی کرنے والوں سے شروع ہوا وہی ہے جہاں حرّیت، حمایت حق، صداقت، دشمنوں سے بیزاری پُرامن طریقہ پر پائی جائے۔

یہ ملّت ابراہیمی کا دستور عمل ہے جس کو حضرت امیرالمومنینؑ نے دعائے صنمی قریش میں بہترین الفاظ میں پیش کیا۔ پھر حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے صحابی صفوان کے ذریعہ سے عمل عاشور کا لباس پہنایا اس کا اہم نتیجہ اعلان حسینیت کے معاملہ میں **شایعت و بایعت و تابعت** کے پرمغز الفاظ میں، یہ ہے شیعہ جو عہد رسولؐ سے ایک مزاج پر رہا۔

---

(۱) نہج الدعوات طبع بمبئی ص ۴۹۷

شیعیت پر متقدمین کے تصانیف

صدر سخن میں اشارہ کیا تھا کہ اس موضوع پر گزشتہ علماء نے مستقل کتابیں تالیف کی ہیں چند نام نمونے کے طور پر حاضر ہیں۔ (۱) محمد بن ابو القاسم طبری علیہ الرحمہ نے بشارت المصطفیٰ بشیعہ علی ن المرتضیٰ مدوّن فرمائی جو سترہ جز کی کتاب ہے۔ (۲) حسن بن مرزوق بن یحییٰ نے فضائل شیعہ پر کتاب لکھی۔ (۳) عبد العزیز بن یحییٰ بن احمد نے فضائل شیعہ کو یکجا کیا۔ (۴) محمد بن احمد بن محمد بن عبد الرحمٰن اسماعیل نے کتاب البشری والزلفیٰ فضائل الشیعہ مرتب کی۔ (۵) محمد بن عباس بن علی بن مروان ابن الماصیار نے ان آیتوں کی تفسیر پر قلم اٹھایا جو شیعوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ (۶) الشیعہ وفنون الاسلام آقائے صدر طاب ثراہ کی وہ کتاب ہے جس کا مولانا سید محمد کاظم صاحب قبلہ مرحوم خلف اصغر سرکار نجم الملتہؒ نے اردو ترجمہ کیا ہے۔

ان حقائق و مسلمات کے بعد مخاطب قمقام کا یہ کہنا کہ پیغمبرؐ کے دور میں شیعہ اور غیر شیعہ کی کوئی تفریق ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ قابل افسوس ہے اس سلسلہ میں بحیثیت مؤلف یہ بات بھی نظر انداز نہیں ہوسکتی کہ اوپر جو کچھ ذکر ہوا وہ شیعوں کی قربانیاں تھیں اب رہے علمی خدمات اس کا تعارف نجف اشرف کے مجتہد اعظم علامہ آغا سید محسن بزرگ طہرانی کی تالیف الذریعہ الی تصانیف الشیعہ اٹھا کر دیکھو اس عظیم الشان کتاب میں شیعوں کے جہاد قلم پر فہرست تصانیف شیعہ میں ۸ جلدیں طبع ہو چکی ہیں اور حروف تہجّی میں حرف دال ختم ہوا ہے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی لائبریری میں یہ کتاب موجود ہے اور دوازہ بند محتشم تک شیعہ تصانیف کے اعداد و شمار (۱۲۸۹) تک پہنچے ہیں۔

استدعا:

محترم ناظرین جن شیعہ اکابر کے نام اس تاریخ سے آپ کو معلوم ہوئے اور جن بے گناہوں کی فہرست آپ کے سامنے آچکی، کیا آپ ان کو نذر نیاز کے موقع پر یاد رکھیں گے، نماز شب میں ان کے محترم نام آپ کی زبان پر جاری ہوں گے تلاوت قرآن سے ان کی مقدّس

روحوں کو ثواب پہنچائیں گے؟

نقشۂ مردم شماری شیعہ

تاریخ شیعہ کی تالیف کے وقت سید یاور حسین ترمذی کا ایک نوٹ مجھے ہمعصر شیعہ لاہور کے کالموں میں نظر آیا اس کو نقل کر کے اس کتابچہ کو ختم کرتا ہوں:۔

پنجاب کی مردم شماری ۱۹۲۴ء میں حسب ذیل تھی شیعہ ۲۵۶۶۲۹۔

صوبۂ سرحد کی شیعہ آبادی بلحاظ مردم شماری ۱۹۲۱ء حسب ذیل تھی لیکن اب ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔

ہزارہ ۳۷۶ پشاور ۶۹۷۵ کوہاٹ ۴۵۲۴۸ بنّون ۲۳۷ ڈیرۂ اسمٰعیل خاں ۲۷۳۵ سرحدی چوکیاں ۳۵۲۷

کل دنیا کی شیعہ آبادی

بلحاظ مردم شماری ۱۹۲۵ء حسب ذیل تھی اب یعنی ۱۹۵۵ء میں آٹھ کرور سے زیادہ ہے۔

برٹش انڈیا دوکرور دیسی ریاستیں ۴۰ لاکھ

افغانستان ۱۰ لاکھ بخارا ۱۰ لاکھ

خیوا ۴ لاکھ روسی ایشیا ۱۵ لاکھ

ورغستان ۲۵ لاکھ ایران ۵۰ لاکھ عراق ۱۰ لاکھ

ان اعداد و شمار میں تبّت کے شیعوں کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔

خاتمہ کلام

شیعہ عنصر کو قتل کرنے والے کلمہ گو ناصبی تھے اور ناصبی کی تحقیق میں اختلاف ایک قول یہ ہے کہ جو اہلبیت علیہم السلام سے عداوت کو ظاہر کرے وہ ناصبی ہے اور تعریف ناصبی میں حدیث ہے۔

من نصب العداوۃ بشیعتھم جو شیعوں سے دشمنی کرے وہ ناصبی ہے۔

کما قال الصادق انّہ لیس النّاصب من نصب لنا اھل البیت لانہ لا تجد رجلا یقول انا ابغض محمدا و ال محمد ولکن الناصب من نصب لکم و ھو یعلم انکم تولّونا و انتم من شیعتنا و اخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین۔

نیمہ رمضان ۱۳۷۶ھ۔

❁❁❁

ہندوستان میں شیعیت

بیانِ

صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحبؒ

ہندوستان میں شیعیت

صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد نقوی رحمت مآب

میں صحیح نہیں عرض کرسکتا کہ سرزمین لکھنؤ کب سے آباد ہے اور اس کی ابتدا کس کے ہاتھوں سے ہوئی لیکن اگر لچھمن ٹیلہ کی نسبت درست ہے تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ دریائے گومتی کے کنارے آباد یہ خوبصورت شہر ہزاروں انقلاب دیکھ چکا ہے۔ لیکن اس شہر کو نمایاں شہرت اس وقت سے حاصل ہوئی کہ جب سے اودھ کے شاہی خاندان نے اٹھارویں صدی میں اس علاقہ کو اپنا مستقر بنایا۔

لکھنؤ کی لفظ سے ایک خاص معاشرت وتہذیب، ایک ممتاز اخلاق، ایک نکھری ستھری زبان کا تصور ہوتا ہے جس کی خصوصیت لطافت ونزاکت، نوک پلک سے درست ہونا ہے۔ جن میں لوچ اور لچک ہومگر نہ اتنی کہ معیوب بن جائے۔ اس تہذیب ومعاشرت، اس اخلاق وزبان کے بنانے اور سنوارنے میں سب سے بڑا ہاتھ شاہان اودھ کا ہے جن کی داد ودہش، اہل فن وکمال کی مرتبہ شناسی وقدردانی نے ملک کے گوشہ گوشہ سے صاحبان فن وکمال کو ایک مرکز پر جمع کر دیا تھا جن میں سے کچھ وہ تھے جو کڑی اور کھری زبان بولنے والے تھے اور کچھ وہ تھے جن کے لہجہ میں لوچ حد سے زیادہ تھا۔ مختلف دھاروں کے ایک

سنگم پر جمع ہونے سے لکھنؤ کی معتدل تہذیب، خوبصورت زبان اور شائستہ معاشرت نے جنم لیا، جس میں رواداری ہی نہیں بلکہ ایثار اور دوسروں کو اپنے اوپر مقدم سمجھنا نمایاں خصوصیت ہے۔

جہاں لکھنؤ کو مخصوص تہذیب وزبان کا گہوارہ ہونے کا شرف حاصل ہے وہیں اس عروس البلاد کی جبین افتخار پر چاند بن کر یہ فضیلت بھی جگمگا رہی ہے کہ یہ تمام غیر منقسم ہندوستان میں مذہب جعفری کا علمی اور مذہبی مرکز بھی تھا اور ہے۔ جس کا سہرا مجدد شریعت محیی ملت حضرت غفرانمآب علیہ الرحمۃ والرضوان کے سر ہے۔ یوں تو مختلف اطراف واکناف ملک میں ہمارے مذہبی اور روحانی پیشوا برابر ہوتے رہے مگر اس کی مثال ویسی ہی تھی جیسے کفر وبدعت کی تاریک رات میں کبھی کبھی یہاں وہاں بجلی چمک جائے اور پھر کالی اور بھیانک سیاہی گھیر لے۔

مگر جناب غفرانمآب رضوان اللہ علیہ نے مطلع لکھنؤ پر مہر نور بار کی طرح طلوع فرمایا اور مذہب جعفری کا نور صبح صادق کی طرح تمام ہندوستان میں پھیل گیا۔

❀❀❀

شیعہ کانفرنس

بیانِ
ذاکرِ شامِ غریباں عمدۃ العلماء آیۃ اللہ سید کلب حسین نقوی اخترؔ

شیعہ کانفرنس

ذاکر شامِ غریباں عمدۃ العلماء آیۃ اللہ سید کلب حسین نقوی اخترؔ

اس کانفرنس نے اور میں نے ایک ہی آغوش میں پرورش پائی۔ منزل تربیت ایک تھی، مرکز نشوونما ایک تھا یعنی میرے والد مرحوم حضرت قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ نے ۱۹۰۷ء میں اس کانفرنس کی بنیاد رکھی اور سرکار نجم الملۃ و ناصر الملۃ طاب ثراہما نے اس کے استحکام میں ہر کوشش صرف فرمائی۔ مجھ کو وہ وقت یاد ہے جب اس کا نام 'انجمن صدر الصدور وامامیہ اثناعشریہ کانفرنس' تھا۔ آج تو دنیائے شیعیت علماء کو تنگ نظر ،قدامت پسند، سیاست سے بے خبر سبھی کچھ کہنے پر تیار ہے مگر آپ یاد رکھیں کہ یہ بزم شوریٰ، یہ محدود جمہوریت کا مرکز علماء مذہب کے ذہن رسا کی ایجاد واختراع ہے۔ جس وقت فدایان طرز جدید بالکل خاموش اور بے خبر تھے اس وقت عالمان دین ہی نے ضروریات زمانہ کو محسوس کرتے ہوئے کانفرنس کی تشکیل کی۔ علماء ہی نے بڑھایا، کامیاب بنایا، اس شجر کی آبیاری کر کے قابل برگ وبار بنایا اور آپ کے ہاتھوں میں یہ کہہ کر دیدیا:

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

پہلے ہی جلسہ میں اس کا نام مختصر کر کے ''آل انڈیا شیعہ کانفرنس'' قرار دیا گیا جو آج زباں زد خاص وعام ہے۔

اس کانفرنس نے عالم رنگ و بو میں آنکھ کھولتے ہی دینی و دنیاوی میدان میں عملی اقدامات شروع کردیئے۔ واعظین و مبلغین معین کیے گئے جو تمام ہندوستان میں دورہ کرکے قوم کی دینی ودنیاوی خدمات انجام دیں۔

دارالتالیف والتصنیف، دارالذکر اور دارالترجمہ قائم کیا گیا۔ شیعوں کی اقتصادی اصلاح کے پروگرام بنائے گئے۔ شیعہ شوگر فیکٹری کا افتتاح کیا گیا، تعلیم کے لیئے مدرسے قائم کیۓ گیۓ، کتبخانہ قائم کیا گیا، دارالمطالعہ کھولا گیا، طلباء کے وظائف جاری کرنے کی تحریک پیش ہوئی اور وظائف دئے گئے۔ یتیم خانہ بھی اسی دور کی بنیاد ہے اور شیعہ کالج جو آج مچل مچل کے آغوش مادر سے باہر نکلنا چاہتا ہے وہ بھی اسی ایک اصل کی فرع ہے۔ ان میں سے بعض چیزیں خدا کے فضل سے اب تک موجود ہیں اور بعض ختم ہوگئیں۔

❁❁❁

ہندوستان میں شیعوں کی مجمل تاریخ

اور

بنائے شیعہ کانفرنس

مصنف

عالیجناب شیخ ممتاز حسین جونپوری صاحب

ہندوستان میں شیعوں کی مجمل تاریخ

اور

بنائے شیعہ کانفرنس

عالیجناب شیخ ممتاز حسین جونپوری صاحب

ہند میں مسلمانوں کی آمد

پچھلے دور کے حالات کو جوڑنے بٹورنے سے جو کچھ معلوم ہوسکا وہ یہ ہے کہ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں عرب سے کچھ مسلمان سب سے پہلے آکر ہندوستان کے مغربی ساحل پر آباد ہوئے۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کو آج موپلا اور کوکنی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ پھر حضرت علیؑ کے زمانہ میں کوفہ سے اور حضرت امام حسینؑ کے زمانے میں کچھ مسلمان ہندوستان میں آئے۔

شیعوں کا پہلا نقشِ قدم

عرب سے شیعوں کی آمد اور ہندوستان میں ان کی بُود وباش کا قدیم سے قدیم جو تاریخی سراغ مل سکا ہے وہ یہ ہے کہ اب سے نوسو سال پہلے اسماعیلیہ فرقہ کے شیعہ یہاں آئے اوران کے ایک داعی کا مستقل قیام کھمبات میں ہوا۔ اس نے ایک کسان زن وشوہر کو مسلمان کیا جن کی قبریں اب تک کھمبات میں موجود ہیں اور یہ کاکا اکیلا اور کاکا اکیلی کے نام سے مشہور ہیں۔

اسی زمانہ میں ان کے ایک داعی نے جا کر سکندرآباد (حیدرآباد دکن) میں قیام اختیار کیا اور ان کا مزار آج بھی شیعہ بواہیر کی زیارت گاہ ہے اسی طبقے سے ہمارے شیعہ بواہیر بھائیوں کے موجودہ داعی حضرت مولانا طاہر سیف الدین صاحب ہیں جنھوں نے شیعہ کالج، شیعہ یتیم خانہ اور شیعہ ادارات کی بہت کچھ امداد فرمائی ہے۔

دنیا کے مشہور فاتح امیر تیمور صاحبقران کے زمانے سے ایرانیوں کی آمد کا سلسلہ ہندوستان میں شروع ہوا اور شیعیت اور خصوصاً تعزیہ داری کی داغ بیل ہندوستان میں اسی وقت پڑنے لگی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب ۹۷۷ء میں سلطان ناصرالدین سبکتگین غزنی میں فرماں روا تھا اس وقت بہ حیثیت فاتح مسلمانوں کے قدم ہندوستان میں آئے انھیں مسلمانوں میں شیعہ سادات بارہا کے جد سید ابوالفرح واسطی بھی ہیں، ان کی اولاد سلاطین ہند کے دربار میں اپنے علم وکمال کی وجہ سے ہمیشہ مقرب رہی، اس کے علاوہ تاریخوں سے مسلمانوں کی مستقل آمدورفت کا دور محمد قاسم عرب سپہ سالار کے ہندوستان میں ورود کے وقت سے شروع ہوتا ہے، اس وقت سندھ کے حصوں میں مسلمان آ کر بس گئے ان میں شیعہ بھی تھے جو تصوّف اور پیری مریدی کے رنگ میں چھپے رہے۔

سندھ میں مسلمانوں کی موجودہ طرز زندگی اور قدیم آثار مقابر املاک وغیرہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ یہاں آئے اور بس گئے، میر صاحبان خیر پور سندھ کی املاک اور ریاستیں اور دیگر تاریخی آثار اور واقعات اس کے مؤید ہیں شیعوں کی داستان پارینہ بہت گومگو کی حالت میں ہے۔ سابق اسلامی فرماں روایان ہند میں کوئی شیعہ نہ تھا اسی وجہ سے شیعوں کا ذکر خاص طور پر تاریخ میں نہیں ملتا۔

ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے دور میں قرن اولیٰ کے عام اور خاص مسلمان تنگ نظری اور تعصب کا شکار تھے۔

شیعوں کی قدیم زندگی

شیعہ اپنی ہستی اور وجود کو قائم رکھنے کے لئے تقیّے کے گہرے پردوں میں جا بجا چھپے ہوئے زندگی بسر کرتے رہے۔ تاریخ خاموش ہے کہ اس وقت شیعہ کتنے اور کہاں کہاں تھے۔ انھیں میں سے کچھ شیعہ رفتہ رفتہ غیروں میں اس طرح جذب ہو گئے کہ ان کی شیعیت بھی ان کی رواداری پر قربان ہوگئی، جو بچ گئے وہ اپنی شیرازہ بندی نہ کر سکے نہ خوف سے کوئی جداگانہ قومیت قائم کر سکے۔

اُن دنوں ہندوستان میں سنیاسی فقیروں سے کوئی روک ٹوک نہ ہوتی تھی اس لئے اس وقت ہندوستان میں جہاں جہاں بھی شیعہ تھے فقیری اور تصوف کے لباس میں تھے اور نہایت خاموشی سے زندگی بسر کر کے دنیا کو فائدہ پہنچاتے رہے اور بہت کچھ تبلیغی خدمات کرتے رہے۔

شیعوں کی پہلی سلطنت

آٹھویں صدی عیسوی میں پہلے پہل شیعہ سرزمین دکن میں کچھ پھلے پھولے تاریخ ہند میں سلاطین بہمنی کا عہد شیعوں کی نمود اور ترقی کا پہلا باب ہے، اس شیعہ حکمراں خاندان کے عہد سے شیعہ شعرا اور دیگر اہل کمال کا مجمع دکن اور ہندوستان کے مختلف حصوں میں نظر آنے لگا۔ میر فضل اللہ، خواجہ زین العابدین ہمدانی، خواجہ محمد گازرانی، ملا شاہ طاہر، میر عالم، ملا محمد قاسم مشہدی، میر مومن وغیرہ اسی تاریخی عہد کے یادگار شیعہ ہیں جو برابر ممتاز عہدوں پر مامور رہے۔ انھیں کے امثال ہزارہا شیعہ، احمد نگر، بیجاپور، گولکنڈا، شولاپور، گلبرگہ، حیدرآباد اور کرناٹک کے کھنڈروں میں مدفون ہیں، خود سید محمد گیسودراز صاحب جن کا مزار گلبرگہ شریف میں ہے شیعہ تھے۔ سلاطین مغلیہ کے عہد سے پہلے بھی ہندوستان کی مملکت کے اور حصوں میں شیعہ برسر اقتدار تھے۔ بابر بانی سلطنت مغلیہ کے معتمد دوست بیرم خاں کا یہ اثر و اقتدار تھا کہ مرتے

وقت بابر نے اپنے بیٹے ہمایوں کا ہاتھ بیرم خاں کے ہاتھ میں یہ کہہ کر دے دیا تھا ''سپردم بہ تو مایۂ خویش را'' بیرم خاں نے بھی وہ کام کیا کہ اپنے فرقے اور قوم کا نام رکھ لیا اور شیر شاہ سوری کے پنجے سے ملک کو پھر چھین لیا اور شاہ ایران کی مدد سے ہندوستان کی کھوئی ہوئی سلطنت پھر ہمایوں کو دلا دی۔ اس لئے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اسلامی سلطنت ہند پر یہ ایک شیعہ بادشاہ کا احسان ہے۔

اکبر کے دربار کے نورتن میں پانچ شیعہ تھے جو روحِ روانِ سلطنت تھے جہانگیر کے عہد میں قاضی نور اللہ شوستری اعلیٰ اللہ مقامہ (ملقب بہ شہید ثالث) دار القضا کے عہدے پر مامور تھے اور ان کی شیعیت اور قابلیت ہی ان کے قتل کا باعث ہو کر اوراق تاریخ کو رنگین کر گئی، مگر یہ ثابت ہو گیا کہ دینی اور دنیوی دونوں امور میں شیعہ اپنی اعلیٰ دماغی سے سلطنت کے مددگار رہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں سید حسین علی اور سید عبد اللہ شیعہ سادات بارہا اسی خاک سے اٹھے اور تاریخ کے صفحات پر بادشاہ گر کا لقب حاصل کر کے پیوند خاک ہو گئے غرض کہ یوں ہی ادھر ادھر شیعہ ہندوستان میں سلطنت ہند کے مختلف شعبوں میں اگرچہ خود حکمراں اور بادشاہ نہ ہوئے مگر بادشاہ گر اور معین سلطنت ہمیشہ ہی رہے۔

شیعہ سلاطین

دکن کے قطب شاہی اور عادل شاہی سلاطین کے بعد جونپور کے شیعہ سلاطین شرقی کا دور ان کے کارنامے ان کے دار العلوم اور ان کی علم پروری کا زمانہ تاریخ ہند کا ایک یادگار دور ہے۔

شیعہ وزیر اور گورنر

یوں تو سلاطین اسلام کے دربار میں میدان جنگ میں اور ہر شعبہ یعنی رزم میں بزم ادب اور ہر جگہ شیعوں کی علمی و عملی قابلیت سے سلطنت کا وقار بڑھتا رہا اور تاریخوں میں ان کے نام اور ان کے کارناموں کی تفصیل موجود ہے مگر ادھر بنگال میں نظامت اور حکومت شیعہ

فرماں روا کے ہاتھ میں تھی، ادھر حیدر علی ٹیپو سلطان وغیرہ ساحل ہند اور مدراس وغیرہ میں شیعوں کی عظمت وجلالت کی داد دے رہے تھے۔

اودھ میں شیعہ بادشاہ اور وزراء نے دنیا کو جگمگا دیا اور آج تک شیعہ سلاطین کے آثار سے دکن، اودھ اور دیگر ساحل ہند کا دامن خالی نہیں خصوصیت سے جس بات کا ذکر کرنا ہے وہ یہ ہے کہ آصف الدولہ نواب وزیر اودھ کے زمانے میں مجدد شریعت جناب مولانا سید دلدار علی صاحب مرحوم غفران مآبؒ نصیر آباد ضلع رائے بریلی (اودھ) کی خاک پاک سے اٹھے اور تکملۂ علوم کر کے پھر عراق وعجم چلے گئے۔ پلٹے تو اجازۂ اجتہاد لے کر پلٹے اور ہندوستان میں شیعیت کی شیرازہ بندی کا سنگ بنیاد رکھا لکھنؤ میں غفران مآب کا امام باڑہ اور ان کا مزار بزبان حال کہہ رہا ہے ؎

بیاورید گر اینجا بود زباں دانے
غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

غفران مآبؒ کے زمانے سے مجلس وماتم کا رواج ہوا، اور شیعیت اور مسئلہ ومسائل کا چرچا گھر گھر ہونے لگا، شیعیت نے ہندوستان میں جس طرح کی فضا میں پرورش پائی اس کا یہ قدرتی اثر ہوا کہ علما پرستی ہر شیعہ کی زندگی کا مایۂ ناز افتخار، اور معاشرت کا طرّۂ امتیاز ہوگیا، زمانے کا بڑا حصہ یوں ہی گزر گیا اودھ کی سلطنت مٹی، انگریزی راج ہوا، تہذیب وتمدن نے کروٹ لی مگر شیعوں کی اس زندگی میں کوئی تغیر نہ ہونا تھا نہ ہوا، یہاں تک کہ انگریزی تعلیم بڑھتی گئی، اور انگریزی سلطنت کے زیر سایہ مذہبی آزادی نے پر پُرزے نکالے، شہروں میں اسکول اور کالج کھلے، لیکن مسلمانوں خصوصاً شیعوں کی دنیاوی اور مذہبی دونوں زندگیوں پر حضرات علماء کا اثر کارفرما رہا، خصوصیت سے شیعوں پر حضرات مجتہدین کے روحانی اقتدار کا یہ اثر تھا کہ شیعہ انگریزی تعلیم کی طرف بہت کم راغب تھے، عام طور پر یہ بدگمانی ہے کہ شاید

حضرات علماء انگریزی تعلیم کو منع کرتے تھے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذہبیت اور اس وقت کی تہذیب اور تمدن کا یہ غالب اثر تھا کہ انگریزی تعلیم کی طرف نہ اتنی رغبت تھی نہ اس کی یہ اہمیت خیال کی جاتی تھی، ممکن ہے کہ علماء کو بھی یہ بات پسند نہ آئی ہو کہ انگریزی تعلیم بڑھی تو کہیں عقائد مذہبی میں کمزوری نہ پیدا ہو جائے غدر ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں ایک نیا انقلاب رونما ہوا، رفتہ رفتہ انگریزی تعلیم کا چرچا ہوتا گیا اور سُرعت کے ساتھ انگریزی تمدن اور انگریزی تعلیم بڑھنے لگی، اس وقت سر سید احمد خاں صاحب نے دارالعلوم علی گڑھ یعنی مسلم کالج علی گڑھ کی بنیاد ڈالی، اور مسلمانوں نے بھی انگریزی کتابوں کو زائچہ قسمت سمجھ کر پڑھنا شروع کیا، پھر روٹی دال کے ساتھ جاہ و عزت بھی انگریزی تعلیم کے ہاتھوں سے جب بٹنے لگی تو گھبرا کر شیعہ بھی کاسہ قسمت لئے گھروں سے نکلے اور علی گڑھ کالج کا دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا، انیسویں صدی یوں ہی گذر گئی، بیسویں صدی آئی انگریزی خوانوں کی تعداد بڑھنے لگی، علماء کو اندیشہ ہوا کہ یہ سیلاب بڑھتے بڑھتے کہیں علماء کے اقتدار اور جذبات مذہبی کو بہا نہ لے جائے، ادھر علی گڑھ میں ایجوکیشنل کانفرنس قائم ہو چکی تھی اور اس کے جلسے جابجا ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں ہونے لگے، مسلمانوں کے ہر فرقے میں بیداری کے آثار پیدا ہو چلے تھے۔ شیعوں نے بھی ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں جا بجا اپنی ترقی کے لئے انجمنیں قائم کیں۔ ان میں سے شیعوں کی سب سے کامیاب انجمن مظفر نگر کے سادات کی بنا کردہ انجمن جعفریہ تھی جس کے سالانہ جلسے بھی ہوا کرتے تھے، شیعوں کے خیالات میں بھی کسی حد تک آزادی کی لہر دوڑ چکی تھی اور علماء بھی رفتار زمانہ کو نہایت صبر و تحمل سے دیکھ رہے تھے اور یہ خیال پیدا ہو ہی گیا کہ ضرورت زمانہ کے موافق شیعوں کے لئے کچھ کرنا چاہئے آقائے قوم قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد لکھنؤ ایک خاص دل و دماغ اور مزاج زمانہ کے بہترین نبض شناس عالم تھے انھوں نے شیعوں کی دینی اور دنیاوی ترقی کو ملحوظ رکھ کر ۱۳۱۹ھ میں ایک انجمن

''صدر الصّدور'' کی بنیاد لکھنؤ میں ڈالی، اس کے صدر عماد العلماء جناب سید مصطفیٰ عرف میر آغا صاحب قبلہ (مرحوم) مجتہد اور متولی بحر العلوم مولانا جناب سید محمد حسین عرف علن صاحب قبلہ مجتہد اور (منصرم) سکریٹری قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ مجتہد اور نائب منصرم جناب مولانا سید علی غضنفر صاحب مقرر ہوئے۔ اس زمانے میں اس کی مخالفت محسن الملک سید مہدی علی خاں صاحب۔ بدرالدین طیب جی جسٹس بمبئی سر آغا خاں صاحب اور میر سید حسین صاحب بلگرامی جیسی مقتدر ہستیوں نے کی، مگر یہ انجمن اپنا کام کرتی رہی، اور اس کی بڑی غرض یہ تھی کہ آزاد خیالی کو بڑھنے نہ دے اس انجمن نے ایک خاص عربی مدرسے کی بنیاد لکھنؤ میں ڈالی، پیش نمازوں اور واعظین کا تقرر اس کی جانب سے ہوا، یہاں تک کہ ۱۳۲۲ھ میں جب ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس لکھنؤ میں ہونے لگا، اس وقت بذریعہ تحریرات وفتاویٰ علماء نے اعلان کیا کہ جب تک علی گڑھ میں تعلیم دینی کا پورا بندوبست شریعت کے موافق نہ ہو جائے علی گڑھ کالج میں کسی شیعہ کو روپیہ نہ دینا چاہئے، اس پر اخبارات نے علماء کے خلاف سخت سے سخت مضامین لکھے، زمانے نے خیالات میں کچھ عجیب مدو جزر کی کیفیت پیدا کر دی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ قومی مفاد کے لئے یہ قرار پایا کہ انجمن صدر الصدور کے سالانہ جلسے لکھنؤ سے باہر کانفرنس کی صورت میں منعقد ہوا کریں، اس بارے میں اور اراکین شیعہ اور خود حضرات علماء میں اختلاف پیدا ہوا، بالآخر جدید وقدیم تعلیم یافتہ حضرات نے قومی مفاد کے لئے مل کر مدتوں غور کیا، اس میں خصوصیت سے مرزا محمد ہادی صاحب رسوؔا مرحوم، خواجہ غلام الثقلین مرحوم، اور خود مولانا سید آقا حسن صاحب قبلہ نے گہری دلچسپی لی، اور ان لوگوں نے انجمن صدر الصدور کی صورت بدل کر مذاق زمانہ کے موافق ایک کانفرنس کی بناڈالنے کا تہیّہ کیا، اور اس کا ایک ڈھانچہ مرتب کیا، چنانچہ بانی شیعہ کانفرنس وصدر استقبالیہ جلسہ قدوۃ العلماء کی جانب سے ایک اعلان شائع ہوا کہ جلسۂ سالانہ انجمن صدر الصدور کانفرنس امامیہ اثنا عشریہ ۲۷ لغایتہ ۲۹

شعبان ۱۳۲۵ھ مطابق ۶ لغایت ۸/ اکتوبر ۱۹۰۷ء بمقام لکھنؤ زیر صدارت مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ منعقد کیا جائے اور اس کے کامیاب بنانے کے لئے مرزا محمد ہادی صاحب رسوؔا اور سید علی غضنفر صاحب نے آگرہ، بھرت پور، میرٹھ، عبداللہ پور، جانسٹھ، سہارنپور، مرادآباد، جون پور، الہ آباد کا سفر کیا، اور پہلا جلسہ ۶/ اکتوبر ۱۹۰۷ء کو رفاہ عام کلب کی عمارت میں بمقام لکھنؤ منعقد ہوا، اور اس میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی بنا پڑی اور انجمن صدر الصّد ور اسی میں فنا ہو کر معدوم ہوگئی، یا یوں کہئے کہ وہ مشکل بہ صورت کانفرنس ہوگئی، یہ ہندوستان کی سب سے بڑی انجمن ہے جسے آل انڈیا شیعہ کانفرنس کہتے ہیں۔

❁❁❁

شیعیت ہندوستان میں

مصنف

جناب م۔ر۔عابد، مقبرۂ عالیہ گولہ گنج، لکھنؤ

شیعیت ہندوستان میں

جناب م۔ر۔عابد، مقبرۂ عالیہ گولہ گنج، لکھنؤ

ایک گروہ کی حیثیت سے شیعہ نہ تو کوئی احتجاجی (Protestant) فرقہ ہے، نہ کوئی انحرافی گٹ، یا کوئی علیٰحدگی پسند (Separatist) جماعت یا کوئی ٹوٹا ہوا دھڑا (Defected Faction)، اور نہ ہی کوئی افتراق وتفرقہ انگیزی والا (Sectarian) مورچہ۔ کسی بھی ذمہ دار شیعہ فرد نے انفرادی طور پر یا کسی بھی قسم کے معقول شیعہ گروہ نے اجتماعی طور سے اپنے کو اسلام، یا ملت اسلامیہ یا امت مسلمہ سے الگ پہچنوانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ (وہ ایک اللہ، ایک رسولؐ، ایک کلمہ، ایک قبلہ، ایک قرآن یا دوسرے مشترک بنیادی معتقدات کو ہی اتحاد ملت کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔) وہیں یہ بات بھی کم قابل غور نہیں کہ اگر شیعۂ علیؑ کے موجودہ اصطلاحی معنی نہ لئے جائیں اور عام لفظی مفہوم لیا جائے تو ہر مسلمان بلا امتیاز مسلک ومکتبۂ فکر اپنے کو شیعہ علیؑ یا اہل سنت کہنے یا کہلانے میں کسی قسم کا پس وپیش نہ کرے گا۔ لیکن جو بھی ہو، سیاسی اغراض ہوں یا نجی مفادات (Vested Interests/ fufgr LoKFkZ) یا کچھ اور، شیعوں کو الگ تھلگ کرنے کی بھی اپنی تاریخ ہے۔ (یہ بجائے خود تحقیق کا ایک دلچسپ موضوع ہے۔) ایسے میں شیعہ یا شیعیت کی تاریخ جیسے دشوار گزار تحقیقی موضوع پر کوئی قلمی کاوش منظر عام پر آئے تو کیا برا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ رسولؐ اسلام کی حیات طیبہ میں ہی آپ کے اصحاب کی

ایک نمایاں جماعت تھی جو حضرت علیؑ سے اپنی خصوصی وابستگی کی بنا پر شیعہ علیؑ کے عنوان سے جانی پہچانی جاتی تھی۔اس طرح یہ آسانی سے کہا جاسکتا ہے کہ شیعہ کم تعداد میں سہی لیکن ایک عمرانی واحدہ (Social Entity) کے طور سے اسی وقت اپنی شناخت بنا چکے تھے۔ رسالت مآبؐ کے بعد ابھرنے والے سیاسی منظرنامہ میں اس جماعت کا پرزور (لیکن پوری طرح عدم تشدد کا) احتجاج کوئی ڈھکا چھپا بھی نہیں ہے۔لیکن با قاعدہ ایک بڑے گروہ کی صورت میں 'شیعیان علیؑ' نام بعد میں پڑا۔ جب جناب امیرؑ کے خلافت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد ایک طرف سے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کا بڑا زوردار (مسلح) مطالبہ کیا گیا تو حکومت وقت سے برسر پیکار اس احتجاجی فوج کو شیعیان عثمانؓ کہا گیا اور ان کے مقابل حکومت کے وفادار یعنی عامۃ المسلمین کو شیعیان علیؑ کہا گیا۔ (ظاہر ہے، ان میں موجودہ اصطلاح کے شیعہ اور سنی دونوں شامل تھے۔)

لیکن امیرالمومنینؑ کے بعد کی سیاسی کروٹ نے نہ صرف شیعوں کو پھر پہلے والی حیثیت میں پہنچا دیا بلکہ ان پر آسمان وزمین تک تنگ کر دیا۔ان پر سختیاں بڑھتی گئیں، ان کا خون سستا ہوتا گیا۔نتیجہ ظاہر تھا، خود ان کے اندر عدم تحفظ کا احساس بڑھتا گیا۔ بڑھتا ہوا یہ عدم تحفظ خود ہی ایک نفسیاتی توانائی بن کر سماجی قوت اور داخلی طاقت کو بڑھاوا دیتا ہے۔ پھر بھی شیعوں نے ایک قوم، پارٹی یا مذہبی فرقہ کے طور پر اپنی علاحدہ پہچان بنانے کی کوئی انفرادی یا اجتماعی کوشش نہیں کی۔تقیہ کے زمانہ کے علاوہ بھی کبھی اس کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔اگر ان کا کوئی مخصوص انحرافی طرز عمل ظاہر ہوا تو وہی کہ وہ وحدتِ اسلامیہ کے علمبردار اور حقیقت اسلام کے نظری وعملی مبلغ بنے رہے۔ان کا یہ اجتماعی طرۂ امتیاز ان کے اپنے اماموں کے زیر سایہ تشکیل پایا اور پروان چڑھا کیونکہ وہ اپنے اماموں سے 'ولایت' (فرماں برداری) کے اٹوٹ بندھن سے جڑے رہے۔ یہ سال عشرہ کی بات نہیں بلکہ رسولؐ کے بعد کم از کم ڈھائی پونے تین

سو سال کی براہ راست منظم تربیت اور معصوم نگرانی کا نتیجہ تھی۔ ان کی شناخت ان کے تقویٰ، دینداری اور اقدار اسلام کی غیر مشروط ہمہ گیر پابندی و پاسداری سے رہی۔ یہ شناخت اتنی نمایاں، پائیدار، بے کم وکاست اور پوری طرح Fool Proof تھی کہ ان کے دشمن کی جاسوس نگاہیں بڑی آسانی سے انھیں تاڑلیتیں۔ یعنی یہ شناخت ان کے دشمنوں کے ہاتھوں میں ایک انتہائی کارگر، بڑا آزمودہ اور وہ بھی بڑا آسان نسخہ بنی رہی۔ اپنی قومی شناخت سے بے نیازی اور طاقتور سامراج کے مظالم کے مسلسل شکار ہوتے رہنے سے ہی شاید ان کے امتیازات ابھرتے رہے اور ان کی صلاحیتوں میں نکھار آتا گیا۔

غیر واضح شناخت کے باوجود جہاں تک علم و تحقیق کی نظر جا سکی اس کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ علم و فضل کے ہر میدان میں، اعزاز و اکرام کے ہر عنوان میں ان کے نقوش، کسی نہ کسی طرح تاریخ میں ثبت بھی ہوتے گئے۔ اسلامی دانشوری کی سنہری روایت میں ان کا رول کلیدی رہا ہے۔ تقویٰ، دینداری اور اسلامی اقدار میں انہاک کے ساتھ ساتھ، علوم و معارف اسلامیہ کے تقریباً ہر شعبہ اور دیگر علوم و آگہی کے مختلف میدانوں میں ان کی نمایاں و قائدانہ خدمات رہی ہیں۔ (حالانکہ شروع کی کئی صدیوں تک ادھر شیعہ خود مصلحتاً اپنی شیعیت کے اظہار سے پہلو تہی کرتے، اُدھر حکومت گزیدہ اندھی بہری، چکا چوندھ کی ماری تاریخ ان سے پہلو تہی کرتی رہی۔ (ایسے میں ان کے کارناموں کا تاریخ تک پہنچ جانا کسی معجزہ سے کم نہیں لگتا۔)

❀❀❀

ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ

مصنف

ادیب اعظم مولانا سید محمد باقر شمس لکھنوی، کراچی پاکستان

ہندوستان میں شیعیت کی تاریخ

ادیب اعظم مولانا سید محمد باقر شمسؔ لکھنوی، کراچی پاکستان

تمہید

برصغیر کے شیعہ اپنے مذہب اوراپنی قوم کی تاریخ سے بے خبر ہیں۔انھیں نہیں معلوم کہ ہندوستان میں ان کی قومی اور مذہبی حیثیت کیا تھی اور کس طرح وہ اپنے عقائد سے واقف ہوئے اور دوسروں کے عقائد ترک کئے، ان کی قومی تشکیل کس طرح ہوئی۔اس کو جاننا، اس کی یادگار منانا اور انھیں طریقوں پر عامل ہوجانا ضروری ہے جن سے وہ ایک قوم بنے۔

ہم نے اس روئداد کو مختصر طور پر پیش کرنا ضروری سمجھا کہ شیعہ اپنے مذہب کی تاریخ سے واقف ہوجائیں۔اگرچہ ہماری یہ کوشش مختصر ہے مگر سمجھنے اور یادرکھنے کے لئے کافی ہے۔

یہ واقعہ عہد آصف الدولہ کا ہے۔اگرچہ اس میں اُن کی سعی کو کچھ دخل نہیں مگر ان کے عہد کا واقعہ ہے جو مولانا دلدار علی غفران مآبؒ کی سعیٔ پیہم اور نواب حسن رضا خاں کی سرپرستی سے وجود میں آیا۔

مورّخوں اور تذکرہ نویسوں نے غفران مآبؒ کی کوششوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے مگر نواب حسن رضا خاں کو نظر انداز کردیا ہے۔ یہ بڑی حق تلفی کی بات ہے۔اس کو بھی تفصیل سے بیان کرنا تاریخی دیانت کے لحاظ سے ضروری تھا۔اس کمی کو میں نے پورا کردیا ہے۔

فقط: ذرۂ ناچیز

محمد باقر شمسؔ

تیرہویں صدی ہجری

عہد آصف الدولہ میں شیعیت کی تجدید

مولانا دلدار علی غفران مآبؒ اور

سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خاں

ہندوستان میں مغلوں سے پہلے شیعہ اپنے کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔ تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ فیروز شاہ کے زمانہ میں کچھ رافضی اور ان کی کتابیں پکڑی گئیں، کتابیں سرِ بازار جلا دی گئیں اور رافضیوں کو اس جگہ پہنچا دیا گیا جو ان کے لئے مقدر تھی۔ نقوی سادات کا ایک خاندان محمود غزنوی کے وقت سے جائس میں آباد تھا جو تلوئی، سمرن گڑھ، سیواڑہ، رسالپور، پٹاک پور اور امیٹھی ہندو ریاستوں کے بیچ میں تھا۔ یہ ریاستیں اس وقت حکومت دہلی سے آزاد اور خود مختار تھیں اس وجہ سے جائس کے سادات محفوظ رہے۔

مغل حکومت اور شیعہ

بابر کے ساتھ شیعہ ہندوستان میں آئے اور امراء کی صف میں داخل ہوئے، پھر ان کی آمد کا سلسلہ جاری ہو گیا اور ان کی تعداد بڑھتی رہی، مگر بحیثیت جماعت ان کا کوئی وجود نہ تھا۔ وہ اہل سنت کے ساتھ شادی بیاہ کرتے تھے اور ان کے تمام مذہبی رواسم بجالاتے تھے کیوں کہ کوئی شیعہ عالم نہ تھا نکاح، طلاق، نماز، روزہ، دفن وکفن سب اہل سنت کے طریقہ پر انھیں کے ہاتھوں سے انجام پاتا تھا۔ پیری، مریدی، عرس، قوالی، چادر، گاگر، شیخ سدّو کا بکرا، میراں جی کے گلگلے، احمد کبیر کی گائے، سید سالار کا جھنڈا۔ مدار صاحب کی کندوری، بڑے پیر کا فاتحہ اہلسنت میں عام تھی، شیعہ بھی اس میں ان کے برابر کے شریک ہو گئے۔ ان حالات میں باہر

سے آنے والے شیعہ تو شیعہ رہے مگر ان کی اولاد رفتہ رفتہ اپنے مذہب سے بے خبر اور عام مسلمانوں میں جذب ہوتی چلی گئی۔ سفر کی دشواری اور رسل و رسائل کے فقدان نے عراق سے کوئی ربط قائم نہ ہونے دیا۔

ایران سے صرف ادبی رشتہ تھا اور شیعیت کا ایک دھندلا سا نقش پڑھے لکھے لوگوں کے دماغ میں رہ گیا تھا۔ شیعہ عوام کو اتنا شعور بھی نہ تھا۔ اس پر طرّہ یہ ہوا کہ کچھ لوگ خوف، کچھ مروت سے کچھ قرابت داری، کچھ اپنی قلتِ تعداد کو محسوس کر کے اپنے مذہب سے بے اعتنائی برتنے لگے اور کچھ جان بوجھ کے چھپانے لگے۔ ''تذکرۂ بے بہا فی تاریخ العلماءٔ'' میں مولانا محمد حسین صاحب نوگانوی نے لکھا ہے کہ قاضی نور اللہ شوستریؒ زندگی بھر اپنے مذہب کو چھپاتے رہے، اس طرح ایسی فضا پیدا ہوگئی کہ خاندان کے خاندان سنی ہوتے چلے گئے۔ جب شیعوں کی آزاد ریاستیں قائم ہوگئیں تو ان میں یہی حالت رہی کیوں کہ کوئی شیعہ عالم نہ تھا۔ علمائے اہلسنت ہی مفتی و قاضی اور امام جمعہ و جماعت تھے۔ سنیوں اور شیعوں کے تمام مذہبی امور انھیں کے ہاتھوں انجام پاتے تھے، صرف اودھ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ فیض آباد میں مولانا رجب علی اور جونپور میں مولانا سید عسکری صاحب شیعہ عالم تھے، پانچ سنی عالم اپنی ذاتی تحقیق سے شیعہ ہوگئے۔ ملا حمد اللہ، علی اکبر چشتی مودودی، تفضّل حسین خانِ علامہ، مولوی شمس الدین فقیر اور میر قمر الدین منتؔ۔

ملّا حمد اللہ منطقی آدمی تھے۔ شیعہ ہونے کے بعد انھوں نے علامہ بہائی کی زبدۃ الاصول کی شرح لکھی۔

مولانا اکبر علی چشتی مودودی نے خرقۂ خلافت اتار دیا اور پیری مریدی چھوڑ دی۔

تفضّل حسین خانِ علامہ فلسفی تھے۔ انھوں نے فلسفہ میں کتابیں لکھیں۔ سفارت تک پہنچنے کے بعد بھی وہ درس دیا کرتے تھے۔ وہ معقولات کے ساتھ اہل سنت کو سنی فقہ اور شیعوں کو

شیعہ فقہ بھی پڑھاتے تھے۔ میر شمس الدین فقیرؔ اور میر قمر الدین منتؔ ادیب تھے۔ ان لوگوں کی شیعیت کا اثر ان کے گھر سے باہر نہیں نکلا۔ لکھنؤ میں شیعیت کا اثر صرف اتنا تھا کہ یہاں کے پہلے فرماں روا برہان الملک نے محرم میں مجلس قائم کی جس میں مرثیہ پڑھا جاتا تھا مگر صرف دس دن باقی دنوں میں مذہبی رواسم وہی صوفیاء کی نذر و نیاز تھے۔ برہان الملک کے جانشین صفدر جنگ کے زمانہ میں عزاداری کو کوئی ترقی نہیں ہوئی کیوں کہ وہ زیادہ تر دہلی میں رہے۔ شجاع الدولہ کو عزاداری سے بہت عقیدت تھی۔ وہ محرم کے دس دن بڑی دھوم سے عزاداری کرتے تھے۔ اودھ میں صرف جائس و نصیرآباد ایسا خطہ تھا جہاں شیعہ سادات بہت دن سے آباد تھے۔ ان میں علماء وفضلاء بھی پیدا ہوتے رہے یہ لوگ اپنے مذہب سے باخبر تھے اورنگزیب کے زمانہ سے ان کو قضا اور معلمی کے عہدے بھی ملتے رہے۔ غفران مآبؒ کے بزرگوں میں سید عبدالقادر اورنگزیب کے بڑے بیٹے کے استاد تھے جن کی تعلیم سے وہ شیعہ ہوئے اور بہادر شاہ بننے کے بعد انھوں نے اپنی شیعیت کا اعلان کر دیا جس پر ہنگامہ برپا ہوا تفصیلات تاریخ میں موجود ہیں۔ آخر زمانہ میں ملا نعمت اللہ، ملا عصمت اللہ، قاضی قربان علی، قاضی علی رضا اور قاضی عادل حسین یہاں کے مشہور عالم تھے۔ اپنی سیادت کو محفوظ رکھنے کے لئے آپس ہی میں شادی بیاہ کرتے تھے۔ سنی وہ سب کرتے تھے جو ہندوستان میں ہوتا تھا۔ شیعوں میں صوفیوں کی نذر و نیاز جائز نہیں ہوتی تھی۔ اس خطہ کے علاوہ سارے ہندوستان میں شیعیت کی زبوں حالی حساس دلوں کو پکارتی تھی مگر کوئی لبیک کہنے والا نہ تھا اسی سادات نصیرآباد وجائس کے فرزند رشید دلدار علی ۱۱۶۶ھ کو شب جمعہ نصیرآباد میں پیدا ہوئے۔ قدرت نے ان کو حساس دل، دقیق نظر، انقلابی ذہن، آہنی عزم اور پرتاثیر زبان عطا کی تھی۔ وہ بچپنے سے بردبار، سنجیدہ اور غور و فکر کے عادی تھے اور شیعیت کی اس زبوں حالی پر غور کرتے رہتے تھے۔ دیہات کی زندگی، کھیتی باڑی کا مشغلہ تھا اور معمولی تعلیم تھی۔ تاریخ و سیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک

دن وہ اپنے کھیتوں کے قریب، درخت کے نیچے کھڑے تھے کہ ایک روشنی پیدا ہوئی اور آواز آئی ''دلدار علی جا! اور علم دین حاصل کر'' حقیقت میں یہ ان کے دل کی آواز تھی جسے وہ سوتے جاگتے سنا کرتے تھے۔

گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے اور ہندوستان کے مشہور علماء سے فلسفہ، منطق، ہیت اور ریاضی میں وہ تبحر پیدا کیا کہ علامہ ''عبدالحیٔ فرنگی محلی'' جو اپنے وقت کے مشہور فلسفی تھے ان کا یہ قول ان کے شاگرد سید مرتضیٰ فلسفی نے ''معراج العقول'' میں لکھا ہے کہ جب میں جناب غفران مآب کے حاشیہ صدرا کو دیکھتا ہوں تو متاخرین فلاسفہ پر ان کو ترجیح دیتا ہوں۔

ان کے بیٹے سلطان العلماء سید محمدؒ صاحب رضوان مآب کی مشہور کتاب ''بوارق موبقہ'' سے انکشاف ہوا کہ جناب غفران مآبؒ نے تکمیل علوم کے بعد ہندوستان کی سیاحت بھی کی اور مشہور علماء سے مباحثے بھی کئے۔ شاہ جہاں پور کی مسجد میں ملّا ''عبدالعلی فرنگی محلی'' سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اپنی کتاب ''شرح سلّم'' میں ملا حمد اللہ پر جو اعتراض کئے تھے ان کا جواب غفران مآبؒ نے دیا تو وہ کوئی شافی جواب نہ دے سکے۔ دہلی کی جامع مسجد میں ملا حسن سے مسئلہ انجزاء وتر پر بحث ہوئی تو ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ علم میں یہ درجہ حاصل کرنے کے بعد وہ لکھنؤ آئے۔ اس وقت آصف الدولہ حکمران اور حسن رضا خاں سرفراز الدولہ وزیر اعظم تھے، ان کے بیٹوں کے استاد سے غفرانمآبؒ نے ربط پیدا کیا، پھر انھیں کے ذریعہ سے وزیر اعظم سے ملے اور ان سے کہا کہ شیعہ ریاست میں عیدین اور جمعہ کی نمازیں اہل سنت پڑھاتے ہیں، سنی علماء مفتی اور قاضی ہیں، نکاح، طلاق، دفن کفن شیعوں کا بھی سُنی طریقہ سے ہوتا ہے۔ پیری مریدی، عرس، قوالی اور صوفیوں کی نذر و نیاز شیعوں نے اختیار کر لی ہے اور اپنے مذہب سے بے خبر ہو گئے ہیں۔ صرف تعزیہ داری جانتے ہیں، وہ بھی اصلاح طلب ہے۔ ان میں تبلیغ کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے مذہب سے واقف ہوں۔ لوگوں کو دینی تعلیم کی طرف راغب کیا

جائے۔ فقہ واصول اور کلام ومناظرہ کی کتابیں پڑھائی جائیں اور علماء ومبلغین پیدا کئے جائیں۔حسن رضا خاں دین دار آدمی تھے،انھوں نے کہا:''آپ یہ امور انجام دیں۔میں آپ کے لئے سہولتیں پیدا کروں گا۔''انھوں نے کہا کہ میں علوم دینیہ سے معمولی واقفیت رکھتا ہوں، فقہ واصول کا درس نہیں دے سکتا جب تک خود علوم دینیہ حاصل نہ کرلوں۔ طے یہ پایا کہ نجف اشرف جاکے علم دین حاصل کریں،نواب نے پانچ ہزار روپئے ان کو دیئے اور ہندوستان کا یہ فلسفی علم دین حاصل کرنے کے لئے باب مدینہ علم کی طرف روانہ ہوا۔بمبئی پہنچ کر بادبانی جہاز میں بیٹھے۔مشہور ہے پندرہ دن کی مسافت طے کی تھی کہ بادمخالف کا طوفان اس زور سے آیا کہ ناخدا بادبان لپیٹ نہ سکا،مخالف ہوا بھری اور تیسرے دن ساحل بمبئی پر لا کھڑا کیا۔مگر دلیرانہ ہمت اور جواں مردانہ عزم کف بردہان سمندر کو للکار کے پھر اس کے سینہ پر سوار ہو گیا۔اب کی سمندر مغلوب اور بیڑا پار تھا۔نجف اشرف پہنچ کے علامہ سید مہدی طباطبائی اور آغا باقر بہبہانی، کے درس میں شرکت کی اور پانچ برس میں فقہ واصول کا دورہ مکمل کیا۔اس وقت نجف اشرف کی یہ خصوصیت مشہور تھی ''خُبْزُ الشَّعِيْرِ لَحْمُ الْبَعِيْرِ زِيَارَةُ الْاَمِيْرِ'' جو کی روٹی،اونٹ کا گوشت اور امیر المومنینؑ کی زیارت۔

اونٹ کا گوشت تو کبھی کبھی ملتا ہوگا نمک اور رطب سے روٹی کھائی جاتی تھی، چار پانچ روپیہ ماہانہ کا خرچ تھا، کپڑے وغیرہ ملا کے زیادہ سے زیادہ دس روپیہ ماہوار کا صرف ہوتا تھا۔ ان کے پاس ایک ہزار روپیہ سال کے حساب سے روپیہ تھا،جس سے وہ دینی کتابیں خریدتے تھے ان کا مطالعہ کرتے تھے اور اپنے کو تبلیغ کے لئے تیار کرتے تھے۔ان کی دلی تمنا تھی کہ ان کی تبلیغ کا سلسلہ قیامت تک باقی رہے۔اس کے ساتھ وہ انسان کی عمر طبعی کی حد بھی جانتے تھے تو دعا کرتے تھے کہ خداوندا میری اولاد میں قیامت تک علم دین باقی رہے۔اس کا یہ پُرلطف واقعہ علامہ کنتوری نے لکھا ہے:-

میرے ایک بزرگ رسول پور کے جناب غفران مآبؒ کے ہم سفر تھے۔ نجف میں شب قدر کے اعمال کئے اور ان کو بھی شریک کیا اور فرمایا کہ جب ایک عمود نور قبّہ مبارکہ سے آسمان تک نظر آئے تو وہی استجابت دعا کا وقت ہے۔ جب وہ وقت آیا تو جناب غفران مآبؒ نے دعا کی: ''خداوندا بحق صاحب قبر میری اولاد سے قیامت تک علم دین نہ جائے۔'' سید صاحب نے دعا کی کہ خداوندا ''رسول پور کی بارہ پٹی میں سوا میرے اور کوئی میرا شریک نہ ہو'' جناب غفران مآبؒ نے ان کو ایک دو ہتڑ مار کر کہا: ''اے کمبخت! یہ کیا دعا کی؟'' سید صاحب نے کہا: ''تم زمینداری کا مزا کیا جانو؟ ملّا آدمی، لڑکے پڑھانے کا تم کو مزا ہے زمینداری کو کیا جانو؟ اس کی جڑ پاتال میں ہوتی ہے جیسے دوب کی جڑ۔ (تاریخ العلماء ص ۱۵۰)

جب درجۂ اجتہاد پر فائز ہو گئے تو اپنی کتابوں کا پشتارہ لے کے ایران آئے اور کچھ دن قم میں قیام کیا۔ وہاں بھی بہت سی کتابیں خریدیں۔ پھر سندھ کے راستے ہندوستان پہنچے۔ نواب نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ایک لاکھ کی کتابیں مختلف مذاہب کی دو دفعہ منگوا کے دیں اور وہ سیاسی توڑ جوڑ سے اپنے کو علاحدہ کر کے صرف ایک مقصد کو سامنے رکھ کے بیک وقت تصنیف وتالیف، درس وتدریس اور تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔

تصنیف وتالیف

تصنیف وتالیف کے میدان میں قدم رکھا تو سب سے پہلے ''عماد الاسلام'' کی پہلی جلد الٰہیات سے شروع کی جس میں حکمائے یونان، فلاسفۂ ہندوستان اور علمائے امت کے اقوال کے ردوابطال میں جو معرکے دکھلائے ہیں اس نے علمائے سابقین ولاحقین کے کارنامے محو کر دیئے۔

علامہ عبدالحسین صاحب استاد فلسفہ (جامعہ سلطانیہ لکھنؤ) اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

یہ ایک ایسی جامع اور حاوی کتاب ہے جس کی نظیر مذہب امامیہ کے کتب خانہ بلکہ اسلامی کتاب خانہ میں ناپید ہے۔ اس کی تعریف کے لئے میدان قلم کوتاہ اور جولانیٔ دماغ ناکافی ہے۔ اس میں ایسے مطالب عالیہ بیان کئے گئے ہیں جن کا سمجھنا خالی از اشکال نہیں، چہ جائے کہ ان کی توضیح وتقریر کرنا۔ مرحوم اَعْلَی اللّٰہُ دَرَجَتَہٗ نے یہ کتاب نہیں لکھی بلکہ درسگاہِ تحقیق اور بزمِ قدس منعقد کی ہے، جس میں تمام علماء، حکماء اور متکلمین اسلام کو مدعو کرلیا ہے۔ اس میں اگر ایک طرف افلاطون الٰہی مع اپنی تحقیقات کے، ارسطو مع اپنی آراء کے جلوہ افروز ہے۔ تو دوسری طرف ابوالنصر فارابی، شیخ الرئیس ابوعلی بن سینا مع شفاء واشارات کے زیب دہِ انجمن ہیں۔ ایک طرف اگر بہمن یار مع تجرید کے، میر باقر داماد مع اپنی تصنیفات کے زینت افزائے بزم ہیں، تو دوسری طرف علامہ حلّی مع ''نہایت المرام'' کے، قوشجی مع شرح تجرید کے، شیخ مفید مع مقالات کے، سید مرتضیٰ علیہ الرحمہ، مع شافی کے، سید علی بن طاؤس مع طرائف کے، رونق افزائے محفل ہیں، وسط میں اشاعرہ اور معتزلہ کا گروہ مع اپنے تلامذہ اور اتباع کے جن میں حافظ نظام، ابوالہذیل علاف بلخی وغیرہ وغیرہ موجود ہیں۔ ایک گوشہ میں ملا صدرالدین شیرازی مع اسفار اور شارح مواقف مع اپنی تصنیفات کے تشریف فرما ہیں، دوسرے گوشہ میں شہید ثالث قاضی نوراللہ شوستری اور علامہ فضل بن روزبہان مع احقاق الحق اور ابطال الباطل کے حاضر ہیں۔

صدرنشین بزم قدس جناب غفران مآب علیہ الرحمہ ہیں، آپ کے ہاتھوں میں عنانِ کمیت قلم ہے اور وہ اس کو میدان تحقیق میں جولان کررہے ہیں۔ آپ کی تحقیق اتنی کامل، آپ کی نظر اتنی وسیع ہے کہ آپ کے فیصلہ کو تمام علماء مانے ہوئے

ہیں، آپ پر مجال نہیں کہ کوئی اعتراض کر سکے اور آپ کی تحقیق کو رد کر سکے۔

(رسالہ مبلغ غفران مآب نمبر)

عراق کے مشہور عالم شیخ الفقہاء شیخ محمد حسن نجفی صاحب 'جواہر الکلام' لکھتے ہیں:

''مراۃ العقول (الملقب بعماد الاسلام) جس کے مصنف ہیں اسلام کے رکن اعظم اور خلق خدا پر خدا کی حجت، جنھوں نے عقول کو اپنی موشگافیوں سے حیران کر دیا اور عقلی شبہوں کو اپنی فکر ونظر کے ستاروں سے روشن کر دیا، جن کے انواع علوم کی حدیں معین کرنے سے اجناس وفصول قاصر ہیں اور جنھوں نے تحریر کی مشکل شکلوں کو اپنے بیان کے منطوق کے ذریعہ سے واضح کیا، تمام خلق خدا کے مرکز اور عقول عشرہ [۱] کے مدمقابل گیارہویں عقل'' (ظل ممدود)

مفتی محمد عباس صاحب ایک اور موقع پر لکھتے ہیں:

بلند مرتبہ علامہ، خدا کی بولتی ہوئی کتاب، جن کی ذات پر اجتہاد ختم ہو گیا۔۔۔خدا کی سب سے بڑی آیت اولین وآخرین کے اندر۔ (ظل ممدود)

علامہ شیخ احمد یمنی، شیروانی لکھتے ہیں: آپ کی مہارت علم اصول میں جعفری، آپ کا احاطہ فروع میں یوسفی، آپ کی درایت فہم حدیث میں باقری، آپ کی تحریر وتقریر حقائق کی پردہ دار اور نکتوں کو واضح کرنے والی ہے۔ کون آپ کی ہمسری کر سکتا ہے؟

---

[۱] فلاسفہ یونان قائل ہیں کہ اللہ کی مخلوق بلا واسطہ عقل اوّل ہے اور عقل اوّل نے عقل ثانی کو پیدا کیا اور عقلِ ثانی نے عقل ثالث کو، یوں ہی دس عقول تک سلسلہ پہنچا اور نو فلک پیدا ہوئے، پھر انھیں عقول وافلاک کی شرکت سے تمام کائنات وجود میں آئی۔ ۱۲ (ظل ممدود۔ مرتبہ مفتی محمد عباس صاحب)

اگر علامہ حلّی ہوتے تو آپ کی اقتدا کرتے، اگر مجلسیؒ اور مفیدؒ آپ کے مفید مجالس درس میں حاضر ہوتے تو بحارُ الانوار کو آپ کے دریائے علم کے پہلو میں حقیر سمجھتے۔ اللہ اکبر کس قدر علوم وفنون میں آپ کا حصہ بلند اور مقام رفیع ہے۔

(ظل ممدود مرتبہ جناب مفتی میر عباس صاحب)

مولانا اعجاز حسین صاحب اور برادر مولانا میر حامد حسین صاحب مرحوم شذور العقیان فی تراجم الاعیان میں اپنے والد کے متعلق لکھتے ہیں کہ انھوں نے تلمذ حاصل کیا خدا کی اس نشانی سے جو تمام عالموں کا رب ہے۔ وہ ایسے بزرگ ہیں جنھوں نے مملکت ہندوستان میں دین کو زندہ کیا اور بدعت وجاہلیت کے آثار کو محو (باطل) کیا۔ یعنی علاّمہ مولانا سید دلدار علی نصیر آبادیؒ۔

(منقول از حیات فردوس مکاں)

حقیقت میں خدا کو ان سے جو اہم کام لینا تھا اس کا تقاضا یہی تھا کہ ان کا علم، ان کا عزم، ان کی ہمت اور ان کی سیرت ائمہ اہلبیتؑ کا پرتو ہو۔ یہی اوصاف ان کے علمی کارنامے کی جان ہیں۔ اگر ان کا علم، ان کی بلند نظر، ان کی تعمق فکر فوق البشر نہ ہوتی تو ہندوستان کی شیعیت کی تاریخ کچھ اور ہوتی ان کی بلند نظر ہر خامی کو دیکھتی تھی خواہ وہ کہیں ہو۔

وہ عراق جا کر وہاں کے علماء سے مرعوب نہیں ہوئے اور وہاں سے واپس آئے تو ان کی نقل نہیں اتاری۔ بلکہ ہندوستان میں ان طریقوں سے شیعیت کی ترویج کی جو یہاں کے حالات کے لحاظ سے مناسب تھے۔

ہندوستان میں شیعوں کی پہلی نماز جماعت

آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ شیعوں کی نماز جماعت ہندوستان میں کہیں نہیں ہوتی تھی اور ایک نئی بات کی ابتداء کرنے کی نہ کسی کو جرأت تھی اور نہ کوئی نماز پڑھانے والا میسّر تھا۔ پڑھے لکھے شیعہ عموماً اخباری تھے جن کے نزدیک جمعہ وجماعت درست نہیں۔ اس طرح شیعوں کی

الگ کوئی اجتماعی زندگی نہ تھی اور بحیثیت شیعہ ایک قوم ہونے کا کوئی تصور کسی کے دماغ میں نہ تھا بلکہ عام طور پر لوگ اس کے اظہار سے کتراتے تھے جس کے نتائج کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

شیعہ قومیت کی تشکیل

اس وقت ضرورت اس کی تھی کہ شیعوں کے مذہبی عقائد انھیں بتائے جائیں ان کی نماز، ان کے مذہبی رواسم الگ قائم ہوں اور ان میں اتنی جرأت پیدا کی جائے کہ وہ بحیثیت شیعہ ایک اجتماعی زندگی اختیار کر کے ایک قوم بن جائیں اس کے لئے جناب غفران مآبؒ نے نواب حسن رضا خان کو آمادہ کیا کہ شیعوں کی نماز جماعت شروع ہو۔ نواب کے گھر میں ملا محمد علی فیض آبادی اور شیخ اکبر علی چشتی مودودی نے غفران مآبؒ کی اقتدا میں چند مخصوصین کے ساتھ نماز پڑھی۔ یہ ۱۳ ؍رجب ۱۲۰۰ھ کی مبارک تاریخ تھی۔ قدسیؔ جائسی کا شعر ہے ؎

شیعیانِ ہند کی پہلی جماعت کی نماز
جس سے عہدِ آصف الدولہ کو ہے خاص امتیاز

نماز جمعہ کی ابتداء

اس کے بعد انھوں نے بڑی جرأت سے کام لیا اور مذہب میں گویا نئی بات کی ابتدا کی یعنی ۲۷ ؍رجب کو جمعہ کی نماز قائم کی جو عراق وایران میں بھی نہ ہوتی تھی، اس کے وجوب پر ایک استدلالی کتاب لکھی۔ اس طرح انھوں نے عراق وایران کی بھی ایک کمی کو یہاں پورا کیا۔

موعظہ کی ابتداء

نماز کے بعد موعظہ شروع ہوا جس میں رفتہ رفتہ مجمع بڑھتا گیا۔ سرفراز الدولہ، آصف الدولہ کو بھی ایک دن کھینچ لائے مگر غفران مآب سے کہہ دیا کہ نواب بھنگ کے عادی ہیں، اس کے متعلق کچھ نہ کہیئے گا لیکن اس دن کا موعظہ مسکرات ہی کی حرمت پر تھا نواب کا ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا۔ رہ رہ کے اپنی لمبی لمبی موچھوں کو تاؤ دیتے تھے۔ وزیر اعظم کی نظر نواب پر

تھی۔ دل میں پنکھے لگے تھے کہ دیکھیے خدا آج کیا دکھاتا ہے۔ ابھی موعظہ تمام نہ ہوا تھا کہ نواب نے بلند آواز سے کہا کہ باواجان کے سر کی قسم جو آج سے بھنگ کو منھ لگایا ہو، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی زبان میں خدا نے وہ اثر دیا تھا کہ جو قلوب کو پھیر سکتا تھا اور سینہ میں وہ دل دیا تھا جو سوا خدا کے کسی سے نہ ڈرتا تھا۔

اصلاحی کوشش

تحریر کے ذریعہ جو انھوں نے اصلاحی کوششیں کیں، وہ ہندوستان کی ضرورت کے مطابق تھیں، تقلیدی نہ تھیں بلکہ خود ان کی قوتِ اجتہاد کا نتیجہ تھیں، اس لئے ان کی اہمیت اور افادیت ہندوستان تک محدود نہیں رہی۔

تصوف کی مخالفت

ہندوستان میں تصوف کا بڑا زور تھا۔ علمائے عراق نے اس پر شیعی نقطہ نظر کی وضاحت نہیں کی۔ علمائے ایران میں علامہ مجلسیؒ نے ایک ہلکی سی روشنی ڈالی۔ اس وجہ سے اکثر علمائے شیعہ کو اس بارے میں مسامحہ ہوتا رہا۔ علامہ محسن فیض صاحبِ تفسیر صافی نے سماع (قوالی) کو جائز قرار دیا۔ شہید ثالث قاضی نوراللہ شوستری نے اکابر صوفیہ کی تعریف میں اتنی خامہ فرسائی کی کہ ان کی مذہبی حیثیت مشکوک ہوگئی اور صاحب تاریخ علماء کو لکھنا پڑا کہ ان کو بدمذہب سمجھنا درست نہیں کیوں کہ انھوں نے صوفیہ کی تعریف کے ساتھ ان کے اقوال کی تاویل کی ہے اور اس کا کچھ اور مطلب بیان کیا ہے۔ یعنی اس وقت تک کوئی واضح خط صوفیت اور شیعیت کے درمیان نہ تھا۔ جناب غفران مآبؒ نے معرکہ آراء کتاب ''شہاب ثاقب'' صوفیت کی رد میں لکھ کر کے ان کے فلسفہ اور عمل وقول کی دھجیاں اُڑادیں اور ایسا قلع قمع کیا کہ شیعوں سے اس کا استیصال ہوگیا۔

اخباریت کی رد

ہندوستان کے شیعوں میں عام طور سے اخباریت پھیلی ہوئی تھی، وہ اجتہاد وتقلید کو ناجائز سمجھتے تھے۔غفران مآبؒ نے اس موضوع پر''اساس الاصول'' لکھ کے اخباریت کی جڑ اُکھاڑ دی۔اب ہندوستان میں اخباری نہ ہونے کے برابر ہیں۔

علم کلام میں انھوں نے توحید، عدل، نبوت، امامت اور قیامت پر مستقل کتابیں لکھیں اور بڑے شدومد سے جبروقدر، رویت باری، معصیت انبیاء اور خلافت غیر منصوص کی رد کر کے مذہب اہل بیت کو ثابت کیا۔اس سے پہلے عقلی ونقلی حیثیت سے اتنی مدلل، اتنی مفصل، اتنی مکمل بحث کسی نے نہیں کی تھی۔اس سے ہندوستان میں ایک ہلچل مچ گئی اور شیعہ سنی دونوں نے ان کے خلاف محاذ قائم کردیا۔

اخباریوں کی طرف سے''اساس الاصول'' کی رد لکھی گئی۔تفضّل حسین خان علامہ نے عمادالاسلام پر اعتراضات کئے۔شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی نے تحفہ اثناعشریہ میں توحید سے لے کر معاد تک شیعہ نقطۂ نظر کی رد کی۔اس طرح ایک میدانِ کارزار گرم ہوگیا۔ایک ایک موضوع پر کتابوں کے انبار لگ گئے اور ایک ایسا ذخیرہ فراہم ہوگیا جو عراق وایران کو بھی آج تک نصیب نہیں ہوا۔

تعزیہ داری

تعزیہ داری کا وجود ہندوستان میں بہت پہلے سے تھا۔دکن میں عاشور خانے، سندھ میں امام بارگاہ تھی۔شمالی ہند میں پھونس اور کپڑے کے امام باڑے محرم میں بنتے تھے۔دس دن کے لئے پختہ عمارت کی کیا ضرورت تھی مُبکی نظمیں تنہا اور چند آدمی مل کے راگ سے پڑھتے تھے۔موجودہ زمانہ کی سوزخوانی اسی کی یادگار ہے۔اس سے بجز حصول ثواب اور کوئی افادیت نہ تھی، وہ بھی جب کہ حدود شرع میں ہو۔جلوس بھی نکلتے تھے جن میں شہنائی، روشن چوکی، طبل، تاشہ،

جھانجھ بجتے اور ماہی مراتب (مچھلی اور چوپاؤں کے سر چاندی اور پیتل کے بانسوں پر لگے ہوئے) کے ساتھ براق اور گنبد تعزیوں کی جگہ ہوتے تھے، کچھ کچھ دور پر ٹھہر ٹھہر کے بانک اور پٹے کا فن دکھاتے اور یاحسینؑ کی آواز بلند کرتے، ان رواسم کی بجا آوری میں سب مسلمان یکساں طور پر شریک تھے۔

غفران مآبؒ نے روشن چوکی اور شہنائی کو آلات غنا ہونے کی وجہ سے حرام اور طبل، تاشہ کو جنگی باجا ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیا، جھنڈیوں، ماہی مراتب کے بدلے علم، گنبد کی جگہ تعزیئے اور بانک اور پٹے کا فن دکھانے کے بجائے سینہ زنی اور حسینؑ حسینؑ کو رواج دیا۔ حاضری، مہندی اور نذر و نیاز ایسے رواسم قائم کئے۔ محرم کے دس دن میں ہر دن ایک شہید کے ذکر سے مخصوص کیا۔ مجلسوں میں عراق کی روضہ خوانی کے طرز پر ذاکری شروع کی جس میں اہلبیتؑ کے فضائل میں حدیثیں بھی مصائب کے ساتھ بیان کی جانے لگیں۔ اس طرح مجلس کی افادیت بڑھ گئی اور اس میں تبلیغی پہلو پیدا ہو گیا اور ان رواسم کو اتنا عام کر دیا کہ گھر گھر مجلس اور گلی گلی تعزیئے اٹھنے لگے۔ اس طرح انھوں نے شیعوں کی تعزیہ داری کو ایک نئی شکل دے کر عام مسلمانوں سے علیٰحدہ کر دیا اور اس سے مذہبی تبلیغ، قومی تنظیم اور شیعی تمدن کی تشکیل کی۔

اس سلسلہ میں ایک کمی جو عراق و ایران میں ہے، انھوں نے یہاں اس کو پورا کیا۔ عراق و ایران کے علماء مجلسیں پڑھنا اپنی شان اور مرتبہ کے خلاف سمجھتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذاکری جسے وہاں روضہ خوانی کہتے ہیں کم پڑھے لکھے لوگوں کا کام رہ گیا اور اس میں کوئی ترقی نہ ہوسکی۔ ہندوستان میں مجلسوں میں مرثیہ پڑھا جاتا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ مجلس شاعرانہ کمال دکھانے کی جگہ نہیں ہے، اس میں فضائل و مصائبِ اہلبیتؑ بیان ہونا چاہئے۔ انھوں نے واقعات کربلا پر معتبر روایتوں کا ایک بڑا ذخیرہ ''اثارۃ الاحزان'' کے نام سے پیش کیا اور عاشورہ کے دن عصر کے بعد خود مجلس پڑھنے کی ابتداء کی۔ اس طرح ہندوستان کے علماء میں انھوں نے

یہ سنت قائم کی کہ ان کے بعد ان کے جانشین یہ مجلس پڑھتے رہے۔ آج بھی یہ مجلس اسی وقت ان کے امام باڑے میں ہوتی ہے۔ اب یہاں کے علماء کو جو حقیقت میں انھیں کے ذرّیات تھے اس پر اعتراض اور اس سے احتراز کی کیا ہمت ہوسکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کثرت سے علماء مجلسیں پڑھنے لگے، یہاں تک کہ ان کی چوتھی پشت میں بحر العلوم جناب محمد حسین عرف علن صاحب پیدا ہوئے جنھوں نے ذاکری کے فن میں انقلاب پیدا کیا۔ حدیث وتفسیر اور فلسفیانہ موشگافیوں سے تقریر کو علمی بنا کر موجودہ طرز ذاکری کے موجد ہوئے۔

درس وتدریس

غفران مآبؒ نے مجلس درس قائم کی جس میں بقول حضرت سید العلماءؒ وہ ایک یونیورسٹی کی حیثیت رکھتے تھے جو تنہا اپنے شاگردوں کو تمام علوم کی تعلیم دے کے جید عالم بنا دیتے تھے اور سب سے بڑا کارنامہ ان کا یہ ہے کہ انھوں نے اپنی سیرت وکردار اور تعلیم سے اپنے شاگردوں کو اتنا متاثر کیا اور ایسی اسپرٹ پیدا کر دی کہ وہ کار تبلیغ میں ان کے شریک ہوگئے اور ہندوستان کے جس گوشہ میں جس کو بھیج دیا وہ خدا پر بھروسہ کر کے گھر بار چھوڑ کے روانہ ہوگیا۔ اس طرح ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ان کے مبلغین پہونچ گئے۔ وہاں کے شیعوں کو عقائد کی تعلیم دی اور ان کے دلوں سے خوف وہراس دور کر کے اپنے اعمال کو عام مسلمانوں سے علٰحدہ بجالانے کی جرأت پیدا کی۔ جمعہ وجماعت قائم کی۔ مسجد وامام باڑہ بنوایا، عزاداری کو رواج دیا، بدعتوں سے روکا، دفن، کفن، نکاح، طلاق سب شیعوں کے طریقہ پر ہونے لگا۔ اس طرح سارے ہندوستان میں بغیر کسی منصوبے اور سرمایہ کے انھوں نے تبلیغ کر کے پیغمبری کا کام انجام دیا اور صدیوں سے جو خوف دلوں میں بیٹھا تھا وہ دور ہوگیا اور سارے ہندوستان میں شیعیت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ہر جگہ شیعہ بحیثیت ایک قوم کے نظر آنے لگے جن کے نام، مذہبی رواسم، اخلاق، طرز معاشرت، معیار فکر، زاویہ نظر، تعلیم اور لٹریچر سب الگ ہوکر ایک مستقل قوم بن

گئے اور ہندوستان کی قوموں میں اپنی علمی اور تمدنی حیثیت سے ایک ممتاز درجہ حاصل کرلیا۔

مذہبی معاملات میں ان کے نقطۂ نظر اور اندازِ فکر میں تبدیلی ہوگئی وہ رسولؐ کی تعلیم کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے انھیں افراد کے دامن سے وابستہ ہوگئے جن کا تعارف رسولؐ کی زندگی کا مستقل مشن تھا اور وہ اوروں کے مذہبی اور روحانی سیادت وقیادت کے قائل نہ رہے جس کے نتیجہ میں شیخ سدّو کا بکرا، میراں جی، سید احمد کبیر، سید سالار مدار صاحب کا جھنڈا اور پیران پیر کی فاتحہ خوانی ختم ہوگئی۔ اور جب اہل بیتؑ رسول کے فضائل ومناقب بیان کئے جانے لگے اور فاتحہ وعزاداری نے ایک انقلابی کروٹ بدلی اور دوسروں کی طرف سے اس پر بدعت کے فتوے لگنے لگے تو حاضری، نذر ونیاز اور علم وتعزیہ کو بدعت کہنے والوں کو چارہ نہ رہا کہ وہ شیخ سدّو کے گلگلے، سید احمد کبیر کی گائے اور سید سالار کے جھنڈے کو بھی بند کرائیں۔ اس طرح اہل سنت کو بھی فائدہ پہنچا اور غفران مآبؒ کی تحریک کی اتنی غیر معمولی کامیابی کو تائید خدا سمجھا گیا۔ شیخ الفقہاء شیخ محمد حسن نجفی صاحبِ جواہر لکھتے ہیں:

> ''زندہ کرنے والے مذہبی رسوم کے، آباد کرنے والے اس کی منزلوں کے، وہ ماہتاب جس کا طلوع گمراہوں کی ہدایت، وہ شہسوار جن کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا، جن کی نگہداری میں اسلام کے ستون سربلند ہوئے۔''
>
> (ظل ممدود)

مفتی میر عباس صاحب جناب غفران مآبؒ کے صاحبزادوں کو مخاطب کرکے کہتے ہیں:

> ''اے رفعت وبلندی کے مالک، اے ورع وتقویٰ کی جائے پناہ، اے ہدایت کے نور، اے آفتاب روز آپ کے سبب سے ہماری سرزمین پر شریعت حضرت محمد مصطفیٰؐ ظاہر ہوئی۔ اگر آپ نہ ہوتے، اے میرے سرداران ملّت، تو ہمیں خبر بھی نہ ہوتی کہ ہمارا دین ومذہب کیا ہے۔ کیا کہنا آپ لوگوں کا کہ جو شخص

آپ کی زیارت کرے وہ ہدایت پا جائے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے آپ کو کثیر علم کا مالک بنایا، ناک رگڑ دینے کو دشمنوں کی۔ میرا فخر ہے کہ میں ہدایت حاصل کرنے والا ہوں، اس یگانۂ عصر، امام سے" (رطب العرب ص۔۸۲)

علامہ کنتوری لکھتے ہیں:

بلاتشبیہ ہمارے اس ہادیٔ دین نے ہندوستان میں وہی کام کیا جو مدینہ میں ان کے جد نامدار نے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس خاندان ہدایت کے دشمن بدخواہ ہمیشہ روسیاہ رہیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تمہارے گھروں میں جو چبوترے بھنگ نوشی کے تھے، ان پر سجّادے بچھوا دیئے، تمہاری نذر و نیاز میں جو شیخ سدّو کا بکرا، شیخ فرید کی شیرینی، بابا شکر گنج کا کونڈا، شاہ مدار کی کندوری، سید سالار کی بیرق جاری تھی، اب عمل گوسفند اور حضرت عباسؑ کی حاضری اور علم و تعزیہ بنام شہدائے کربلا جاری کرائے۔

مولانا محمد حسین صاحب قبلہ نوگانوی تاریخ العلماء میں لکھتے ہیں:

آپ کا فضل و کمال، علوئے مرتبت واجلال بیان سے باہر ہے۔ فقط یہی کافی ہے کہ ہندوستان میں دین اسلام آپ ہی کے وجود سے پایا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔اہل علم پر کیا جہلاء پر بھی آپ کا احسان ہے۔ جیسے حضرت علیؑ کی تلوار آبدار نے سرکشان عرب کو زیر کر دیا اور لات، عزّیٰ اور منات تینوں کو طاقہائے حرم سے منھ کے بل گرا دیا، ایسے ہی ہندوستان میں اگرچہ برائے نام تشیع تھا مگر کہیں نقشہ بھنگ نوشی، کہیں احمد کبیر کی گائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہاں بھی دلدار علی کے سیفِ قلم نے ہندوستان کو جو کفرستان تھا دارالایمان بنا دیا۔ یہ آپ کے خلوص کا اثر ہے جو جا بجا اس زمانہ پر آشوب میں پھر کر، دشمنوں

میں رہ کر، عرب وعجم کا سفر دور دراز کر کے، علوم دینیہ حاصل کر کے تحت قبہ ابی عبداللہ الحسینؑ جو دعا مانگی تھی کہ میری اولاد میں تا قیامت علم دین باقی رہے، سو بحمداللہ اب تک ہے اور انشاء اللہ باقی رہے گا اور آپ کا خاندان، خاندانِ اجتہاد کے نام سے قائم ہو گیا۔ (تاریخ العلماء ص ۱۴۷)

مولانا اعجاز حسین صاحب برادر مولانا حامد حسین صاحب لکھتے ہیں:

انھوں نے ہندوستان کے شہروں میں دین کو زندہ کیا اور بدعت وجاہلیت کے آثار کو محو و باطل کر دیا۔

اس سے بڑھ کر ان کی خوش قسمتی اور کامیابی کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے سامنے ہندوستان بھر میں شیعیت سر اٹھا کے کھڑی ہو گئی اور لکھنؤ اس کا مرکز بن گیا جس کے در و دیوار پر شیعیت چھا گئی اور اس طرف عام میلان ہو گیا۔ ہندو تک تعزیہ داری کرنے لگے اور کثرت سے علماء، فضلاء، اطباء، شعراء اور بافہم افراد شیعہ ہو گئے۔ مرزا جعفر علی فصیح مثنوی نان ونمک میں فرماتے ہیں ؎

حامئ دیں، ماحئ کفر وضلال
سرگروہِ عالمان باکمال
علم سے جس کے عمل توام ہوا
دین جس کے زور سے محکم ہوا
لکھنؤ اب سبز وار ہند ہے
دم بدم افزوں بہار ہند ہے

لیکن وہ حالت پیدا نہ ہونے پائی جو سنّی حکومتوں میں شیعوں کی تھی۔ خاص لکھنؤ میں علمائے فرنگی محل کا ہندوستان میں سب سے بڑا علمی خاندان اور سب سے بڑی درس گاہ (مدرسۂ نظامیہ) اور کثرت سے علماء موجود تھے، جمعہ وجماعت وموعظہ سبھی کچھ ہوتا تھا۔ حکومت

میں ان کا اتنا اثر تھا کہ اس زمانہ میں قضا اور افتاء کی مسند پر وہی متمکن تھے۔

غفران مآبؒ نے حکومت سے اپنے کو علاحدہ رکھا۔ ان کا خیال تھا کہ نائبِ امام کا حکومت کے سامنے جھکنا اور اس کی درباداری کرنا منصب نیابت کی توہین اور ان مشاغل میں کمی واقع ہونے کا سبب ہے جو اس عہدہ کے فرائض میں داخل ہیں۔ ان کی اس علاحدگی اور بے نیازی کی وجہ سے آصف الدولہ کو ان سے اور ان کی تحریکوں سے کوئی دلچسپی نہ رہی۔ معمولی معمولی آدمی خطابات سے سرفراز ہوئے۔ مگر غفران مآبؒ زندگی بھر مولوی صاحب کہے گئے۔ شعراء کے وظائف معین ہوئے، صوفیوں اور ولیوں پر عنایتیں ہوئیں۔ گورکھپور شکار کھیلنے گئے وہاں محرم کا چاند نکل آیا۔ ایک صوفی کو (جو میاں صاحب مشہور تھے) تعزیہ رکھے ہوئے دیکھا ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر دے آئے، جواب تک موجود ہے، مگر غفران مآبؒ ان کے شہر میں تعزیہ داری اور اس کی تبلیغ کرتے رہے اور آصف وہیں بیٹھے لکھ لٹاتے رہے لیکن غفران مآبؒ پر ان کی چشمِ کرم کبھی نہ پڑی۔ ہاں آصف الدولہ کو ان کے علمی و روحانی فیوض و برکات کے بڑھنے سے خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کی طرح اپنی حکومت کے لئے کوئی خطرہ محسوس نہ ہوا اور ان پر کسی طرح کی پابندی عائد نہیں کی، بلکہ خود بھی تعزیہ داری وغیرہ بڑے انہماک سے کرتے رہے۔ اتنا موقع میسر آتے ہی ایک حقیقی نائبِ امام نے دنیا کے سامنے ائمہ اہلبیتؑ کی سیرت، علمی و روحانی منزلت اور صحیح اسلامی تعلیمات کا اور گھر والوں کو ایک ایسا نمونہ بنا کے پیش کیا کہ قلوب ان کی طرف جھک گئے اور ایک تازہ انقلاب پیدا ہو گیا۔ دنیا نے مان لیا کہ وہ اپنے علمی تبحر اور سیرت و کردار کی بلندی سے آفتاب ہدایت بن کے طالع ہوئے اور اپنی علمی موشگافیوں سے عقول کو حیران کر دیا۔ لوگ دین خدا میں گروہ در گروہ داخل ہوئے جس میں جبر کا کوئی دخل نہ تھا، بلکہ آپ سن چکے ہیں کہ حکومت کے معاملات میں علمائے فرنگی محلی دخیل تھے یہاں تک کہ آصف الدولہ کا زمانہ ختم ہوا اور نواب سعادت علی کا دور ہوا۔ اس وقت بھی حکومت کے حاشیہ پر علمائے

فرنگی محل ہی نظر آتے ہیں اور غفران مآبؒ کہیں دکھائی نہیں دیتے۔

۱۲۳۵ھ میں انھوں نے انتقال کیا۔ ۱۲۰۰ھ سے انھوں نے لکھنؤ میں تبلیغ شروع کی اور پینتیس برس میں شیعی دنیا میں انقلاب پیدا کر کے مذہب شیعہ کی تجدید کی۔ یوں تو ہر صدی میں ایک مجدد مذہب پیدا ہوتا رہا ہے، ان لوگوں نے آثار اہل بیتؑ کو جمع کیا اور فقہ مدون کی، شیعوں کی تعداد میں کوئی اضافہ نہ کر سکے اور یہ ان کے حالات کے مطابق تھا۔ تیرھویں صدی کے مجددِ مذہبؒ غفرانمآبؒ تھے۔ انھوں نے عقلی دلیلوں سے مذہب اہلبیتؑ کو ثابت کیا۔ شیعوں کو حقیقی شیعہ بنایا اور ان کی تعداد میں بے حد اضافہ کیا۔ ہر جگہ کے شیعوں کو ان کے مذہب سے باخبر کر دیا اور جو پیری مریدی کے رواسم اور نذر و نیاز جاری تھی اس کو بند کرا دیا۔ ان کی زندگی میں ہندوستان میں شیعہ ایک قوم کی حیثیت سے سر اُٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ اس غیر معمولی کامیابی کو دیکھ کر حجۃ الاسلام مولانا احمد علی صاحب محمد آبادی مجتہد العصر نے فرمایا ؎

ندید چشمِ فلک مثلِ ایں مجددِ دیں
کہ شاہداند بفضل وبزرگیش اعدا

ان کا فیض ہندوستان تک محدود نہیں رہا، وہ کربلا و نجف تک پہنچا۔ انھوں نے اپنے دورِ قیام میں محسوس کیا کہ اہل کربلا و نجف کو پانی کی تکلیف ہے۔ انھوں نے آصف الدولہ کو آمادہ کر کے ایک نہر کربلا سے نجف تک کھدوائی جس پر اسی ہزار اشرفیاں صرف ہوئیں۔ ۱۲۳۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ امجد علی شاہ نے ان کو غفران مآبؒ کہنا اور لکھنا شروع کیا۔ اس وقت سے وہ غفرانمآبؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ شیعیت کی یہ تجدید عہد آصف الدولہ کی بڑی خصوصیت ہے جس میں سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خاں نائب السلطنت کا بڑا ہاتھ ہے ان ہی کی اعانت سے غفران مآبؒ عراق گئے اور وہاں سے آئے تو انھیں نے ان کو کتابیں فراہم کیں ان کی کفالت کی اور ان کے امور میں سہولتیں بہم پہنچاتے رہے۔ تقریباً ایک فرلانگ لمبی اور چوتھائی

فرلانگ چوڑی زمین ناف شہر میں دی جس کے ایک سرے پر انھوں نے اپنا مکان اور دوسرے سرے پر امام باڑہ بنایا۔ ان کے بعد ان کی اولاد نے اپنے مکانات بنوائے جس سے بیچ کی ساری جگہ بھر گئی۔ غدر کے بعد وکٹوریہ اسٹریٹ نے اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور بہت سے مکانات گرا دیئے گئے۔

قبرستان

لکھنؤ میں شیعوں کا کوئی قبرستان نہ تھا۔ انھوں نے اپنے امام باڑہ کے آگے بہت بڑا قطعہ زمین قبرستان کے لئے وقف کیا۔

یمین الدولہ نواب سعادت علی خاں

آصف الدولہ کے بعد ان کے سوتیلے بھائی سعادت علی خاں ۱۲۱۲ھ/ ۱۸۱۷ء میں مسند نشین ہوئے۔ انھوں نے تال کٹورے کی کربلا اور حضرت عباس کی درگاہ بنوائی۔ اس کے گنبد پر سونا چڑھوایا اور محرم کے دس دن عزاداری ہوتی تھی، انھوں نے چہلم تک عزاداری بڑھا دی۔

شاہ زمن غازی الدین حیدر

سعادت علی خاں کے فرزندِ اکبر غازی الدین حیدر ۱۲۲۹ھ/ ۱۹۲۴ء میں ان کے بعد تخت نشیں ہوئے انھوں نے روضہ حضرت علیؑ کی نقل بنوائی اور کئی کروڑ روپیہ کمپنی کو دیا کہ اس کا سود زائرین ومجاورینِ کربلا پر تقسیم کیا جایا کرے۔ ۱۲۳۵ھ میں دس ہزار کئی سو روپیہ ماہوار وہاں تقسیم ہوتا تھا جب کہ سود کی شرح ۶ / آنے سیکڑہ تھی اس کو دس روپے سود کی شرح کے حساب سے لاکھوں روپیہ تقسیم ہوتا ہوگا۔

غازی الدین حیدر کے اکلوتے بیٹے نصیر الدین حیدر

۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۷ء میں اپنے والد کی وفات کے بعد تخت نشین ہوئے۔ انھوں نے پار میں کربلا بنوائی اور عزاداری پہلی محرم سے آٹھویں ربیع الاول تک بڑھا دی جو اب تک سارے

ہندوستان میں ہوتی ہے۔

سلطان العلماء سید محمد مجتہد العصر

سلطان العلماء سید محمد مجتہد العصر نے جمعرات کی مجلس قائم کی۔

ابوالفتح معین الدین محمد علی شاہ

بادشاہ بیگم اور منا جان کی گرفتاری کے دوسرے دن آٹھ جولائی ۱۸۳۷ء ۱۲۵۳ھ محمد علی شاہ سریر آرائے سلطنت ہوئے مجتہد العصر سید محمد صاحب نے تاج شاہی سر پر رکھا۔

سلامی کی توپیں سر ہوئیں، نذریں گذریں۔ ابھی وہ حکومت سنبھالنے بھی نہ پائے تھے کہ بائیس دن کے بعد رزیڈینٹ نے ایک نیا عہد نامہ دستخط کے لئے پیش کیا جس میں دو باتیں اہم تھیں ایک یہ کہ فوج اور کم کردی جائے دوسری یہ کہ اگر ملک کے کسی حصّہ میں بدنظمی پائی گئی تو کمپنی اس پر قبضہ کرلے گی اور اس وقت تک اپنے قبضہ میں رکھے گی جب تک مناسب سمجھے گی۔

شجاع الدولہ کے زمانہ سے یہ صورت پیدا ہوگئی تھی کہ یا انگریزوں کی شرطیں منظور کرو یا حکومت سے ہاتھ دھوؤ۔

بمرگش بگیر تابہ تپ راضی شوی

کی بنا پر سب انگریزوں کی شرطیں منظور کرتے رہے۔ محمد علی شاہ نے بھی دستخط کردی۔ ترسٹھ برس کی عمر تھی، امراض نے گھیر لیا تھا، بینائی کم ہوگئی، رعشہ اتنا تھا کہ اپنے ہاتھ سے کھا بھی نہ سکتے تھے مگر سوجھ بوجھ اور انتظامی صلاحیت جوان تھی سعادت علی خاں کے زمانہ میں امور سلطنت میں شریک تھے۔ حکیم بندہ مہدی کو وزارت سپرد کی۔ علمائے فرنگی محل کو قضا و افتاء کی مسند پر بحال رکھا۔ نئے دفاتر اور نئے قاعدے جاری کرکے نظام مملکت کو چست و درست کیا۔ ہر طرف واہ واہ ہونے لگی۔ امور مملکت اور عقبیٰ کے سوا کسی طرف توجہ نہ تھی۔ ایک عالی شان جامع مسجد کی بنیاد رکھی جو نقشہ کے لحاظ سے دہلی کی جامع مسجد سے وسعت اور شان میں

بڑھی ہوئی تھی، نصف تک بننے پائی تھی کہ انتقال ہو گیا۔

جمنیا باغ میں حسین آباد کا امام باڑہ نہایت خوبصورت تعمیر کرایا۔ اس کے دونوں پہلوؤں میں چار سو مکانات شہر کے بے گھر ناداروں کے لئے بنوائے۔ ایک حصّہ کا نام ''شریف منزل'' اور دوسرے کا ''رئیس منزل'' ہے۔ ''رئیس منزل'' میں وہ لوگ رہتے ہیں جو برائے نام کرایہ دے سکتے ہیں۔ شریف منزل کا کرایہ نہیں ہر مکان میں پختہ کمرہ ودالان وصحن وپاخانہ اور باورچی خانہ ہے۔ بمبئی میں حجاج وزائرین کے لئے مسافر خانہ تعمیر کرایا چار روپیہ سیکڑہ سود پر پچاس لاکھ روپیہ ان سب کے مصارف اور دیگر امور خیر کے لئے کمپنی کے پاس جمع کئے۔

سید حسین صاحب مجتہد العصر سید العلماء (خلف غفرانمآبؒ) نے نہر آصفی کے جابجا سے پٹ جانے اور زائرین ومجاورین کربلا ونجف کو پانی کی تکلیف سے مطلع کیا اور اس کی درستی کا تخمینہ ڈیڑھ لاکھ بتایا۔ انھوں نے وہ رقم فوراً ان کے حوالے کی جو رزیڈنٹ کے ذریعہ ہائی کمشنر بغداد کو بھیج دی گئی کہ وہ آقا سید ابراہیم صاحب ضوابط الاصول کو دے دیں۔ اس وقت وہ عراق کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ان کو لکھا :-

اَبُوالْفَتْحِ مُعِيْنُ الدِّيْنِ مُحَمَّد عَلِيْ شَاْهُ خَلَّدَ اللهُ مُلْكَهٗ مَقْرُوْنَةً بِالْعِزِّ وَالْجَاهِ حَيْثُ اِنَّ رَغْبَةٍ اِلٰى خِدْمَاتِ الْمَشَاهِدِ الْكَرِيْمِ سَلَامُ اللهِ عَلٰى اَعْقَابِهَا وَعَلٰى مَنْ حُلَّ بِتُرَابِهَا لَمَّا سَمِعَ خَبَرَ اخْتِلَالِ النَّهْرِ الْحُسَيْنِي الطَّفِّ طباعه اِلٰى تَتْمِيْمِ وَتَصْفِيَةٍ وَتَرْمِيْمِهٖ دَفْعاً لِمَضَرَّةِ السَّائِرِيْنَ وَحُلْيًا لِمَسَرَّةِ الزَّائِرِيْنَ فَاَمَرَ سَدَّ ان خزانة العَامِرَةِ وَاَشَارَه بِاَنَامُلِهٖ الْهَاصِرَةِ اِلٰى اِرْسَالِ مِائَةٍ وَخَمْسِيْنَ رُوْبِيَةً لَكهْنَوِيَّة وَجَعَلَ امراةً وَتَوْلِيَةً اِلَيْكَ بِاِلْتِمَاسِ اَقَلِّ الْبَرِيَّة وَهَاهِيَ مُرْسَلَةٌ اِلَيْكَ بِوَسَاطَةِ الْاِنْكِلِسِيَّةِ۔

ابوالفتح معین الدین شاہ نے بسبب انتہائی رغبت کے جوانھیں مشاہد مشرفہ کی خدمت کے ساتھ ہے جب نہر حسینی کے خلل پذیر ہونے کی خبر سنی تو اس کی درستی کے لئے خزانہ شاہی سے ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ بسکہ لکھنؤ بھیجنے کا حکم دیا اور میری التماس سے اس کی نگرانی آپ کے متعلق کی انگریزی حکومت کی وساطت سے یہ رقم آپ کو بھیجی جاتی ہے۔ (ظل ممدود مرتبہ مفتی میر عباس صاحب)

تیس ہزار روپیہ روضۂ حضرت عباسؑ کے نقرئی دروازوں کی تجدید اور ایوان طلا کی تعمیر کے لئے بھیجے یہ روپے اور خط پہنچنے کے بعد آقا سید ابراہیمؒ نے رسید کا جو خط بھیجا اس کا ایک ٹکڑا یہ ہے:-

ثُمَّ لَا یَخْفٰی عَلٰی جَنَابِکُمْ اَنَّ الْمَبْلَغَ الَّذِیْ لَعَطَفَ بِاِجْمَالِہٖ وَتَلَطَّفَ بِاِرْسَالِہٖ وَتَحَمَّلَ بِفَضْلِہٖ تَبْجِیْلَ بَیْرِہٖ وَجُوْدَہٗ وَطَوْلَہٗ الْمَلِكُ الْاَفْخَمُ وَالسُّلْطَانُ الْاَحْشَمُ الْاَکْرَمُ اَمِیْرُ الْاُمَرَاءِ الْعِظَامِ ظَهِیْرُ الْعُلَمَاءِ الْفِخَامِ حَامِی الشَّرِیْعَةِ بِالْغَرَّاءِ وَنَصِیْرُ الْفِرْقَةِ الْحَقَّةِ الْمُحَقَّقَةِ شِیْعَةِ الْاَئِمَّةِ النُّقَبَاءِ عَلَیْهِمُ الْاَلْفُ التَّحِیَّةُ وَالثَّنَاءُ مَدَّ اللّٰهُ فِیْ اِطْنَابِ ظِلَالِہٖ عَلٰی مَفَارِقِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَمَّرَ اللّٰهُ بِخُلُوْدِ مُلْکِہٖ الشَّرِیْفِ مَدَارِسَ عُلَمَائِہٖ الْاَطْیَبِیْنَ لِاِصْلَاحِ مَا انْکَسَرَ مِنْ رَوْضَةِ مُرَبِّی النَّاسِ اَخِی الْفَضْلِ الْعَبَّاسِ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ وَالتَّحِیَّةُ وَهُوَ ثَلٰثُوْنَ اَلْفِ رُوْبِیَّةٍ قَدْ وَصَلَ وَبِمُضِیِّ مُدَّةٍ اِشْتَعَلَ بِاِصْلَاحِ ذَالِكَ وَالْمَحَلِّ کَمَا رَقَمَ السُّلْطَانُ الْاَجَلُّ وَلَعَمْرِ اللّٰهِ لَنِعْمَ مَا فَعَلَ وَحَبَّذَا مَا اهْتَدٰی فَدَلَّ فَاِنَّهٗ اِسْمٌ یَبْقٰی وَالسِّنِیْنُ وَالْاَعْوَامُ اِلٰی قِیَامِ الْقِیَامِ لَازَالَ فِیْ تَوْفِیْقِ اللّٰهِ وَعِنَایَتِہٖ مُفْضِی

الْمُلٰی بِحِمَایَۃٍ۔ وَقَدْ تَسَلَّمْتُ قَبْضَ وَصُوْلِ الْمَبْلَغِ الْمَزْبُوْرِ فِیْ بَغْدَادِ الْمُسَنَّیِ الْاَخْیَارِ الْبَایُوْزِ لَعَلَّہٗ اَرْسَلَ وَوَصَلَ اَیْضًا اَلْمَبْلَغُ الَّذِیْ اَرْسَلْتُمُوْہُ مِنْ بَابِ اللُّطْفِ وَالْاِحْسَانِ لِاَھْلِ الْفِقْہِ وَالْاِیْمَانِ سِیَّمَا الْھِنْدِیِّیْنَ الْقَاطِنِیْنَ فِیْ ھٰذِہِ الْمَطَانِ وَھُوَ ثَلٰثَۃُ اٰلَافٍ وَثَلَاثُ مِائَۃٍ وَثَمَانٍ وَسِتُّوْنَ رُوْبِیَّۃً رَائِجَۃَ الْعِرَاقِ فَجَعَلْتُہٗ نِصْفَیْنِ وَرَاعَیْتُ فِیْ اَدَائِہٖ عَلَی الْفَرِیْقَیْنِ مَا اُمِرْتُ قَاصِدًا مِنْہُ اِبْرَاءَ ذِمَّتِہٖ ذَالِكَ الْمُؤَیِّدُ الْمُوَفَّقُ زِیْدَ مَجْدُہٗ وَتَوْفِیْقُہٗ مِنَ الْمُسْتَحِقِّیْنَ سَتَصِلُ اِلٰی جَنَابِکُمْ مَعَ ھٰذِہِ الذَّرِیْعَۃِ فُیُوْضَۃ کَمَا وَصَلَ اِلَیْھِمْ فُیُوْضُہٗ وَالَّذِیْ اَمَرَ بِہٖ سُلْطَانُ الْاَعْظَمُ دَامَ اللّٰہُ اِحْسَانَہٗ لِلْمُؤْمِنَۃِ الْھِنْدِیَّۃِ الْمُسَمَّاۃِ سَکِیْنَۃُ خَانَمْ وَھُوَ ثَمَانُ مِائَۃٍ وَاِثْنَانِ وَاَرْبَعُوْنَ رُوْبِیَّۃً بِرَائِجِنَا فَقَدْ وَصَلَ اَیْضاً وَاَصِلُہٗ اِلَیْھَا وَسَیَصِلُ اِلَیْکُمْ قَبْضُ الْوُصُوْلِ۔ (ظِلِّ مَمْدُوْدْ)

مخفی نہ رہے جناب پر کہ وہ رقم جو بنظر مرحمت واحسان روانہ کی بادشاہوں کے بادشاہ، علماء کے پشت وپناہ، شریعت غرا کے حامی، فرقۂ شیعہ کے مددگار (خدا ان کا سایہ قائم رکھے) روضۂ حضرت عباسؑ کی شکست وریخت کی اصلاح کے لئے، وہ تیس ہزار روپے پر مشتمل تھی، وصول ہوئی اور کچھ مدت سے میں حضور بادشاہ کی تحریر کے بموجب اپنی نگرانی میں اس کام کو انجام دلا رہا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ ممدوح نے یہ بہترین خدمت انجام دی ہے جس سے ان کا نام قیامت تک باقی رہے گا۔ میں نے اس کی رسید بغداد میں بالینور کے سپرد کردی ہے غالباً انھوں نے بھیجی ہوگی نیز وہ رقم جو آپ نے از راہ لطف واحسان فقراء اور اہل ایمان کے لئے عموماً اور ہندوستانیوں کے لئے خصوصاً جو ان اطراف میں مقیم ہیں اور وہ تیس ہزار تین سو

ارسٹھ روپیہ سکّہ رائج الوقت عراق ہیں۔ وہ بھی وصول ہوئے اور میں نے اس کو آپ کی ہدایت کے بموجب ہندوستانیوں اور غیر ہندوستانیوں کے لحاظ سے دو حصوں پر برابر تقسیم کر دیا ہے اور اس کی رسید بھی آپ کو پہنچے گی۔ نیز بادشاہ معظم نے ایک ہندوستانی مومنہ سکینہ خانم کے لئے جو آٹھ سو بیالیس روپئے ہمارے سکے سے روانہ کئے ہیں، وہ بھی پہنچے۔ میں نے ان مومنہ تک اسے پہنچا دیا۔ اس کی رسید بھی آپ کو مل جائے گی۔

سامرہ میں امام حسن عسکریؑ کے روضہ کی چہار دیواری بنوائی اور گنبد پر سونا چڑھوا دیا اور ایک مسافر خانہ فردوس کے نام سے بنوایا۔ حضرت حر کی قبر پر ایک خوبصورت عمارت بنوائی۔

خطّاطی

فن خطاطی نے اس زمانہ میں بڑا عروج حاصل کیا۔ خود ملکہ جہاں (زوجہ محمد علی شاہ) اس فن میں کمال رکھتی تھیں۔ انھوں نے پورا قرآن لکھ کے پندرہ پارے حضرت علیؑ اور پندرہ پارے امام حسینؑ کے روضہ پر چڑھائے۔ جناب سیدہؑ کی سوانح عمری دو ڈھائی سو صفحے کی لکھی۔ سید میرزا انسؔ اور جیالال گلشنؔ نے اس میں کمال حاصل کیا۔

شاعری

ناسخؔ نے اس عہد میں انتقال کیا۔ اب میدان سخن میں صرف آتشؔ تھے اور وہ بھی چراغ سحری۔ دونوں کے شاگرد گروہا گروہ تھے۔ شعر و سخن کا چرچا عام تھا۔

میر ضمیرؔ اور ان کے شاگرد مرزا دبیرؔ کا مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی میں شہرہ تھا۔ میر انیسؔ فیض آباد میں رہتے تھے، کبھی کبھی لکھنؤ آ کے اپنا سکہ بٹھا جاتے۔

منشی لطف علی نے مومی ضریح بنائی جس کا کام نہایت نازک ہے اور شدید گرمی میں ہزاروں شمعوں کے بیچ کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ ضریح بہت پسند کی گئی اور محمد علی شاہ نے اپنے امام باڑے کو اس سے زینت بخشی۔ حقیقت میں یہ عجیب و غریب ضریح ہے، جس کو دیکھ کے حیرت

ہوتی ہے۔تقریباً بارہ فٹ اونچی ضریح ہر سال تیار ہوتی ہے۔ یہ صنعت اس خاندان میں اب تک محفوظ ہے۔ دوسروں نے نقل کی بہت کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔شہر کی زینت وآرائش میں بھی کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔مرزا رجب علی بیگ سرورؔ نے لکھا ہے کہ:

شہر کی ترقی

پھر زینت شہر کا جو خیال ہوا، مزدور ہر ایک مالا مال ہوا۔دل کشا سے تا درِسید الشہداؑ کہ حسین آباد میں امام باڑہ بنا ہے۔ ایسی نادر سڑک بنوائی کہ ناظرین آنکھیں بچھاتے ہیں، افسردہ دل بشاش ہوجاتے ہیں۔ یہ کیفیت بھی ہزاروں برس زمانے میں یادگار رہے گی،خلق خدا دیکھ کے سبحان اللہ کہے گی۔ شرق سے غرب تک، ہند سے عرب تک اس کا مذکور ہوگا،معمورۂ خراب آباد میں یہ شہر مشہور ہوگا۔ واہ کیا شستہ ورفتہ ومصفا ہے۔اگر صفائے عارض خوباں سے مثال دیجئے تو ناروا ہے۔ وہ عارضی ہے، اس کو قیام ہے۔ یاشیشۂ حلب سے نسبت کیجئے،تو بیجا ہے،کہ بقول مشہور وہ شیشۂ باشہ ہے، یہاں استحکام ہے۔ عجب راہ ہے،تنہا چلے جاتے ہیں، دونظر آتے ہیں، ہمزاد کی صورت کوئی ہمراہ ہے۔اس قدر شفاف اور مصفا ہے کہ عکس خط استواء صفحہ دنیا پر ہویدا ہے۔دل گرفتہ اور خاطر فسردہ کو تفریح ہوتی ہے،اس کی سیر حزن وملال کھوتی ہے۔کیسا ہی خفقان ہو، دور ہو،جگر کو طاقت، دماغ کو فرحت،آنکھوں میں نور، دل کو سرور ہو۔ مریضوں کی دوا ہے،سڑک نہیں بیت الشفا ہے۔گرمی کی فصل میں سہ پہر کو چار طرف سڑک پر آب پاشی کے باعث فضا ہوتی ہے۔گرد کسی کے گرد نہیں پھٹکتی،وہ ہوتا ہے اور ٹھنڈی ہوا ہوتی ہے۔راہ راست جو سنتے تھے، بدولتِ سلطانِ زماں تنگ نائے وسمت کے سرگشتوں نے پائی۔ باب امید وکامیابی کی سیدھی راہ ہاتھ

آئی۔ لولے لنگڑے بے تکلف چلے آتے ہیں۔ اندھے بھی خانۂ مراد تک بے منتِ غیر پہنچ جاتے ہیں۔ دورستہ بازار سڑک پر تیار ہے۔ روم وشام کی اشیاء نادر کا ہر صبح جا بجا انبار ہے۔ اور دکانوں کا وہ ڈھنگ ہے کہ عقلِ رسا دنگ ہے، انداز نیا، جہاں نیا، طرز جُدا جُدا جس سقف وجدار کو دیکھا رنگا رنگ ہے۔ کسی جا چاہِ عمیق مثلِ فکر عقلاء، نخشب کے کنوئیں سے تحفہ۔ کہیں غلہ کا انبار اور پَن چکی ہے۔ گچ کے کام سے آبروئے ریختہ ریختہ، جو شے ہے پکی ہے۔ بازار بے آزار، ہوا سردو سیر ہے، جو وہاں نہ پہنچا اس کی قسمت کا پھیر ہے۔

بابِ امید وکامیابی کا جو پتہ ہے وہ کیا ہے۔ یعنی ادھر تو در دولتِ ابد مدت اور اُدھر حسین آباد کے امام باڑے کی بنا ہے۔ سڑک سے مثال ہلال عید نمایاں ہے۔ جل جلالہٗ کیا شوکت وصولت ہے۔ بُرج طلائی خورشید نمط درخشاں ہے۔ رفعت دالان، شکوہ گنبد مطلا پر مُرغ زرین جناح کنگرۂ چرخ ہر مساء وصباح نثار ہوتا ہے، صدقے گردون دوّار ہوتا ہے۔ شوکت وبلندیٔ سپہر بریں ساکنان زمین کی نظروں سے گر گئی۔ نیّر تاباں کے منھ پر خجالت سے زردی پھر گئی۔ دمِ نظارہ یا طوافِ امام باڑہ دیدہ ودل دولتِ کونین حصول کرتا ہے۔ ایسی ہی بنا بانیٔ ارض وسما مقبول کرتا ہے۔ درِ اجابت برائے حاجت مندان وا ہے، ماتم خانۂ شاہ شہداء ہے۔ جس دم ضریح پاک نظر آئی، دل خون، دیدہ جیون ہوا، چھاتی بھر آئی۔

شیشہ آلات اس قدر ہے کہ حلب والے حسرت سے منھ تکتے ہیں، حیران ہیں۔ جھاڑوں کی یہ کثرت ہے کہ ساکنان فرنگ ہاتھ جھاڑ بیٹھے، سر در گریبان ہیں۔ قندیل بے عدیل سونے چاندی کی ظاہر نگاہ، ہزار در ہزار علمہائے نادر، جن

کے دیکھے الم آل عبا ہو۔ خلاصہ یہ کہ امام باڑہ ہو، تو ایسا ہو۔ صحن میں حوض مصفّا، پانی سے ملبّب بھرا، تشنگیٔ اہلبیتؑ کی لہروں سے یاد دلواتا، ڈبڈبائی آنکھ سے کم نہیں۔ کس چیز کو حسین علیہ السلام کا غم نہیں۔

عیش باغ میں بنائے آصفی موتی جھیل ہے، اس عزاخانے میں بانی جس کا محمد علی شاہ ہوا، یہ نہر رشک کوثر، نمونہ سلسبیل ہے۔ موجوں سے غم خامسِ آلؑ عبا پیدا ہے، چشمۂ فیض چھلک رہا ہے۔ سنگ ریزہ اس کا گوش حور کا آویزہ، فخر دُر یکتا ہے، پانی پانی اس کے رشک سے دریا ہے۔ مختصر سا اس میں پُل ہے، صناعی میں بالکل پری کی صورت ایک جہاز ہے۔ دمِ رفتار ثابت ہوتا ہے کہ سر گرمِ پرواز ہے۔ نہر کے دونوں طرف مقبرے ایسے رفیع نظر آتے ہیں کہ دیکھنے والے روضۂ تاج گنج کو بھول جاتے ہیں۔ بسکہ روز مرگ پیش نظر ہے، یہ آرام خانہ تا بہ محشر ہے۔ صحن سبزہ زار ہے، باغ سے زیادہ بہار ہے۔ روشوں پر جانوروں کے گھر عجیب ہیں، طائرانِ غریب ہیں۔

رومی دروازے کی نقل جلو خانے کا وہ نادر تر پولیا ہے، جو حواس خمسہ بشر کھوتا ہے۔ دروں کو دیکھ کے انسان ششدر ہو، جس دم مدّنظر ہو، مقابلے میں رومی دروازہ چشم حیرت کی طرح وا ہے۔ بہ نظر حسرت اُسے تکتا ہے، سہ پہر کو وہاں سیر گزری نظارہ ہر رہ گذری ہے۔ مینا بازار کا جلسہ روز صبح ہوجاتا ہے، ایک جہان لینے دینے کو آتا ہے۔ کسی جا کبوتر گرہ باز، شاہ جہاں پور کے بلند پرواز، کہیں شیرازی گلی نگار، ایک طرف مکھی نیلے، بھورے، سیمابئے، ببرے، بھورے، گنڈے دار۔ کوئی نیم کی پتی ٹکلی یا کوڑی اُچھال کر بیا سے منگواتا ہے، کسی کا یہ دل گردہ ہے کہ بیا سے توپ چھڑواتا ہے، کہیں تو تا بنیٹھی جلتی ہلاتا ہے، صنعت

دکھاتا ہے۔ کہیں مینا پھڑک رہی ہے، نیل کنٹھ چھوٹتا ہے، کوئی معقول الگ تماشے کے مزے لوٹتا ہے۔ کہیں بٹیر بازوں کا غول ہے، کہیں لوے تیتر کا مول تول ہے۔

کسی جا ٹینی مرغیاں، کہیں اصیل، کسی طرف انڈے لڑتے، جال میں کوے چیل، خوش رو جوان جھمکڑے کے گھوڑوں پر سوار، ایک سمت فیل نشینوں کی قطار۔ باہم گفتگو ہے کہ یہ مرغ سالار جنگی ہیں، ان میں کوٹھی والوں کا میل ہے، ان کی کھول موند جدا ہے، دانے پانی کا کھیل ہے۔ کہیں اچھت دلّی والے، ہٹی سنگھ کی زیر بندی، ان کے گلے کھیل لاتوں کے عالم نرالے ہیں۔ کچھ ٹکڑے اور چیتے ہیں۔ مرغ بازان کے کانٹوں کی بوچھار سے خار کھاتے ہیں، کاری کے خوف سے خونِ جگر پیتے ہیں۔ کسی طرف کا بکیں اور کھانچے ہیں، ٹھاٹھر اور ڈھانچے ہیں، کہیں بربری بکریاں بکتی ہیں، ایک او بوک ہے، خریداروں کے باہم نوک جھوک ہے۔

کسی جا سن رسیدہ عورتیں بُرقع پوش کُرتی، ازار بند، گڑیاں، ہچکیں، لئے موجود، کسی کے روبرو آستین کٹوری، ہتھیلی مسّی سے کبود۔ ایک طرف میوہ فروشوں کی صدا، کہیں سقّوں کے کٹورے کا کھنکنا۔ گرمی کی فصل میں فالودے والے غل مچاتے ہیں، بے فکرے برف کی قلفیاں کھاتے کھلاتے ہیں۔ کسی جگہ کورے گھڑوں میں فرید کی گھاس، گرداس کے مفلسوں کی ٹھنڈی سانس۔ بانس گڑا، نٹ سر پر گھڑا لے کے چڑھا، کوئی سانپ اور نیولا لڑانے کو بڑھا۔

ایک جا قصّہ خوان امیر حمزہ وعمرو کی داستان۔ نقال جدا نیفہ کھونسے مسخرا پن کرتے ہیں۔ ہر ایک پیٹ کے واسطے ظاہر اپنا اپنا فن کرتے ہیں۔ کہیں لونگ

چڑے والے، دال موٹھ کے خوانچوں پر جو بن نرالے۔ ایک طرف مچھلی کے پھڑ پھڑاتے کباب، ان کی ماہیت کے جملے بےحساب، پرسیندور کا رنگ، اور کلیجی کے کباب میں مرچ کا تڑاقا، ترشی کا ڈھنگ۔ طرح طرح کی آبدار مٹھائی برابر برابر خوانچوں میں رکھی۔ کھٹے چنے پر مزہ بنے۔ ریوڑی کو منھ لگایا اور پھیر میں آیا، دہن معطّر ہوا، حلوہ سوہن کا مزا پایا۔ بزازوں کی دکانیں جُدا، بنارس، ڈھاکہ، چین، گجرات کا ریزا کم مایہ اپنا بقچہ گٹھری لے کے گزی، گاڑھا، سوسی، دھوتر کا بیوپار کرتے ہیں۔ دلال اکوائی چھبّے، کٹورے کی تکرار کرتے ہیں۔

صرّافوں کے سامنے اشرفی روپے کا ڈھیر ہے، بھاؤ کی گفتگو، پرکھوں کا مقابلہ، ہزاروں لاکھوں کا معاملہ۔ گھن، کلدار، سکہ چہیں اور ملتے میں فرق بڑا۔ زرق برق جوہری بجے گھیر دار جامے پہنے، پگڑی سر پر، کمر پھولی بندھی، مونگا موتی، الماس، زمرّد، یاقوت، پکھراج، نیلم لئے آپس میں عجب طرح کی گھُوت سے ٹہلتے ہیں۔ تماشائیوں کے دل بہلتے ہیں۔ لین دین سے گرم بازاری ہے گلِ مہندی کا تختہ کھلا، محمد شاہی طرحداری ہے۔ کوئی بیلے کی بہار دیکھ کے ہار چکا تا ہے۔ کوئی چنبیلی جوہی کی بھینی بو باس سے بےچین ہوا جاتا ہے۔ کوئی کنگڑ والے کو بلا کے سُلفے کے دم لگاتا ہے۔ کوئی گانجا چرس کے دھوئیں اُڑاتا ہے۔ غرض کہ جہاں کا ساز و سامان بدولتِ سلطان عادل مہیا ہے۔ مصر کا بازار سرد ہو گیا ہے۔ شہر میں امن و امان، ہر ایک خوش گزران، راست باز، آسودہ، خوش و خرم ہیں۔ کج رفتار سیدھے ہو جاتے ہیں، ہوش گم ہیں۔ جس کی طینت میں دغابازی، دل میں نطفہ حرامی ہے۔ اس کا سرکوب نظر نازامامی ہے۔

وہ جو کارواں سرا نمونۂ سرائے ہستی ہے، ہموار بہ تزئین بےشمار بلندی

ہے، نہ پستی ہے۔ لطف کوچ، مقام کا آرام اُس مقام سے ملتا ہے۔ غنچۂ سر بستہ دل دیکھنے سے کھلتا ہے۔ مکانات خوش قطع، مستحکم خوب، صحن وسیع، شستہ ورُفتہ مرغوب

گنبد خانہ اس طرح کا بنا، گویا سبقت فلک سے لے گیا اور نوکھنڈے کی کرسی غیرت چرخ بریں ہے، ایسا مکان زیر آسمان بروئے زمین دوسرا نہیں ہے مسجد رفیع، صحن جس کا وسیع۔

اللہ تعالیٰ اس بنا کے بانی کو تا قیام قیامت قائم رکھے، سایہ اس کا خلق کے سر پر دائم رکھے۔

جلوس کے دن سے جو کام کیا وہ خیر کا، مکان جو بنایا وہ سیر کا۔ اور کار پرداز بھی خیر خواہ، جاں فشاں، منہدم بنائے شر، فدیۂ سلطان۔

محمد علی شاہ نے چھ سال تک بڑی خوش اسلوبی سے حکومت کی۔ ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء میں انتقال ہو گیا۔ سب کو بے حد صدمہ ہوا۔ مجتہد العصر مولانا سید محمد صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی جس میں ریزیڈنٹ بھی شریک ہوئے، تلقین مجتہد العصر کے چھوٹے بھائی سید العلماء سید حسین صاحب نے پڑھائی۔ جس وقت انھوں نے پکار کے کہا: اِسْمَعْ اِفْهَمْ يَا مُحَمَّدَ عَلِيِ بْنِ سَعَادَتِ عَلِيٍ تو دنیاوی جاہ وجلال کی بے حقیقی کی تصویر کھنچ گئی۔

امجد علی شاہ ثریّا جاہ

محمد علی شاہ کے بعد ان کے بیٹے امجد علی شاہ ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۵ء میں پینتالیس/ ۴۵ برس کے سن میں تخت پر بیٹھے۔ ان کا مختصر دور بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ وہ بڑے متقی، پرہیز گار اور عابد شب زندہ دار تھے۔ مذہب امامیہ میں حکومت، امام کا حق ہے اور زمانۂ غیبت میں نائبِ امام یعنی مجتہد کا۔ امجد علی شاہ نے مالک تخت وتاج کے ہونے کے بعد سید محمد صاحب مجتہد العصر

کی خدمت میں تخت و تاج پیش کیا۔ انھوں نے ان کو اپنا نائب مقرر کر کے ان کی حکومت کو شرعاً جائز کر دیا۔ ایران میں سلاطین صفویہ بھی یہی کرتے تھے۔

انھیں مجتہد العصر سے بڑی عقیدت تھی۔ ان کے گھر پر ملنے جایا کرتے تھے نام لینا بے ادبی سمجھتے تھے۔ بڑے قبلہ وکعبہ اوران کے چھوٹے بھائی سید حسین صاحب مجتہد العصر کو چھوٹے قبلہ وکعبہ کہتے تھے۔ نام لینے کی ممانعت تھی اور یہ خطاب دیا تھا:

مجمع علومِ دین، مرجع سادات و مومنین، حافظِ احکامِ الٰہ، موردِ اعتقاداتِ حضرت امجد علی شاہ، سلطانُ العلماء قبلہ و کعبہ مجتہدُ العصر مولانا سید محمد صاحب ابن المرحوم مولانا سید دلدار علی غفران مآب۔

ان کے چھوٹے بھائی سید حسین عرف میرن صاحب کو یہ خطاب دیا تھا:

حاویِ علومِ دین، حامیِ سادات و مومنین، حافظِ احکامِ الٰہ، مورد عنایات حضرت امجد علی شاہ، سیدُ العلماء مجتہدُ العصر مولوی سید حسین ابن المرحوم سید دلدار علی غفران مآبؒ۔

مجتہد کو قبلہ وکعبہ، سب سے پہلے امجد علی شاہ نے کہا۔ سلطان العلماء اور سید العلماء کی زندگی تک کوئی اور قبلہ وکعبہ نہیں کہا گیا۔ ان کے انتقال کے بہت دنوں کے بعد عام ہوا۔[۱]

[۱] غالب نے اپنے بعض خطوط میں سرفراز حسین اوران کے چھوٹے بھائی میرن صاحب کو لکھا ہے اللہ اللہ اب تو تم پانی پت کے سلطان العلماء مجتہد العصر ہو گئے۔ کہو تم کو وہاں کے لوگ قبلہ وکعبہ کہنے لگے یا نہیں یہ انھیں دونوں بزرگوں کی طرف اشارہ ہے چونکہ آگے بہت سے نام آنے والے ہیں۔ ان کی وضاحت کے لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ غفران مآبؒ کے پانچ بیٹے تھے۔ اس ترتیب سے محمد، علی، حسن، مہدی، حسین۔ سب سے بڑے اور سب سے چھوٹے بیٹے نے عظیم شہرت حاصل کی۔ بڑے بیٹے سید محمد یہی اودھ کی تاریخ میں سلطان العلماء بڑے قبلہ وکعبہ مجتہد العصر، رضوان مآب اور چھوٹے بیٹے سید حسین سید العلماء چھوٹے قبلہ وکعبہ علیین مکان ہیں۔

امجد علی شاہ نے سلطان العلماء سے حکومت میں اصلاحات کی خواہش کی جس سے وہ بالکل شرعی ہوجائے۔ انھوں نے محکمۂ شرعیہ کی تجویز پیش کی، جس کے ذمہ عدلیہ، فوجداری، آبکاری، امورخبر اور منہیات پر پابندی تھی۔

یہ تجویز منظور ہوئی اور انھیں کی نگرانی میں محکمۂ شرعیہ قائم ہوا اور حکومت کی بالادستی اس پر نہ رہی۔ دیوانی ان کے بڑے بیٹے مولانا محمد باقر کے سپرد ہوئی۔

منصف الدولہ شریف الملک خطاب ہوا۔ فوجداری ان کے دوسرے بیٹے محمد مرتضیٰ کے سپرد ہوئی، خطاب خلاصۃ العلماء ہوا۔ قتل وقصاص وآب کاری خود سلطان العلماء نے اپنے پاس رکھی۔

نجم الغنی رام پوری لکھتے ہیں کہ شہر سے پانچ کوس تک کہیں شراب کا نام نہ تھا۔ دواً بڑی مشکل سے دستیاب ہوتی تھی۔ اس زمانے کے مشہور ظریف شاعر میاں مشیرؔ نے شعر کہا ؎

شراب جو نہ پئے آج کل وہ ناری ہے
جناب قبلہ وکعبہ کو آب کاری ہے[۱]

عدلیہ سلطان العلماء کے دوسرے بیٹے سید مرتضیٰ صاحب کے سپرد ہوا اور خلاصۃ العلماء خطاب ملا۔ قضاء وافتاء سلطان العلماء کے بھتیجے (سید مہدی صاحب کے بیٹے) سید ہادی صاحب کے سپرد ہوا اور عمدۃ العلماء خطاب عنایت ہوا۔ ہر نظامت پر قاضی مقرر ہوئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اودھ میں شیعہ، مفتی وقاضی مقرر ہوئے۔

(۱) یہ قدیم ترکیب ہے فلاں کو کوتوالی ہے۔ اب کوئی جگہ کی بولتے ہیں۔

علمائے فرنگی محل قضاوافتاء کی مسند پر بحال رہے۔ جو اہل سنت کے مقدمات اپنی فقہ کے فیصلے کی رو سے کرتے تھے۔ صرف اب وہ خاندانِ اجتہاد کی ماتحتی میں آ گئے۔ ہندوؤں کے لئے بھی فاضل برہمن قاضی کے عہدے پر سرفراز کئے گئے۔ ہم نے پرانے کاغذات میں مفتی دیا شنکر کا نام دیکھا تھا۔

زکوٰۃ کا محکمہ سید العلماء کے چھوٹے صاحب زادے سید علی نقی صاحب کے سپرد ہوا زبدۃ العلماء معین المومنین خطاب دیا گیا۔ خزانہ پر زکوٰۃ عائد ہوئی۔ زبدۃ العلماء تقسیم زکوٰۃ میں بہت محتاط تھے۔ متدیّن آدمیوں کو رکھا۔ اور مزید احتیاط سے ایسا نظام تقسیم قائم کیا کہ زکوٰۃ لینے والے کو بارہ جگہ نام لکھوانا پڑتا تھا۔ اس پر کسی نے جل کے کہا۔

سید نقی کا ظلم وجفا وامصیبتا
بارہ مصدی ایک گلا وامصیبتا

اہم مقدمات کا فیصلہ سلطان العلماء نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔ صاحب تذکرۂ بے بہا فی تاریخ العلماء نے لکھا ہے کہ امجد علی شاہ نے کسی تاجر سے زرو جواہر نگار مسند تکیہ تیرہ لاکھ روپیہ کا خریدا۔ عملے نے سات لاکھ دبا لیا۔ وہ بہت دن تک دوڑتا پھرا۔

آخر محکمۂ شرعیہ میں دعویٰ دائر کیا۔ بادشاہ کو جواب دہی کا حکم ہوا۔ مقدمہ کی سماعت ہوئی اور بادشاہ کے خلاف فیصلہ ہوا تاجر کو روپیہ کی ادائی ہوئی۔ حکومت کے عدل وانصاف کی دھوم مچ گئی۔ اس سے متاثر ہوکر مرزا دبیؔر نے ایک مرثیہ میں بادشاہ کی تعریف کی۔ یہ دفترِ ماتم جلدِ اوّل کا پہلا مرثیہ ہے مطلع یہ ہے۔

طغریٰ نویس کن فیکوں ذوالجلال ہے

چند بند ملاحظہ ہوں:

خار جفا سے راستوں کو صاف کردیا
نوشیرواں کو قائل انصاف کردیا
بس عین عدل قاف سے تا قاف کردیا
دنیائے دوں کو تابع اشراف کردیا
چہرہ ستم کا ہے نظری اہل دید میں
اب ظلم چھپ کے بیٹھا ہے قبر یزید میں

❁

ہرشب ہے روز عید عجب روزگار ہے
انصاف سربلند ہے کیا تاجدار ہے
اقبال یارِ شہر ہے کیا شہر یار ہے
اس لطف پر یہ رحمت پروردگار ہے
عالم وہ ہیں کہ قدرت رب آشکار ہے
ہاتھوں سے جن کے مذہب حق پائدار ہے

❁

اوّل جناب مجتہد العصر والزماں
بسم اللہ صحیفۂ آیاتِ عزوشاں
خضر زمانۂ مرجعِ سادات ومومناں
سلطان عالماں، سند معنی وبیاں
چشم وچراغِ مجلس عالم جمال میں
خاص الخلاصۂ بنی آدم کمال میں

❁

بابش علی وختم رسل جد امجد است
اسمش جناب حضرتِ سید محمد است
درراستی چو حرف نخستینِ ابجد است
بالا نشینِ منبر و ایوان ومسند است
ایمن شد است شہر ز طور جمال او
اے من فدا ئے نور چراغ کمال او

نا جی وہی ہے ان سے جسے اعتقاد ہے
وہ اعتقاد شیعوں کو زاد المعاد ہے
ارشاد وہ بجا ہے کہ اللہ شاد ہے
خیر الجہاد ان کے لئے اجتہاد ہے
شیعوں کو کہئے قبلہ شناس اس بیان سے
کہتے ہیں ان کو قبلہ وکعبہ زبان سے

بعد ان کے سید العلماء مجمع علوم
خاصان ذوالجلال میں کالبدر فی النجوم
اک طبع پاک اور شغل نیک کا ہجوم
اس پر بھی ہے وفور نوازش علی العموم
دنیا کے فخر دین کے بھی زیب وزین ہیں
وجہ حسن یہ ہے کہ سمی حسین ہیں

معنیٔ حلم و لفظ حیا، آیۂ کرم
تقویٰ وزہد وعدل وورع سر سے تا قدم
انصاف کھا رہا ہے مرے قول پر قسم
مطلوب داد نظم ہے، نے شہرۂ رقم
واقف ہے کبریا کہ دروغ و ریا نہیں
مطلب کوئی رضائے خدا کے سوا نہیں

❁

اس کے بعد تقریباً سولہ بند اور ہیں:

طوائفوں کو حکم ہوا ہے کہ وہ توبہ کر کے صالح مردوں سے نکاح کر ڈالیں۔ ہجڑوں اور زنانوں کو شہر سے باہر نکال دیا گیا۔ شرعی قوانین نافذ ہوئے، جن میں تعزیرات بھی شامل تھیں۔ ائمہ اہلبیتؑ کی ولادت ووفات کی تعطیلیں معین ہوئیں۔

مدرسۂ سلطانی قائم ہوا۔ اس کے صدر مدرس سید العلماء کے بڑے صاحب زادے سید محمد تقی صاحب مجتہد العصر بنائے گئے اور ممتاز العلماء فخر المدرسین خطاب ہوا ان کی ماتحتی میں مولانا حامد حسین صاحب (مصنف عبقات)، مفتی میر عباس صاحب، مولانا احمد علی صاحب محمد آبادی، مولانا الشیخ علی اظہر ایسے یکتائے روزگار مدرسی پر معین ہوئے۔ اس کا افتتاح خود بادشاہ نے ایک پُر تکلف دعوت میں کیا۔ مرزا محمد ہادی صاحب عزیزؔ مرحوم نے تجلیات میں لکھا ہے کہ:

۲؍ جمادی الاول ۱۲۵۹ھ جناب سلطان العلماء سید العلماء مع اولاد واصحاب شہر کے تمام فضلاء اور طلباء کو لے کر مہمانی سلطانی میں تشریف فرما ہوئے دیر تک بادشاہ سے باتیں رہیں آخر میں انعام واکرام سلطانی پر فائز ہوئے۔ یہ دعوت بہت پُر تکلف تھی۔

مفتی میر عباس نے اس کے افتتاح کی جو تاریخ کہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ امین الدولہ امداد حسین خان وزیر اعظم کی توجہ دہانی سے قائم ہوا ؂

کرد تحریک درآں امرِ حسن شام وسحر
پیش نواب فلک رتبہ وزیر اعظم
شد بنا مدرسۂ تازہ بامداد حسین
پس ہمیں مصرع تاریخ رقم کرد قلم

سید العلماء کی تحریک سے نجف میں نہر حسینی نکالی گئی۔ حضرت مسلم وہانی کی قبر مطہر پر عمارت نہ تھی۔ مسجد کوفہ خستہ ہوگئی تھی اور کوئی مینار نہ تھا۔ ان سب کے لئے ایک کثیر رقم شیخ محمد حسین نجفی صاحب جواہر الکلام کو سید العلماء کی وساطت سے بھیجی۔ انھوں نے جب ان کی تعمیر شروع کی تو اپنے شاگرد اور باکمال شاعر شیخ ابراہیم قطفان آل یحییٰ العاملی سے ایک قصیدہ کہلوایا، جو بادشاہ، سلطان العلماء، سید العلماء کی مدح اور نہر و عمارت کی خصوصیات پر مشتمل تھا۔ قصیدہ بادشاہ کی خدمت میں پیش ہوا۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:-

اِنَّ سُلْطَانَ السَّلَاطِيْنِ الْوَرٰى
فَخْرُ اَرْبَابِ الْمَعَالِي وَالدُّوَلِ
ذُوْ النُّهٰى اَمْجَدُ عَلِي شَاهَ الَّذِيْ
مُنِحَ التَّاجُ وَبِالْمُلْكِ اسْتَقَلَّ
اَصْلُ كَمْ مِنْ مَلِكٍ سَامِي الذُّرٰى
فِيْ كَفِيْ ظِلّ مَعَالِيْهِ اسْتَظَلَّ
وَمَلِيْكُ دِيْنِ آلِ الْمُصْطَفٰى

عَزَّ فِیْ اَیَّامِہٖ وَالْکُفْرُ ذَلَّ
وَاَعَزُّ لَاْحَ فِی اَفْلَاْکِہٖ
کَوْکَبًا فَضْلٍ بَدَا مِنْ غَیْرِ کَلَّ
مَوَلَانَا الْمَوْلَوِیَّانِ وَمِنْ
کُلِّ فَضَلٍ حَرِیًّا مِنْ غَیْرِ کَلّ
اَوْرَدَاُہٗ مَنْہَلَ الْعِلْمِ الَّذِیْ
شَرْبًا مِنْ عَذْبِہٖ لَہْلًا وَعَلَّ
فَجْرٰی جَرْیًا اِلَیْہِ فِی الْعَسَلِ
وَالْحَیَا مَنْ فَیْضِ کَفِّہٖ سَہَّلَ
رَمَقَ الدُّنْیَا فَلَہَا اَنْ رَاٰی
رَوَاْحَ الْفَضْلِ بِکُوْفَانِ اُضْمَحَلَ
بَذَلَ الْاَمْوَاْلَ لِلّٰہِ وَمَا
رَاْحَ اِلَّا وَھُوَ فِیْ مَنْ بَذَلَ
حَطَّ نَہَرًا بَیْنَ اَکْنَافِ الْحِمٰی
فَاِنَّ بِاَلْبُشْرٰی لذبد مَنْ نَہِلَ
کَوْثَرٌفِیْ جَنَّۃٍ جَلَّ بِہَا
حَیْدَرُ سَادَاْتِ الْمِلَلِ
وَسَبِیْلٌ وَاضِحٌ لِلْخَیْرِ بَلْ
سَلْسَبِیْلُ غَلَلِ الصَّادین بَلَّ

مَا اهۡتَدٰی یَوۡمًا لَهٗ خَطُّ امۡرَءٍ
غَیۡرَ سُلۡطَانٍ اِذَا قَالَ فَعَلَ
اَیُّ نَهۡرٍ عَمَّ نَفۡعاً بِالۡحِمٰی
وَحَمَا مَنۡ فِیۡهِ وَارۡ تَحَلَ
مَا مَنۡ کُوۡفَانِ الۡغَاطَالِمَا
کَانَ هَذَفًا لِکُلِّ حَوۡفٍ وَحِلٍ
کَمۡ هُمَامٍ رُمَامٍ ذَالصُّنۡعِ وَمَا
مَدَّبَاحَا نَحۡرِهٖ حَتّٰی نَکَلَ
مَانَثۡنِیۡ عَنۡ نَیۡلٍ مُرۡتَدِیَا
حَلَّ الۡعَجۡزَ وایه اَوِ الۡکَسَلَ
هٰکَذَا فَلِعَمَلِ الۡعَامِلِ لَوۡ
فَلۡیَقِفۡ مِنۡ دُوۡنِ غَایَاتِ الۡعَمَلِ
شَادَ مِنۡ اَرۡکَانِ اَعۡلَامِ الۡهُدٰی
وَعَامَاتِ الۡمَعَالِی مَا نَزَلَ
وَبَنٰی فِی الۡکُوۡفَةِ الۡعِزَامَا
طَالَ فَخۡرًا وَعَلٰی لَشَعۡرِی اَطَلَّ
حَضۡرَةً الۡقُدۡسِ الَّتِیۡ فِی ممنها
مُسۡلِمٌ بَلۡ مروحته الۡاِسۡلَامِ حَصۡلٰی
نَاصِرُ الۡسِبۡطِ وَرَافِیۡهِ وَمَنۡ

كَأَنَّ لَهُ حَامًّا لَا يَغْسَلُ
وَاسْتَنَارَ الْأُفُقُ مِنْ مَاذَنَتِهِ
قَدْ تَسَامَتْ وَبِهَا الْحُسْنُ الْكُمَّلُ
كَبَّرَ الذِّكْرَ فِيهَا وَاحِدًا
أَحَدًا فَرْدًا كَبِيْرًا يَزِلُ
وَعَدًا يَلْهَجُ فِي تَارِيخِهَا
عَلَنًا حَيَّ عَلَى خَيْرِالْعَمَلِ

۱۲۶۰ھ

(منقول از ظل ممدود مرتبہ مفتی میر محمد عباسؒ)

بادشاہ بادشاہان خلق، فخر ارباب بلندی دولت دانش مند امجد علی شاہ جنہیں قدرت نے تاج عطا کیا اور مستقل سلطنت کے مالک ہوئے۔

ایسے بلند مرتبہ کہ نہیں معلوم کتنے بلند درجہ بادشاہ ان کے سایہ اقبال میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ ایسے بادشاہ جن کے زمانہ میں دینِ نبیؐ نے عزت پائی اور کفر ذلیل ہوا۔

ایسے روشن چہرے والے کہ جن کے آسمان میں دو ستارے علم و عمل کے چمکے۔ ہمارے مولا وَ آقا دونوں آقایانِ کرام جنہوں نے ہر فضیلت کو بغیر کسی مشقت کے حاصل کیا انھوں نے بادشاہ کو پہنچا دیا علم کے اس گھاٹ پر جس کے شیریں پانی سے وہ خود بارہا سیراب ہو چکے تھے۔

ان کا فیض بلندی میں جاری ہوا اور چشمے ان کے دست کرم سے اُبل پڑے انھوں نے دنیا کی طرف نظر ڈالی اور جب دیکھا کہ فضیلت و شرف کا محل کوفہ میں کمزور ہو گیا ہے

تو انھوں نے خدا کی خوشنودی کے لئے اموال صرف کئے اور ہر شخص سے زیادہ سخی ثابت

ہوئے انھوں نے بنیاد قائم کی ایک نہر کی نجف کے اطراف میں جو سیراب کرنے کی ضامن ہے وہ ایک کوثر ہے۔ اس جنت میں جہاں قیام کئے ہوئے ہیں امیرالمومنین، سیدالسادات خلق اور وہ ایک واضح راستہ ہے جو پیاسوں کی پیاس بجھانے والا ہے۔

یہ ایسی خدمت کی جو کسی کو نہ سوجھی سوائے اس بادشاہ کے جو اپنی بات پر عمل کرنے والا۔ کیا کہنا اس ہنر کا جس کا نفع اس شہر میں عام ہو گیا ہے اس نے حفاظت کی حاضر و مسافر کی جان کی۔

اس نے محفوظ رکھ لیا کوفہ کے ایسے محل کا جو خوف کا مرکز تھا۔

کتنے بلند مرتبہ لوگ ایسے تھے جنھوں نے اس کے بنوانے کا ارادہ کیا۔ اور ہاتھ بڑھانے سے پہلے ہی قدم پیچھے ہٹا لیا عاجزی کی چادریں اوڑھ کے۔

بے شک اس طرح کام کرنا چاہئے کام کرنے والے کو، نہیں تو ہوس ہی نہ کرے۔

انھوں نے مضبوط کیا ہدایت کے ارکان کو اور رفعت کے ستونوں کو جو نیچے گر گیا تھا۔

اور بنیاد قائم کی کوفہ میں اس عمارت کی جو فخر میں ستارہائے فلک سے بلند ہے وہ مقدس بارگاہ جس میں حضرت مسلم دفن ہیں بلکہ اسلام کا دل بلکہ سبط پیغمبر کا مددگار وہ جو دین کے لئے نہ کند ہونے والی تلوار تھا۔

اور اُفق آسمان روشن ہو گیا۔ ایسے مینار سے جو بلند ہوا اور اس سے حسن کامل ہو گیا اس میں مؤذن عظمت کا اظہار کرتا ہے اس واحد کی جو فرد ہے اور ہمیشہ سے ہے۔ اور وہ اس کی تاریخ میں کہتا ہے "عَلَنَا حَيَّ عَلٰى خَيْرِ الْعَمَلِ" ۱۲۶۰ھ

(منقول از ظل ممدود مرتبۂ مفتی میر عباس صاحب)

سیدالعلماء سے انھوں نے ۱۲۶۰ھ میں فارسی میں علم کلام کی ایک کتاب لکھنے کی فرمائش

کی انھوں نے ''حدیقۂ سلطانیہ'' کے نام سے وہ معرکہ آرا کتاب پانچ جلدوں میں لکھی جس کا مثل ونظیر نہیں ہے۔ ان کے بڑے بھائی مولانا سید علی صاحب سے اردو میں ''تفسیر قرآن'' لکھوائی یہ آٹھ جلدوں میں مطبع شاہی سے شائع ہوئی۔

غفران مآبؒ کے تیسرے بیٹے مولانا سید حسن نے اردو میں اصول دین کی ایک کتاب باقیات الصالحات لکھی۔ سلطان العلماء کے بڑے بیٹے محمد باقر منصف الدولہ نے علم کلام میں ''تشہید مبانیٔ الایمان'' فارسی میں لکھی اس زمانہ میں علمائے فریقین کی اتنی کثرت تھی جن کا شمار ممکن نہیں۔ حدیث وتفسیر وکلام ومناظرہ وفلسفہ ومنطق میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔

احمد حسین سحرؔ نے تذکرہ ''بہار بے خزاں'' اور سعادت ناصر خان ناصرؔ نے ''خوش معرکہ زیبا'' لکھا۔ اس دور کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ نصیر الدین حیدر نے جو رسد خانہ میجر ہربرڈ کی نگرانی میں قائم کیا تھا اور اس وقت تک حکومت کے بیس پچیس لاکھ روپیہ اس پر صرف ہو چکے تھے۔ میجر موصوف کی محنت سے ایک نادر کتاب تیار ہوئی۔ اس کی اشاعت کے لئے سات ہزار روپیہ خزانہ سے منظور ہوا۔ اسی اثنا میں ہربرڈ کا انتقال ہوگیا۔ اور یہ کام کرنل ولکاکس کے سپرد ہوا۔ رزیڈنٹ کو ان سے دشمنی تھی۔ انھیں یہ گوارہ نہیں ہوا کہ ایسے عظیم الشان کام میں ولکاکس کی شرکت ہو۔ انھوں نے ایسی ترکیبیں کیں کہ تمام سرمایہ تلف ہوگیا، لاکھوں کا نقصان ہوا اور حکومت کا وہ کارنامہ جو رہتی دنیا تک سلاطین اودھ کا نام روشن رکھتا اور دنیا اس سے فیض حاصل کرتی، برباد ہوگیا۔

شہر کی رونق میں اضافہ ہوا۔ انھوں نے سعادت علی خان کے بسائے ہوئے شہر میں ایک نیا محلہ حضرت گنج آباد کیا۔ یہ لکھنؤ کا سب سے زیادہ بارونق بازار ہے۔ شام کے وقت یورپ کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔ برصغیر میں ایسا پرفضا اور شاندار بازار میں نے نہیں دیکھا۔

کشمیر میں راجہ نے مسلمانوں پر ظلم کیا۔امجد علی شاہ نے ان کو ترک وطن کر کے لکھنو چلے آنے کا پیغام بھیجا۔سینکڑوں خاندان وہاں سے چلے آئے۔ بہت سے مقبرہ جناب عالیہ کے مکانات واقع گولہ گنج میں آباد کئے گئے۔ان کی نسلیں آج بھی وہاں آباد ہیں۔ایک کثیر تعداد کو منصورنگر اور کاظمین کی طرف بسایا گیا اور کشمیری محلہ آباد ہوا۔

لکھنؤ سے کانپور تک پختہ سڑک بنوائی۔غازی الدین حیدر نے انگلستان سے ایک لوہے کا پل منگوایا تھا۔مختلف زمانوں میں اس پر کچھ کچھ کام ہوا مگر اتمام تک نہ پہنچ سکا۔امجد علی شاہ کی توجہ سے پایۂ تکمیل تک پہنچا۔

امین الدولہ نے امین آباد بسایا۔منصف الدولہ خلف سلطان العلماء نے روضۂ امام حسینؑ کی نقل بنوائی جو دیانت الدولہ کی کربلا کے نام سے مشہور ہے۔ عاشورہ کے دن شہر کے تعزیئے وہیں دفن ہوتے ہیں۔

شرف الدولہ نے روضہ کاظمین کی نقل تعمیر کرائی۔

بادشاہ کے زہد وورع اور تقدس کا یہ اثر تھا کہ سارا شہر عبادت گذار بن گیا۔ ہاتھ میں تسبیح وضع میں داخل ہوگئی۔ چندروز کے لئے آنے والا بھی مذہب کے سانچے میں ڈھل جاتا تھا۔نماز روزہ کے ساتھ تعزیہ داری بہترین کارِثواب سمجھی جاتی تھی۔ ہر شخص مجلس و ماتم اور تعزیہ داری کرتا تھا۔ ہندو بھی مستثنیٰ نہیں تھے۔اب تک ہندوؤں کا تعزیہ عاشور و چہلم کو لکھنؤ میں اٹھتا ہے۔

سپہ گری یہاں کی قدیم وضع تھی لائف آف این ایسٹرن کنگ کا مصنف لکھتا ہے:

بازاروں میں سب سے نرالی بات یہ ہے کہ لوگ مسلح رہتے ہیں۔ یہ بات کہیں اور نہیں پائی جاتی۔۔۔۔۔۔گلیوں میں ایک ادنیٰ سی بات پر تلوار چل جاتی ہے۔ جب اِس قسم کی ہنگامہ آرائی ہوتی ہے تو لڑنے والوں کے شور وغل سے دور تک خبر پہنچ جاتی ہے

۔۔۔۔۔۔۔۔اکثر اوقات بہت سخت خونریزی ہوجایا کرتی ہے۔یہی حالت اس وقت تھی جب میں ۱۸۳۵ء میں لکھنؤ میں تھا اور اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی ۱۸۵۶ء میں لکھنؤ کی یہی حالت ہے۔ایک یورپین سیاح کو۔۔۔۔۔۔۔لکھنؤ کے بھک منگوں کی یہ ادا ضرور متحیر کردے گی جس قدر مرد فقیر ہیں سب ہتھیار بند ہیں ۔۔۔۔۔۔۔یہ فقیر ڈھال تلوار سے مسلح ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔میں نے ایک نامی فقیر کا نام سُنا ہے جس کے پاس ایک ہاتھی بھی تھا اور وہ اسی پر سوار ہوکے روزانہ شہر کا چکر لگاتا تھا''

ہندو مسلمان سب شاعری کے دل دادہ تھے۔معمولی طبقہ کے لوگ بھی شاعر اور سخن فہم تھے۔سعادت ناصر خاں تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا میں لکھتے ہیں کہ:

''قادر علی مجرمؔ اگرچہ دلاّل بازار جُفت فروشاں ہے لیکن اس کے قالب طبع میں شعر خوب ڈھلتے ہیں۔''

نظر علی تیلی بھی شاعر تھا۔

میر انیسؔ اس زمانہ میں فیض آباد سے مستقل طور پر لکھنؤ چلے آئے اب مرزا دبیرؔ اور میر انیس مدمقابل تھے سارا شہر دو گروہوں میں بٹ گیا تھا،انیسئے اور دبیریئے۔

عہد امجد علی شاہ میں شیعیت کا عروج اور خاندان اجتہاد

دورِ امجد علی شاہ کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اس عہد میں خاندان اجتہاد کو بہت عروج حاصل ہوا۔

مفتی محمد عباس صاحب سلطان العلماء سید محمد صاحب کے متعلق فرماتے ہیں ان کی سربلندی سے دینِ الٰہی سربلند ہوا اور بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ وقت نے ان کے آگے سر عقیدت خم کردیا اور شاہی اقتدار کا ایک حصہ ان کو سونپ دیا۔انھوں نے اسلامی آئین

نافذ کیا اور بہت سے دینی کام کئے جس کا دائرہ عراق تک پھیلا۔مگر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس کے یہ اسباب ہیں:

اس وقت اس خاندان میں علماء کی کثرت، ایسی کتابوں کی تصنیف جس سے دین میں روح تازہ دوڑ گئی۔اعلیٰ روحانیت، سیرت و کردار کی بلندی، بادشاہوں کی طرف رخ نہ کرنا اور حق پر قائم رہنے میں ان کی مخالفت کرنا۔ان باتوں نے ان کا وقار بہت بلند کردیا عام لوگ ان کے گرویدہ ہو گئے۔بادشاہ دین دار تھے۔انھوں نے بھی عقیدت کا سر جھکا دیا۔ان باتوں کو ہم مختصر طور پر پیش کرتے ہیں کہ آپ عروج کا اصل راز سمجھ لیں:

علماء کی کثرت

اس وقت اس گھرانے میں چودہ متبحر عالم موجود تھے۔

(۱)سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب، (۲)مفسر قرآن مولانا سید علی صاحب، (۳)فقیہ اہلبیتؑ مولانا سید حسن صاحب، (۴)سید العلماء مولانا سید حسین صاحب پسران غفران مآبؒ، (۵)صفوۃ العلماء منصف الدولہ شریف الملک مولانا محمد باقر صاحب، (۶)خلاصۃ العلماء مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب، (۷)مولانا محمد صادق صاحب، (۸)مولانا سید عبداللہ صاحب، (۹)ملک العلماء مولانا بندہ حسین صاحب، (۱۰) مولانا سید علی اکبر صاحب پسران سلطان العلماء، (۱۱)عمدۃ العلماء مولانا سید محمد ہادی صاحب نبیرۂ غفران مآبؒ، (۱۲)زین العلماء عضد الدین مولانا علی حسین صاحب، (۱۳)ممتاز العلماء فخر المدرسین مولانا محمد تقی صاحب، (۱۴)زبدۃ العلماء مولانا علی نقی صاحب پسران سید العلماء سید حسین صاحب وغیرھم۔

اتنے عالموں کا وجود ایک گھر میں دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتا۔اور ان کے لئے بے شمار

شاگرد جوان لوگوں کو اپنا روحانی باپ سمجھتے تھے۔ اور یہ بھی ان کے مربی و سرپرست تھے، علم کے ساتھ معاش بھی مہیا کرتے تھے۔ قیام کے لئے مکان دیتے تھے اور دینی کتابیں لکھنے [۱] کی فرمائش کرتے تھے۔ اس وقت کے علماء میں کوئی ایسا نہیں جو دینی کتابوں کا مصنف نہ ہو۔
غفران مآبؒ کے وقت سے سارے ہندوستان کے شیعہ لکھنؤ کو اپنا دینی مرکز سمجھتے تھے۔ علم دین حاصل کرنے والے یہیں آتے تھے۔ یہیں کے علماء باہر بلائے جاتے تھے۔ اس وقت ان باتوں میں ترقی ہوئی اور ایک نئی بات یہ ہوئی کہ یہاں کی دینی کتابیں سارے ہندوستان میں پھیل گئیں جن میں بچوں کے پڑھنے کی کتابیں بھی تھیں اور اوسط و اعلیٰ استعداد کے لوگوں کے لئے بھی تھیں۔ ان میں ''بارقہ ضیغمیہ''، ''ضربت حیدریہ''، ''بوارق موبقہ''، ''طعن الرماح'' سلطان العلماء نے ایسی کتابیں لکھیں جن کا مثل نہیں ہے ان کی خصوصیت یہ ہے کہ قرآن وحدیث سے استدلال کے ساتھ عقلی اور فلسفیانہ استدلال اتنے مضبوط ہیں جو ذہن انسانی کی معراج ہیں۔ ان کتابوں نے لوگوں کو حیران کر دیا۔ علماء کہتے ہیں کہ یہ عقل انسانی سے بالاتر ہیں۔ غفران مآبؒ کی کتابیں بھی اس میں شامل ہیں۔

۱- ایک دلچسپ واقعہ سے غفران مآبؒ نے مفتی محمد قلی صاحب کو تحفہ اثناعشریہ کے ایک باب کی رد لکھنے کی فرمائش کی اور اس کا خاکہ بتایا اور کچھ کتابیں دیں۔ کچھ لکھ کے لائے اور کچھ کتابیں اور مانگیں غفران مآب نے فرمایا عاریتی کتاب کا فائدہ عارضی ہوتا ہے اہل علم کو کتاب اپنے پاس رکھنا چاہئے وہ محصل کی معلم اور مصنف کا آلہ ہیں جیسے حداد ونجار بغیر اوزار کے کچھ نہیں کر سکتے اسی طرح مصنف کتابوں کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا اور دو روپے ان کو دیئے کہ اس سے کتاب خرید کے کتب خانہ قائم کیجئے۔ انھوں نے دونوں ہاتھ پھیلا کر دو روپیہ لئے ایک روپیہ کی ایک کتاب خرید کے کتب خانہ کا افتتاح کیا اور ایک روپیہ برکت کے لئے صندوقچہ میں رکھا جو برکت کے روپیہ کے نام سے ان کے خاندان میں برسوں رہا اس نے کیا برکت دکھائی یہ تو نہیں معلوم مگر اس ایک روپیہ کی کتاب کی یہ برکت ہوئی کہ وہ کتب خانہ عظیم الشان بن گیا اور آج تک موجود ہے۔

مفتی محمد عباس صاحب فرماتے ہیں:

''ان کی علمی جلالت کا اندازہ ان کی تصنیفوں سے کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے شریعت محمد مصطفیؐ کی مدد کی۔ ان کی وجہ سے اس کی تجدید ہوئی۔ وہ حکمت الٰہیہ جاننے والوں کے مقتدا اور مجتہدین کے نقطہ آخر ہیں۔''

(اوراق الذہب)

مولانا میر حامد حسین صاحب لکھتے ہیں:

''علمائے متکلمین میں سب سے افضل، فقہائے مجتہدین میں سب سے اکمل، سارے اور تمام مومنین کے مولاء و آقا، وقت کے فرد، خدا کی تائید ان کے ساتھ ہے۔'' (رسالہ تقیہ)

عراق کے مشہور عالم حجۃ الاسلام مولانا علی نقی طباطبائی ان کی کتابوں سے متاثر ہو کے لکھتے ہیں :

''دائرہ عقل کے مرکز، آسمان علم کے قطب، ارباب فضل کے راس، واعظین زمانہ میں یکتا اور وحید۔

(ظلِ ممدود)

حجۃ الاسلام سید علی حائری مصنف ضوابط الاصول فرماتے ہیں:

''ملک اسلام کے قطب، دائرہ عزت واحترام کے نقطہ بدر تمام، احکام شرعیہ کا دارو مدار ان کی ذات پر ہے، مسائل حکمیہ کو انھوں نے زندہ کر دیا اور علم وکمال میں روح پھونک دی شریعت کی بنیادوں کو قائم کیا اور ہدایت کے راستوں میں چراغ روشن کر دیئے'' (ظل ممدود)

شیخ الفقہاء شیخ محمد حسن نجفی مصنف جواہر الکلام فرماتے ہیں:

''ایسے علامہ جن کا نظیر نہیں، معقول ومنقول، فروع واصول جن کی ذات

میں جمع ہیں، فقہاء و مجتہدین کے فخر، اسلام کے مددگار، عراق وایران وہندوستان کے مومنین کے آقائے اعظم'' (ظل ممدود)

ان بیانات سے ان کتابوں کی عظمت کا اندازہ کیجئے۔

روحانیت

روح کی بالیدگی عبد و معبود کے راز و نیاز پر ہے جس کو عبادت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نماز، وظائف، مناجات اسی کی شکلیں ہیں، لیکن اس کی روح خضوع وخشوع ہے۔ ازبر الفاظ جاری کر لینا کوئی خیر نہیں، سلطان العلماء اور سید العلماء کی عبادت خضوع وخشوع کا اعلیٰ معیار تھی۔

مولانا سید محمد حسین تذکرہ بے بہا فی تاریخ العلماء میں لکھتے ہیں:

بعض فضلائے اہل سنت جب شیعہ ہو گئے اور ان کی خدمت میں حاضر رہنے لگے، آپ کے حالات دیکھتے تو حیران ہو کے کہتے کہ آپ طاعت و عبادت میں مثل علیؑ بن ابی طالب کے ہیں۔

صاحب تاریخ العلماء لکھتے ہیں:

ایک بزرگ زائر ائمہ اظہار فرماتے ہیں کہ آپ کو اور علماء سے وہی نسبت ہے جو بشر کو فرشتہ سے ہے زائرین کا قول ہے کہ اگر کوئی بلاد وامصار کی سیر کرے اور علماء کی صحبت میں رہے تو آپ کی قدر معلوم ہو۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

اگر آپ عہد رسول میں ہوتے تو آپ کے فضائل میں کوئی آیت ضرور اُترتی اور ابوذر وسلمان پر آپ کو فضیلت دیتے، آپ کے تمام افعال وعادات عبادت تھے۔

یہ مفتی میر عباس صاحب کی عبارت کا ترجمہ ہے۔ وہ اوراق الذہب میں لکھتے ہیں:

لَوْ كَانَ فِي زَمَنِ جَدِّهٖ رَسُوْلِ الْاِنْسِ لَيَنْزِلُ اللّٰهُ فِيْ مَدْحِهٖ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ وَاَفْضَلَهُ عَلٰى اَبِيْ ذَرٍّ وَسَلْمَانَ۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:

خدا نے ان کے چہرہ میں حسن، کلام میں نمک اور الفاظ میں فصاحت عطا کی ہے۔ ان کی صحبتیں مثبت ہیں، جہاں لغو اور غیر مشروع باتوں کا گذر نہیں۔ ان کی عادت میں حسن اخلاق و مزاح ہے، مگر کوئی شخص ان کے سامنے دم نہیں مار سکتا۔ ان میں سختی و نرمی ہے جو خدا نے عطا کی ہیں ان میں، تن تنہا قیام و قعود میں وہ بہت ہیں جو بادشاہوں کو فوج و لشکر کے ساتھ میسر نہیں۔ وہ جناب باوجود قوت قلب کے رحم دل اور بندوں پر مہربان ہیں۔ شجاعت میں شیر اُن کے سامنے سے فرار کرتا ہے۔ موعظہ کے وقت پتھر اگر احساس کرے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے بالخصوص جب وہ جناب منبر پر موت اور قبر کا تذکرہ کرتے اور ابر بارندہ کی طرح روتے ہیں خدا کے راستہ میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ خدا کی رضا کے طالب رہتے ہیں۔

حق پر استقامت

غفران مآبؒ کے بعد ساری ذمہ داری سلطان العلماء پر آ پڑی۔ ان لوگوں نے کبھی امراء وسلاطین کی طرف رُخ نہیں کیا۔ بس اتنا ربط رکھا کہ نکاح کے لئے بلایا تو چلے گئے۔ نماز جنازہ، نماز جماعت پڑھا دی، مسجد میں بادشاہ کے آگے اور وہاں سے نکل کے بادشاہ کے پیچھے نہیں ہوئے۔ اس روش نے غازی الدین حیدر کے زمانہ میں ایک حادثہ سے دوچار کر دیا۔

اودھ کی تاریخوں میں تو صرف اتنا لکھا ہے غازی الدین حیدر اپنے بیٹے نصیر الدین حیدر سے خفا ہو گئے اور اپنے نواسے محسن الدولہ کو اپنا جانشین بنانا چاہا، مگر کتب سیر میں ہے کہ انھوں

نے محضر بنا رکھا، جس میں نصیر الدین حیدر کی ابنیت سے انکار تھا۔ سب نے بادشاہ کے خوف سے دستخط کر دیئے۔ جب سلطان العلماء کے پاس آیا تو انھوں نے اس پر لکھا ''انہ عمل غیر صالح'' اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بادشاہ یہ عمل غیر صالح ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نصیر الدین عمل غیر صالح کی ابنیت سے انکار نہیں ان کا یہ فعل مزاج شاہی پر گراں گذرا اور زندگی بھر ناراض رہے۔

غازی الدین حیدر کے بعد نصیر الدین حیدر تخت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

سلطان العلماء کی بڑی آؤ بھگت کی ولی عہدی کے زمانے سے اپنی طرف مائل سمجھ کے۔ مگر تخت پر بیٹھتے ہی ان سے ٹکر ہو گئی ایک عورت سے (جسے اس کا شوہر چھوڑ چکا تھا مگر شرعی طور پر طلاق نہیں ہوا تھا) نکاح پڑھنے کے لئے طلب کیا۔ انھوں نے صاف کہہ دیا کہ شوہر اوّل سے افتراق شرعی طور پر ثابت نہیں اس لئے میں نکاح نہیں پڑھوں گا۔ بادشاہ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور آپ ''لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' کہہ کے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

حضور شاہی میں یہ جرأت اور زیادہ برہمی کا باعث ہوئی۔

اس کے بعد شراب کے جواز کا فتویٰ اس صورت سے چاہا کہ طبیب حاذق نے بادشاہ کی زندگی کا انحصار شراب پینے میں تجویز کیا ہے، اس صورت میں حکم شرع کیا ہے؟ سلطان العلماء جانتے تھے کہ اس بہانے سے شراب نوشی مقصود ہے۔ جس طرح جان بوجھ کے طبیب حاذق کی غلط تجویز ہے، اُسی طرح مفتی کا فتویٰ غلط ہوگا۔ مگر صورت مسئلہ میں طبیب حاذق کی رائے سے مخالفت کی گنجائش مفتی کو نہ تھی۔ انھوں نے اپنی خداداد ذہانت سے کام لیا اور لکھ دیا ''لَا شِفَاءَ فِي الْحَرَامِ''۔ ان سے پہلے کسی نے اس محل پر اس حدیث کو پیش نہیں کیا تھا۔ نصیر الدین حیدر کی تند مزاجی مشہور ہے۔ یہ دوسری جھڑپ تھی۔ اب رعب شاہی سے کام لینا چاہا اور ایک مسئلہ پوچھنے کے بہانے سے بلوایا۔ ایک کرسی پر خود بیٹھے اور ایک پر قلم دان رکھ دیا

اور ارادہ کیا کہ جب سلطان العلماء آئیں گے تو تعظیم نہ کروں گا، مگر جب وہ دروازے کے پاس پہنچے، تو عربی قاعدے سے بلند آواز میں یااللہ کہا اور اندر داخل ہو گئے۔ بے اختیار بادشاہ تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اور وہ قلم دان اُٹھا کے بیٹھ گئے۔ بادشاہ دیر تک سنّاٹے میں رہے۔ آخر میں پوچھا کہ اسلام سے پہلے اگر جسم میں نجاست لگ جاتی تو اس جگہ کو کاٹ دیتے تھے۔ فرمایا خون نجس نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر چلے آئے۔ مصاحبین خاص نے پوچھا تو کہا جب وہ کمرے میں آئے معلوم ہوا کسی نے بغلوں میں ہاتھ دے کر کھڑا کر دیا مفتی میرعباس صاحب نے "اوراق الذہب" میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کے چہرے میں تنہا وہ رعب وجلال ہے جو بادشاہوں کو لشکروں کے ساتھ نصیب نہ تھا۔ اس واقعہ سے سلطان العلماء سمجھ گئے کہ بادشاہ کو مخالفت پیدا ہو گئی ہے اور وہ توہین پر آمادہ ہیں۔ دوسری دفعہ جب بلائے گئے تو جانے سے انکار کر دیا۔ نصیرالدین حیدر اس کی تاب کہاں لا سکتے تھے آگ بگولا ہو گئے۔ حکم دیا کہ ان کا مکان توپ سے اُڑا دیا جائے شہر میں ہل چل مچ گئی۔ رات کو یہ حکم ہوا تھا کہ بجلی کی طرح سارے شہر میں خبر دوڑ گئی۔ امرائے دربار دوڑے آئے کہ سلطان العلماء معافی مانگ لیں۔ انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ رات لوگوں نے آنکھوں میں کاٹی۔ صبح ہوئی شاہی فوج کے کپتان مقبول الدولہ نے توپ خانے سے دو توپیں نکلوائیں۔ ایک سلطان العلماء کے مکان پر چڑھ گئی۔ دوسری محل سرائے شاہی پر۔ بادشاہ کی آنکھ کھُلی، معلوم ہوا شاہی محل پر توپ چڑھ گئی، حواس جاتے رہے۔ پوچھا یہ توپ کیوں اور کس نے چڑھائی ہے؟ معلوم ہوا کہ شاہی فوج کے کپتان نے۔ وہ کہتے ہیں میری غیرت قبول نہیں کرتی کہ بادشاہ دین کا مکان توپ سے اُڑا دوں اور بادشاہ دنیا کا محل کھڑا رہے۔ اس لئے میں اپنی دین و دنیا دونوں آج ختم کئے دیتا ہوں۔ احساس مذہبی نے بادشاہ کو چونکا دیا، نشہ اُتر چکا تھا شرمندہ ہوئے۔ کپتان کو ان کے جوش ایمانی پر گراں بہا خلعت عنایت کیا، مگر سلطان العلماء

سے زندگی بھر صفائی نہ رہی۔ مگر مذہبی امور کی انجام دہی انھیں کے ہاتھوں ہوتی رہی۔
(تاریخ العلماء)

نصیر الدین حیدر کے بعد محمد علی شاہ سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ انھوں نے جامع مسجد بنوائی اور سلطان العلماء سے نماز پڑھانے کی استدعا کی۔ انھوں نے کہا اس میں کچھ زمین نعیم خان کی شامل ہوگئی ہے، اس لئے میں نماز نہیں پڑھاؤں گا یہ بادشاہ نہایت متدین اور بیدار مغز تھے، انھوں نے سلطان العلماء ہی کے سپرد اس کی تحقیقات کی اور کہا کہ شرعی حیثیت سے جواز کی صورت آپ نکال دیں۔ انھوں نے نعیم خان کو بلوا کے زمین کے معاوضے پر راضی کرلیا اور بادشاہ سے معاوضہ دلوا کے نماز پڑھائی۔

امجد علی تو ان کے معتقد تھے ان سے کوئی اختلاف پیدا نہ ہوا۔ واجد علی شاہ کے زمانہ میں ہنومان گڑھی کے واقعہ میں تمام علماء اہل سنت حکومت کے موافق اور سلطان العلماء حکومت کے خلاف ہوئے۔

نجم الغنی نے تاریخ اودھ میں لکھا ہے کہ ہنومان گڑھی کے واقعہ میں علمائے اہل سنت نے بادشاہ کے موافق اور سلطان العلماء نے بادشاہ کے خلاف فتویٰ دیا۔ انھوں نے اپنے علماء کو گالیاں لکھ کر دیواروں پر چسپاں کیں اور اپنی نماز پڑھ کے شیعوں کی مسجد میں آ کے سلطان العلماء کا موعظہ سنتے تھے۔

غدر میں باغیوں کے سردار احمد اللہ شاہ جو ''ڈلکا شاہ'' کے نام سے مشہور تھے، سلطان العلماء کے پاس آئے اور کہا کہ انگریزوں سے جہاد کا فتویٰ دیجئے۔ انھوں نے کڑے تیور ڈال کر کہا علماء فرنگی محل سے فتویٰ لیجئے۔ ہمارے یہاں غیبت امام میں جہاد نہیں۔

غدر کے بعد ان پر بغاوت کا مقدمہ قائم ہوا۔ مگر ان کے اعزاز کا اتنا لحاظ کیا کہ گرفتار نہیں کیا اور گھر پر مقدمہ کی سماعت ہوئی۔ وکیل نے پوچھا کہ نویں محرم کو بیلی گارڈ پر حملہ کا حکم آپ

نے دیا تھا؟ فرمایا غیبت امام میں ہمارے یہاں جہاد جائز نہیں۔ اس نے کہا اگر امام آجائیں اور آپ سے کہیں کہ انگریزوں کا قتل عام شروع کرو تو آپ قتل کرنا شروع کر دیں گے۔ فرمایا ان کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ بھی ہوں گے۔ انگریزوں نے بغاوت سے ان کو بری کر دیا۔ جائیداد واپس کر دی اور دو ہزار روپیہ ماہوار ان کے لئے پنشن مقرر ہو گئی۔

ملکہ وکٹوریہ نے حکومتِ ہند کو لکھا کہ کیسے شخص ہیں جو کسی سے نہیں ڈرتے، ہم ان کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں۔ حکومت نے ان کی تصویر بنوا کے ہاتھی دانت کے چوکھٹے میں بھیجی۔ ایک تصویر رزیڈنسی میں تھی جو بعد کو عجائب خانہ میں رکھی۔ اس کی نقل جو لوگوں کے پاس اور اس کتاب میں ہے۔

سیرت و کردار کی اس بلندی نے ایک دنیا کو ان کا معتقد بنا رکھا تھا امجد علی شاہ مذہبی آدمی تھے انھوں نے سرِ عقیدت خم کر دیا اور اپنے اقتدار کا ایک حصہ ان کو سونپ دیا اور بقول راجہ درگا پرشاد دنیا پر ان کا حکم جاری ہو گیا اور اس سے دینی فوائد ہوئے۔

ذرۂ ناچیز
محمد باقر شمسؔ
یکم جنوری ۱۹۹۴ء

❁❁❁

مرثیہ
تاریخ شیعیت و عزاداریٔ برصغیر
و ذکر جناب علی اکبرؑ

(بند ۲۱۸)

مصنف

خطیب اکبر لسان الشعراء سید الادباء مولانا سید اولاد حسین نقوی شاعرؔ اجتہادی

تاریخ شیعیت وعزاداری برصغیر
وذکر جناب علی اکبرؑ (بند ۲۱۸)

خطیب اکبر لسان الشعراء مولانا سید اولاد حسین نقوی شاعر آجتہادی

(۱)

تھا وہ اک عہد کہ معروف تھے مشہور تھے ہم
گوہرِ منتخبِ دیدۂ جمہور تھے ہم
کہیں سلطاں کہیں حاکم کہیں دستور تھے ہم
اور جہاں کچھ بھی نہ تھے، کام کے مزدور تھے ہم
صبح سے دھوپ میں ہنگامِ شفق آتا تھا
سائے کے نام سے ماتھے پہ عرق آتا تھا

(۲)

اسد اللّٰہیوں کو دشت و جبل کا نہ تھا ڈر
ڈیرے تھے سبز شجر ، ارضِ خدا تھی بستر
رات بھر حفظِ خدا رکھتی تھی آغوش میں سر
اس کو دیس اپنا ہی سمجھے، کیا جس دیس میں گھر
رزق دیتا تھا خدا دیکھ کے رغبت میری
ظرفِ صد رنگ ثمر کرتے تھے دعوت میری

(۳)

مالکِ ارض تھا میں، پیشِ نظر تھی دنیا
کرۂ چشم میں سب یابس و تر تھی دنیا
میرے خالق کی تھی دنیا ، مرا گھر تھی دنیا
پاؤں مضبوط تھے ، ٹیکے ہوئے سر تھی دنیا
نوبتیں شاہوں کے در کی مرا دم بھرتی تھیں
کلغیاں تاجوں کی تسلیم کیا کرتی تھیں

(۴)

تھے قلمدانِ وزارت مرے سرکاروں میں
آلِ ایوب نے رکھا تھا علمداروں میں
تھے صلیب اور ہلال اپنی ہی تلواروں میں
یوسفِ فاطمہؑ تھا مصر کے بازاروں میں
ہے شبِ ماریہ ممنون مرے گیسو کی
دولتِ عضدیہ اک رگ تھی مرے بازو کی

(۵)

دولتِ ظلم کی دجلے میں ڈبو دی تعمیر
افعیِ جبر کی پاؤں سے مٹا ڈالی لکیر
میں نے زندانوں سے آزاد کئے لاکھ اسیر
میں نے تازہ کیا سوکھا ہوا خونِ شبیرؑ
نام لے سکتے نہ تھے جن کے ستمگاروں میں
میں نے ماتم کیا ان لوگوں کا بازاروں میں

(۶)

میٹنے میں نہ کسر جن کے رکھی دنیا نے
میں نے بنوا دیئے ان قبروں پہ دولت خانے
نہ جہاں شمع گئی تھی نہ کبھی پروانے
جھاڑ روشن کئے اس جا دلِ بزم آرا نے
آگ سے آگ لے دنیا یہ اسی کام کی ہے
ورنہ شمعِ لحدِ شاہ میرے نام کی ہے

(۷)

صفوی نورِ صفا شمعِ سرِ راہ کیا
راہِ اللہ سے گمراہوں کو آگاہ کیا
شرفا آئے جو در پر مرے ذی جاہ کیا
میں نے مغلوں کو مدد دے کے شہنشاہ کیا
خود نہ طالب ہوا میراث سخاوت سمجھی
خالِ ہندو سے بھی کم ہند کی دولت سمجھی

(۸)

نام ، بیرم کا زبان زد ہے وفاداروں میں
خانِ خاناں کا تھا ہمتا کوئی جراروں میں؟
ادب اب بھی ہے مرا ہند کی سرکاروں میں
سجدے ہیں ، نام پہ تیمور کے ، درباروں میں
فاتحِ شرق بنا صاف ضمیری لایا
آستانے سے نجف کے جو امیری لایا

(۹)

اک لٹیرا جو ہوا والیِ بین النّہرین
پئے زر لوٹ لیا روضۂ شاہِؑ کونین
یہ خبر سن کے اڑا دیدۂ تیمور سے چین
بولا، ہم زندہ ہیں تو لٹ نہیں سکتے ہیں حسینؑ
روز لٹتے رہیں شبیرؑ یہ منظور نہیں
نہ الٹ جائے جو بغداد تو تیمور نہیں

(۱۰)

کوئی چرواہا کہے، کوئی گدا و مزدور
ہم کہیں فاتحِ چیں، ہوشربائے فغفور
ایشیا کے سرِ اقبال کا دیہیمِ غرور
ذرۂ خاکِ درِ حیدرِؑ صفدر، تیمور
جس نے شبیرؑ کا غم ہند میں منوایا تھا
تعزیہ تاج کی جا سر پہ لیئے آیا تھا

(۱۱)

ڈٹ گیا تھا کہ درِ شہؑ سے نہ اب جاؤں گا
اور کیا تم سے بڑی چیز ہے جو پاؤں گا
ہوا ایما، نہ غمِ ہجر میں تڑپاؤں گا
تعزیہ میرا جہاں ہوگا وہاں آؤں گا
ہند میں رنگ دکھائے گی شہادت میری
اب تو خوش ہے کہ ترے گھر میں ہو تربت میری

(۱۲)

ایک تربت بنی پھر خاکِ شفا سے سرِ دست
زندگی بھر رہا تیمور مئے عشق سے مست
اپنے ہی دعووں سے ہوتی ہے مورخ کو شکست
کون اس کو کہے ظالم جو ہو مظلوم پرست
چتر کے سائے تھے، تلواروں کے یا سائے تھے
اس طرح ٹھاٹھ سے دلی میں حسینؑ آئے تھے

(۱۳)

رنگ اچھالا جو رنگیلے نے مٹا دینے کو
دُرّۂ نادری اٹھوایا جگا دینے کو
آئے ہوتے نہ اگر صرف سزا دینے کو
ملک راضی تھا ہمیں تخت پہ جا دینے کو
تاجداری نہ لی خوں کرکے پسینا ہم نے
جس کو بھائی کہا، گھر اس کا نہ چھینا ہم نے

(۱۴)

جو مجھے کہتے ہیں ظالم انھیں شرم آتی نہیں
مال جانے کا سبب عقل بھی سمجھاتی نہیں
صرفۂ جنگ میں یہ چیز کہاں جاتی نہیں
کیا وہ دولت ہوئی، تاریخ بھی بتلاتی نہیں
کبریائی نہ پسند آئی مسلماں کے لیئے
تختِ طاؤس گیا شاہِ خراساں کے لیئے

(۱۵)

بہمنی شاہِ دکن ہو گئے حیدرؑ کے غلام
عادلیہ نے عدالت کا لیا ہاتھ میں کام
اولیا میں لکھیں ایسا ہے قطب شاہ کا نام
مکہ مسجد کے نمازی اُسے کرتے ہیں سلام
حیدرآباد میں نام اس شہِ ذی جاہ کا ہے
چار مینارہ عزاخانہ اسی شاہ کا ہے

(۱۶)

ہم نے شاہی کی مگر رنگ ولایت نہ گیا
تھے خداوند مگر جذبۂ طاعت نہ گیا
تاج ماتھے پہ رہے، شوقِ عبادت نہ گیا
سجدے اتنے کئے اک سنگ سلامت نہ گیا
مسجدیں راہوں کی چھٹتی تھیں نہ دینداروں سے
سجدے کرنے کو اتر پڑتے تھے رہواروں سے

(۱۷)

چاند بی بی قمرِ برجِ شرف، مہرِ وقار
ملکی دل، فلکی عزم، ہلالی تلوار
قلعہ آگرہ تک آتی تھی جس کی جھنکار
قلعہ ٹوٹا، نہ مگر ٹوٹ سکا دل کا حصار
کیوں جھکے فرق کہ با خطِ جلی لکھا ہے
ناز اِس پر کہ سرِ خود علیؑ لکھا ہے

(۱۸)

دل تاریخ میں ہے نور جہاں کی تصویر
ملکہ گھر میں، اسد جنگ میں، دفتر میں وزیر
دشمنوں میں جو جہانگیر ہوا جا کے اسیر
روند دی پاؤں سے ہاتھی کے جھلم کی ، تقدیر
سرِ خم دیکھ لو، دنیا کے عمل سے پوچھو
تاجدار اب بھی ہوں میں تاج محل سے پوچھو

(۱۹)

اس عمارت کے مہندس بھی ہیں مزدور بھی ہم
نامِ حق لیتا ہے گنبد تو ہیں منصور بھی ہم
ظاہراً بھی ہیں ہمیں، قبر میں مستور بھی ہم
جیسے نزدیک بھی دنیا سے ہیں ہم ، دور بھی ہم
چاندنی رات ہو تو حسن میں دونا یہ ہے
میرے جنت کے مکانوں کا نمونہ یہ ہے

(۲۰)

وہی مہتاب ہوں میں جس کا اودھ ہے ہالا
آنسو پونچھے ہوئے مظلوموں کا، رونے والا
میرے گلدستے کا کشمیر رہا ہے لالا
میرے ہی بنگلے کے سائے میں بسا بنگالا
ہر جگہ قلعہ ہیں مسجد ہے مکاں باقی ہیں
قافلے والوں کے قدموں کے نشاں باقی ہیں

(۲۱)

تان سین آج بھی ہے بلبلِ گلزارِ وطن
عرفیؔ سدرۂ شیراز نواکارِ چمن
خانِ خاناں ہو کہ بیرم کہ ہو فیضیؔ سخن
اکبری نو رتنوں میں ہیں مرے پانچ رتن
تانا شاہی ہوں میں بخشش ہے وطیرا میرا
کوہِ نور اخترِ اقبال ہے ہیرا میرا

(۲۲)

رو رہی ہے مجھے دلی میں نجف گڑھ کی زمیں
پارۂ دل ہیں مرے دفن علی گڑھ میں کہیں
اب میں دنیا میں ہوں یوں جیسے کہ زندہ ہی نہیں
رشتہ جب ٹوٹے اخوت کا نہ کیوں بکھریں نگیں
میرے اسلاف تھے دنیا کے بنانے کے لئے
اور میں رہ گیا ہوں خاک اڑانے کے لئے

(۲۳)

وارثِ فلسفہ و حکمتِ سینائی ہوں
جامعِ نسخۂ قانونِ مسیحائی ہوں
غرق خیام ہوا جس میں وہ گہرائی ہوں
الغرض چہرۂ عالم کی میں زیبائی ہوں
نامِ طوسیؒ سے حکیموں کے نہ دم رکتا تھا
یہ قدم وہ ہیں کہ چنگیز کا سر جھکتا تھا

(۲۴)

آلِ طاغوت کے باطل کئے میں نے اوہام
میری ہی شمع سے تابندہ ہوئی بزمِ کلام
کون دلدارؔ علی، سقف و عمادِ اسلام
میں ہی سلطاںؔ ہوں مری تیغِ زباں ہے قمقام
صنفِ تصنیف میں فخر اپنے افادات پہ ہے
'ضربتؔ حیدری' کو فضل عبادات پہ ہے

(۲۵)

ڈیڑھ سو سال سے یکساں ثمر افشاں ہے یہ باغ
بزم و ساقی تو بدلتے رہے بدلا نہ ایاغ
نہ دبے اپنوں، پرایوں سے کبھی اپنے دماغ
روشنی لیتے رہے میرے چراغوں سے چراغ
یہ بھی کہہ دوں کہ شرف میرا رہے گا کب تک
آئے آوازِ بلافصل اذاں میں جب تک

(۲۶)

میں نے تعلیمِ ادب دی ہے میں ہی بانی ہوں
کاشیؔ و محتشمؔ و مقبلؔ و کاشانیؔ ہوں
صائبؔ وباذلؔ و طوسیؔ خراسانی ہوں
عرفیؔ و آذریؔ و ناصرؔ و قاآنیؔ ہوں
مجھ کو فردوسیؔ ایرانِ کہن کہتے ہیں
آفرینندۂ مخلوقِ سخن کہتے ہیں

(۲۷)

غالبؔ و میرؔ و حسنؔ ناسخؔ و سوداؔ و منیرؔ
آتشؔ و مصحفیؔ و بیدلؔ و آزادؔ و اسیرؔ
ماہرؔ و فاخرؔ و جاویدؔ و نفیسؔ ، اوجؔ و ضمیرؔ
ذاخرؔ و عارفؔ و خورشیدؔ و انیسؔ اور دبیرؔ
ہم سے پیچھے رہے یوں بھی شعرا عالم کے
ہم مصنف بھی ہیں موجد بھی حدیثِ غم کے

(۲۸)

بوریے نے مرے اجمیر کو اجمیر کیا
شکمِ حرص پہ ڈالی جو نظر سیر کیا
التمش کیا تھا دعاؤں نے مری شیر کیا
راجپوتانے کو بے تیغ و سپر زیر کیا
ماتمِ شہ نہ ہوا کم مرے اُٹھ جانے سے
ہائے دوست آتی ہے آواز عزاخانے سے

(۲۹)

ترک محنت ہوئی جس روز سے مجبور ہوئے
تخت میراث تھا جن لوگوں کی ، مزدور ہوئے
طینتیں بدلیں، شرافت کے اثر دور ہوئے
جو تھے پرکالۂ آتش وہی کافور ہوئے
پھول پاتے نہیں وہ بچتے ہیں جو خاروں سے
بیٹے تلوریوں کے ڈرنے لگے تلواروں سے

(۳۰)

تن گئے اور فریبانہ جو تعظیم ہوئی
روح ، پروانۂ شمع غم تکریم ہوئی
بن گئے بندۂ اغیار وہ تعلیم ہوئی
دل دماغوں سے ہوئے دور ، یہ تقسیم ہوئی
جرأت و علم کہیں دونوں بہم رہتے تھے
ایک مٹھی میں علم اور قلم رہتے تھے

(۳۱)

دو جہاں ہوتے تھے اک ہاتھ سے تسخیر کبھی
ہاتھ میں تیغ، زبانوں پہ تھی تفسیر کبھی
تارے ہیئت کے کبھی توڑے چلے تیر کبھی
کبھی قرآن تھا آغوش میں شمشیر کبھی
ناز تسبیح پہ تھا فخر تھا تلواروں پر
کبھی منبر پہ کبھی قلعہ کی دیواروں پر

(۳۲)

خطِ تقدیرِ عدو ماتھے کی چینیں تھیں کبھی
جانمازیں عربی گھوڑوں کی زینیں تھیں کبھی
سجدہ گہ پر کبھی نیزوں پہ جبینیں تھیں کبھی
بوترابیؑ تھے، ہماری یہ زمینیں تھیں کبھی
نو بہاراں میں کہیں خون کا ڈھنگ اب تک ہے
گل و ریحان مری فصل کا رنگ اب تک ہے

(۳۳)

کارگاہِ دو جہاں مجھ کو تماشا تھی کبھی
یہ جو سُستی ہے، اُبلتا ہوا دریا تھی کبھی
خدمتِ خالق و مخلوق، تمنا تھی کبھی
عرش اک ہاتھ میں، اک ہاتھ میں دنیا تھی کبھی
رو کے وہ بوجھ ، گراں ہوتے جو کہساروں پر
اک کو قرآن پر اور ایک کو تلواروں پر

(۳۴)

تھے بشر اور ملائک کے نظارے گھر میں
مرکزیت مہہ و ماہی کی تھی سارے گھر میں
ہوئی معراج بھی رجعت بھی ہمارے گھر میں
ذرے پہنچائے فلک پر، تو ستارے گھر میں
ملک اِس گھر میں، نبیؐ عرش پہ مستور رہا
آنا جانا مرا ہمسائے میں دستور رہا

(۳۵)

انقلابی ہے کوئی اور ذرا منہ تو دکھائے
میں نے افلاک کے قلابے زمینوں سے ملائے
قحط جن میووں کا دنیا میں تھا جنت سے منگائے
کس کے گہوارے فلک والوں نے آ آ کے ہلائے
لوریاں کوئی نہ دے مجھ کو تو غم ہوتا تھا
بلبلِ سدرہ چہکتی تھی تو میں سوتا تھا

(۳۶)

جو ستارے تھے چُنے خاک سے ، گوہر ایسے
عاشق اللہ کے سلمانؒ و ابوذرؒ ایسے
بطل ، ابطال شکن مالکِ اشترؒ ایسے
چودہ طبقوں میں نہیں جیسے بہتّر ایسے
تھرتھری نام سے اصغرؑ کے ہے جراروں میں
کس کی صف میں کوئی بیشیر ہے سرداروں میں

(۳۷)

فخر زیبا ہے ہمیں اس لئے کرتے ہیں غریو
حصنِ جرأت کی انھیں ہاتھوں نے تیار کی نیو
جمع ہوں آ کے منوچہر و اسد، رستم و گیو
آسمانوں سے ملک، خاک سے جن، کوہ سے دیو
لڑنا کیا شئے ہے جو منھ دیکھے وہ بسمل ہوجائے
جو بہادر ہو وہ اصغرؑ کے مقابل ہوجائے

(۳۸)

سام ہٹ جائے اگر اِن کا تقدّم دیکھے
زال دیکھے کہیں چتون تو خرد گم دیکھے
دل میں سُہراب یمِ غم کا تلاطم دیکھے
رستمی چھوڑ دے رستم جو تبسم دیکھے
کون اصغرؑ کے سوا قوم پہ قربان گیا
وہ بہادر کہ جسے سارا جہاں مان گیا

(۳۹)

ایک ساں قوم میں تھے طفل و جواں، عورت و مرد
دُر یکدانہ کے مانند تھے بازاروں میں فرد
اہل علم ایسے ہی اور ایسے ہی اصحابِ نبرد
چھو گئی تلووں سے جو اپنے وہ اکسیر تھی گرد
میں ھُما تھا کہ گدا آیا تو ذی جاہ ہوا
جس پہ سایہ پڑا میرا، وہ شہنشاہ ہوا

(۴۰)

اب نہ عہدے ہیں، نہ منصب ہے، نہ ملک و دولت
قلعۂ لکھنؤ کی طرح سے ٹوٹی ہمت
بٹ گیا دل کی طرح شاہوں کا مال و حشمت
کوٹھیاں غیروں کو، حصہ میں ہمارے تربت
دم عمل کا نہیں ہونٹوں کو سیئے بیٹھے ہیں
تکیہ ہم گورِ غریباں پہ کئے بیٹھے ہیں

(۴۱)

زر میں حصہ ملا کوئی، نہ وطن میں حصہ
نالہ کش بلبلوں کا کیا تھا چمن میں حصہ؟
خیر منظور نہ ہو مال میں دَھن میں حصہ
وقفوں کو دیکھو، ہے بوسیدہ کفن میں حصہ
ذرۂ قبر ، ہوا رہنے دے اس قسمت کے
تخت تھوڑی ہے ، یہ تختے ہیں مری تربت کے

(۴۲)

ہم نے عزت یہ سمجھ لی ہے کہ بودے بن جائیں
منہ چھپائے رہیں جس گوشے میں وسعت پائیں
مان لیں اُس کو جو ارکانِ شہامت فرمائیں
بھیجے بھی کھائیں وہی اور وہی سر بھی سہلائیں
اتنی سی بات پہ ممنون ہیں ہم یاروں کے
فرض ادا کرتے ہیں ہم سائے میں تلواروں کے

(۴۳)

دَہ و یک حصہ ہے اغیار کا دھن میں اپنے
گھر کرائے کے ہیں اللہ وطن میں اپنے
صدقۂ کفر کا ہے رزق دہن میں اپنے
زرِ سودی کا ہے ہر تار کفن میں اپنے
ہے کفن غیر کا بخشا ، یہ ندامت ہوگی
ہوا زندہ ، تو قیامت میں قیامت ہوگی

(۴۴)

ہاں! پھرائے شہرگِ بازوئے عمل خون اُچھال
تیغِ ہمت ہے کہاں دفن، ذرا ڈھونڈھ نکال
رحم کر رحم سمجھ اس تنِ خاکی کا مآل
تیری مٹی میں دبا ہے کہیں حیدرؑ کا جلال
زیست کا ، سیکھ کے آیا نہ قرینہ تجھ کو
مر ہی جا پھر، اگر آتا نہیں جینا تجھ کو

(۴۵)

گو ترے لب پہ ہے ہر دم سحر و شام حسینؑ
تو ہے بے چین تو کیا پائیں گے آرام حسینؑ
بے عمل تو ہے تو ہو جائیں گے ناکام حسینؑ
تیرے جینے سے ہوئے جاتے ہیں بدنام حسینؑ
نہ جھکا موت سے وہ عرش مقام ایسا تھا
نیزوں اونچا گیا دشمن سے امام ایسا تھا

(۴۶)

دلِ دشمن میں جگہ ریزۂ الماس سے سیکھ
رہِ جنّاتِ عمل، حسرتِ الیاسؑ سے سیکھ
نہرِ مقصد ہے کدھر بھڑکی ہوئی پیاس سے سیکھ
پیاس پر شرط ، وفا حضرت عباسؑ سے سیکھ
جنگ و حفظ و فرس و مشک و علم ساتھ فقط
پانچ کام اور علمدار کے دو[۲] ہاتھ فقط

(۴۷)

ہاتھ کے قبضہ میں مچلا ہوا رہوار الگ
اور کاندھے پہ نشانِ ظفر آثار الگ
جھولتی مشک سے عزت کے طلبگار الگ
شہپرِ تیر پہ اُڑتی ہوئی تلوار الگ
اس طرح پیاس میں یہ پیس گئے لشکر کو
نام کرنا ہوا دشوار علی اکبرؑ کو

(۴۸)

لاش کے پاس رکھے ہاتھ کمر پر وہ جری
جنگ کا نقشۂ شب کر رہا ہے خود نظری
تیغ ، پا بوس ہے اور ہاتھ میں ڈھیلی ہے پھری
بوند بوند آنکھ (ہے) خونِ رگِ عالم سے بھری
کہتے ہیں رنج سے گو خونِ جگر پیتے ہیں
انتقام آپ کا ہم لیں گے اگر جیتے ہیں

(۴۹)

واہ رے شیرِ نیستانِ علیؑ کیا کہنا
ذوالفقارِ علوی ہاتھ تھا بایاں دَہنا
رشتۂ تیغ میں وہ فوج کو باندھے رہنا
ہم بھی بتلاتے ہیں اب دہر کو خوں کا بہنا
خوں کا چھڑکاؤ نہ اب چشمِ فلک بھولے گی
روز دو وقت زمانے میں شفق پھولے گی

(۵۰)

آپ نے موجِ سر نہر پہ جھنڈے گاڑے
اب مری تیغ زرا دامنِ صحرا پھاڑے
فوج یوں لرزے کہ گرمی میں عیاں ہوں جاڑے
کجرووں کے لئے دو ہاتھ ہوں آڑے آڑے
نامِ جرأت نہ کوئی لے مری تلوار کے بعد
شاہِ لشکر کی لڑائی ہو علمدار کے بعد

(۵۱)

اپنا گھر جاتا ہے کیا، ان کے میں گھر چھوڑوں گا
تاجداری کے لئے کیا کوئی سر چھوڑوں گا
پوتا کرار کا ہوں، بحر نہ بر چھوڑوں گا
لختِ خوں اس کرۂ دہر کو کر چھوڑوں گا
میتیں ہوں گی گلی کوچوں میں بازاروں میں
رہے دربار تو سر جائیں گے درباروں میں

(۵۲)

ہاتھ رکھ کر سرِ پشتِ علی اکبرؑ شبیرؑ
بولے کچھ لاش اٹھانے کی بھی سوچی تدبیر
سچ ہے ماتم میں ہو عمو کے جہاں تک دلگیر
ہوگئی خانۂ ہاشم کی شکستہ شمشیر
کیا لڑے فوجوں سے گھر اپنا بچانا ہو جسے
تیغ کیا اس سے اٹھے لاش اُٹھانا ہو جسے

(۵۳)

بولے اکبرؑ کہ پلٹ چلئے یہاں سے بابا
ہے وصیت یہ چچا کی کہ نہ اُٹھے لاشا
حَبس ہے گنجِ شہیداں میں، ہے مسدود ہوا
رہنے ہی دیجے بہشتی کو کنارِ دریا
نہ دیا آب ستمگاروں نے تڑپانے کو
دہنِ زخم ہیں وا ٹھنڈی ہوا کھانے کو

(۵۴)

سن کے یہ مشک و علم شہؑ نے اٹھائے بہ الم
آئے دروازۂ خیمہ پہ شہنشاہِ امم
بولے شبیرؑ سمٹ آئی جو عترت باہم
بیوہ بھاوج سے کہو آ کے بڑھا ڈالے علم
ہجرِ شوہر میں علم آپ کا غمخوار رہے
پاس بچوں کے نشانی علمدار رہے

(۵۵)

ہو مبارک علم، آلودۂ خوں بھائی کا
ذکر تا حشر نہ بھولے گا صف آرائی کا
رکھو مشکیزہ حفاظت سے مرے جائی کا
فخر ، اولاد میں باقی رہے سقائی کا
غلغلے الفتِ سقّا کے زمانوں میں رہیں
حشر تک مشک و علم تعزیہ خانوں میں رہیں

(۵۶)

ہاں خموش اے حرمِ سیدِ عالی خاموش
دشمنوں کو نہ ہنسانے لگے رونے کا یہ جوش
ساتھ صابر کا ہے تم سب بھی رہو ہمت کوش
سن رہا ہوں ملکِ عرشِ شفاعت کا سروش
جب سوئے حشر ، گنہگار ، حزیں جائیں گے
اِنھیں عباس کے ہاتھوں سے جناں پائیں گے

(۵۷)

آج گھر میں مرے ہر نفس پہ واجب ہے جہاد
مرد و زن پیر و جواں صاحبِ تیغ و زہّاد
درِ خالق پہ ہیں ہم سب، نہ ہو کوئی ناشاد
کوئی زر دے، کوئی سر دے، کوئی اپنی اولاد
گرم بازار ، شفاعت کا بصد زینت ہے
گوشواروں کی سکینہؑ کے بڑی قیمت ہے

(۵۸)

ہاں جو لینا ہو وہ لے لو کہ ہے وا بابِ کریم
اشک پی جائیں جو بچے تو ملیں دُر یتیم
لبِ بے آہ کی جنبش سے ہے آگاہ علیم
سر ہے کیا چیز شفاعت سے ملیں جب دیہیم
روئیں کیوں صبر کی تعلیم کے پانے والے
ہنستے ہیں کوثر و تسنیم کے پانے والے

(۵۹)

بولیں کلثوم خدا کے لئے میں گھر دوں گی
کہا زینبؑ نے کہ میں فرق کی چادر دوں گی
یہ سکینہؑ نے کہا کانوں کے گوہر دوں گی
بولیں لیلیٰ کہ شباب علی اکبرؑ دوں گی
ماجرہ میں نہیں ، افشا جو کروں نالوں کو
دیر اتنی ہے کہ ماں سج دے گھنے بالوں کو

(۶۰)

آخری خلعتِ نو ہاتھوں سے اپنے دوں بدل
دیدۂ مست میں ہلکا سا لگا دوں کاجل
اشکوں سے صاف کروں اس لبِ شیریں کا غسل
پپڑیاں سوکھے ہوئے ہونٹوں کی دیکھے نہ اجل
نذرِ خالق کو کوئی چیز نہیں ، کیا دوں گی
بڑی سرکار ہے وہ، سج کے میں ہدیہ دوں گی

(۶۱)

شاہ باہر گئے لیلیٰؑ نے دیئے زلفوں میں بَل
غسل ممکن نہ تھا پانی کا بنے اشک ، بدل
زلفیں رخ سے جو ہٹیں ، چاند سے سر کا بادل
اٹھے اکبر کہ رواں زیست ہوئی سوئے اجل
صابرہ ماں نے نہ شکلِ غم و شیون دیکھی
آخری بار بڑے غور سے چتون دیکھی

(۶۲)

دیکھا ماتھے کی شکن ناخنِ ضرغام بنی
زلف ہِل جُل کے پئے طائر جاں دام بنی
وہ مناسب کجی ابرو کی جو صمصام بنی
شان، مادر کے لئے باعثِ آرام بنی
بولیں قبضہ نہ چھٹے ہاتھ سے گر جان رہے
بیٹا ہاشم کے گھرانے کا ذرا دھیان رہے

(۶۳)

میں نے عباس کا دروازے سے دیکھا تھا جہاد
نہر کیا چیز ہے! پانی ہوئی تیغِ فولاد
وہ خلف حیدرؑ صفدر کے تھے، تم ہو اولاد
ایک ساں چاہئے اولاد میں فخر اجداد
کم کسی سے نہ رہو، ہم تمہیں سمجھاتے ہیں
غُل ہو فوجوں میں کہ تربت سے علیؑ آتے ہیں

(۶۴)

کٹ چکی فوج نہ جانا سوئے دریا بیٹا
ٹوٹے بیڑے کا ہے کیا چیز ڈبونا بیٹا
جمگھٹا ہے ابھی پورا سرِ صحرا بیٹا
برچھیوں والوں میں دیکھوں گی کلیجا بیٹا
غل ہو پورا عملِ شوکتِ سادات کیا
اُمِّ لیلیٰ کے جگر بند نے دن رات کیا

(۶۵)

ماں نے یہ کہہ کے اِدھر ماتھے پہ اک پیار کیا
مسکراہٹ نے اُدھر ہونٹوں کی اقرار کیا
جاتے جاتے رُکے الفت نے جو اصرار کیا
بھائی نے رخ طرفِ عابدؑ بیمار کیا
بولے چھوٹوں کے لئے فخر جبیں سائی ہے
باپ کے بعد کوئی ہے تو بڑا بھائی ہے

(۶۶)

بھائی کے تلووں سے ملنے جو لگے آکے یہ سر
ایک خنکی ہوئی محسوس کھلے دیدۂ تر
پاؤں کو کھینچ کے فرمانے لگا شہؑ کا پسر
بھائی دل میں ہے جگہ آؤ اِدھر آؤ اِدھر
سانس بھی چاہئے، ہے غنچۂ دل کھلنے کو
ہم سے تو اٹھا نہ جائے گا گلے ملنے کو

(۶۷)

کہا اکبرؑ نے کہ میں آپ کی الفت کے نثار
شانِ خادم کو فزوں کرتا ہے آقا کا شعار
گرچہ جلدی تھی پئے حملۂ فوجِ غدار
بے ملے آپ سے ہوسکتا تھا گھوڑے پہ سوار؟
حملۂ حیدرؑ کرار دکھانا تھا مجھے
آپ سے مل کے لہو دل کا بڑھانا تھا مجھے

(۶۸)

کہا بیمار نے کیا مر گئے سب ، کوئی نہیں
ساتھ دے دشت میں جو وقت تعب ، کوئی نہیں
قاسمؑ و عونؑ وبنِ شاہِ عرب ، کوئی نہیں
کہا اکبرؑ نے کہ ہاں فوج میں اب کوئی نہیں
مختصر یہ ہے کہ شاہی ہے نہ اب لشکر ہے
باپ میداں میں ہے، جھولے میں علی اصغرؑ ہے

(۶۹)

کہا عابدؑ نے کہ پھر کیا ہے ارادہ بھائی؟
مستحق جنگ کے ہم سے ہو زیادہ بھائی
ہاں ہمیں کرنا ہے طے شام کا جادہ بھائی
آپ گھوڑے پہ چڑھیں، ہم ہوں پیادہ بھائی
آپ کے ہاتھ میں چلتی ہوئی شمشیریں ہوں
اور مرے پاؤں میں اینٹھی ہوئی زنجیریں ہوں

(۷۰)

ہم کو جانا ہے وطن تم کو یہیں گڑنا ہے
چھالے کا حلقۂ زنجیر پہ نگ جڑنا ہے
یاس شبیرؑ کی، عباسؑ کا گر پڑنا ہے
دل بڑھا دو کہ ابھی باپ کو بھی لڑنا ہے
اپنی پیری کا نہ میداں میں خیال آئے گا
مر گئے آپ تو پیاسے کو جلال آئے گا

(۷۱)

جھوم کر شوکت کرار دکھاتے جانا
رکھ کے دُلکی پہ فرس فوج دباتے جانا
ہیں دھنی تیغ کے سادات بتاتے جانا
میری جانب سے بھی دو ہاتھ لگاتے جانا
زخم ، زنجیر سا ، تن پر ستم ایجاد کے ہو
لوگ سمجھیں تو کہ پالے ہوئے سجادؑ کے ہو

(۷۲)

گھاٹ کی چوٹیں طبیعت سے لگیں گڑھ گڑھ کے
راستا ہٹنے کا خود دینا انھیں بڑھ بڑھ کے
اُلٹی چوٹیں لگیں آئیں یہ اگر چڑھ چڑھ کے
لڑنا اشرار سے تم سورۂ جن پڑھ پڑھ کے
یہ سمجھتا ہوں کہ عفریت و بنی جان نہیں
اِن کے سینوں میں نہیں دل تو یہ انسان نہیں

(۷۳)

بس سدھارو کہ نہ خود صبر کے ڈگ جائیں قدم
حق کی مرضی پہ مناسب نہیں ہیں دیدۂ نم
کہہ دو پردے اٹھیں خیموں کے، سرک جائیں حرم
کس طرح لڑتا ہے ہمشکل نبیؐ دیکھیں گے ہم
کچھ وصیت کرو ، کہہ دو دلِ مضطر کا خیال
سر جھکا کر کہا ، رکھنا مری مادر کا خیال

(۷۴)

چشمِ خیمہ سے جو وہ اشکِ تمنا نکلا
ایک کوزے سے ابلتا ہوا دریا نکلا
جہاں ڈوبا تھا اسی جا پہ ستارہ نکلا
جیبِ موسیٰ سے چراغِ یدِ بیضا نکلا
ہل گئے قلب جو دھوپ آنکھوں سے نزدیک ہوئی
دوپہر امتِ فرعون پہ تاریک ہوئی

(۷۵)

پئے تسلیم جھکا باپ کی وہ عرش جناب
ہنہنانے لگا بُو سونگھ کے راکب کی عقاب
تنگ کو تنگ کیا ، ٹھیک کی مرضی پہ رکاب
آئے یوں گھوڑے پہ جس طرح زلیخا پہ شباب
پڑھ چکا آیۂ تسخیر جو ضرغامِ علیؑ
تھپتھپاتے ہوئے گردن پہ لکھا نامِ علیؑ

(۷۶)

اتنے میں آگئے نزدیک امامؑ والا
کہا، ہاں جاؤ! تمہیں اپنے خدا کو سونپا
دمِ رفتار خیال اتنا پدر کا رکھنا
دیکھے جانا مجھے مُڑ مُڑ کے مرے ماہ لقا
باعثِ زیست غمِ تشنہ لبی ہو کہ نہ ہو
اب میسر ہمیں دیدارِ نبیؐ ہو کہ نہ ہو

(۷۷)

کرکے اقرار بہادر نے کیا سر اونچا
دور بیں آنکھ نے ، میدان کا رستا ناپا
پنجہ نے باگ کسی، اسپ ، ارادہ سمجھا
پاؤں پہلا اٹھا ، پیمانِ اماں ٹوٹ گیا
نعل کہتے تھے کہ قہر آیا ستمگاروں پر
اسپ چلنے لگا مانجی ہوئی تلواروں پر

(۷۸)

قصدِ ہجرت ہوا پیغمبرؐ داور کی طرح
چھوڑ کر فرش پہ سجادؑ کو حیدرؑ کی طرح
چلا ہم شکلِ نبیؐ گھر سے پیمبرؐ کی طرح
گرد نے آڑ کی جبریل کے شہپر کی طرح
غار کا قصد نہ تھا، کاندھے پہ بھی ہاتھ نہ تھا
راہ ٹیڑھی تھی شہادت کی ، کوئی ساتھ نہ تھا

(۷۹)

یہ تنے بیٹھے تھے، اڑتا ہوا راہی تھا عقاب
چہرہ تھا گرد میں یا اوس کی بارش میں گلاب
مہر انگارہ تھا، کیا ماہ کا دے سکتا جواب!
باپ کو دیکھتا تھا مُڑ کے جو وہ عرش جناب
ساتھ خورشید کے مانندِ سحر جاتی تھی
منہ جدھر پھیرتے تھے دھوپ ادھر جاتی تھی

(۸۰)

غاروں کو پھاند گیا، راہِ جبل کو جھیلا
سینے کا زور کہ سیلاب کا پہلا ریلا
تند رَو وہ کہ نہ آندھی سے بھی دم بھر کھیلا
سبک اتنا کہ رکھے سُم تو نہ چٹکے بیلا
خانۂ گل میں یہ در آئے ، کرن جا نہ سکے
اطلسِ دامنِ غنچہ پہ شکن آ نہ سکے

(۸۱)

اشہبی رنگ پہ کھپتا ہوا چاندی کا وہ ساز
سر پہ ہلتی ہوئی کلغی کا انوکھا انداز
شان میں صورتِ محمود تھا، خدمت میں اَیاز
پیچھے رہ جاتی تھی خود اس کے سموں کی آواز
ذرہ اٹھتا نہ تھا نعلِ سُمِ کج سے پہلے
برق جس طرح کڑکتی ہے گرج سے پہلے

(۸۲)

تھی کنوتی کہ سرِ گل تھیں گلابی کلیاں
رنگِ رخ لال تھا، ماتھے پہ سپیدی تھی عیاں
دو طرف رات تھی اور بیچ میں ماہِ تاباں
تھا خطِ چشم کہ مشرق پہ تھا مطلع کا نشاں
چھوٹے جاموں میں پیئے اور نہ کوروں میں پیئے
تھوتھنی وہ تھی کہ زمزم کے کٹوروں میں پیئے

(۸۳)

دیکھے بھالے ہوئے ویرانہ دبستانِ عرب
خاتمِ نعل سے سکہ زنِ میدانِ عرب
جان کے نرخ پہ سستا کہیں شاہانِ عرب
مصطفیؐ نے جسے چھانٹا تھا وہ تھا جانِ عرب
رہا دلدل ، سفرِ خانۂ باری کے لئے
اس کو پالا علی اکبرؑ کی سواری کے لئے

(۸۴)

حمزہؑ و جعفرؑطیار کا سکھلایا ہوا
جنتِ خانۂ زہراؑ کی ہوا کھایا ہوا
معرکہ حیدرؑ کرار کا دکھلایا ہوا
اِس گھڑی کے لئے یثرب سے یہاں آیا ہوا
تا سپہ پشت پہ لختِ دلِ لیلا لایا
معتمد اتنا کہ اکبرؑ کو اکیلا لایا

(۸۵)

بے جگر وہ صفِ دشمن میں پھرے گھر کی طرح
اپنے مالک کا وفادار تھا قنبر کی طرح
بچوں کو پشت پہ بٹھلائے پیمبرؐ کی طرح
نئی کونپل تھا شبابِ علی اکبر کی طرح
صورتِ عمرِ خضرؑ تھی نگرانی اس کی
روک رکھّی تھی نبوّت نے جوانی اس کی

(۸۶)

اِس طرف گرد کے پردے میں تھا وہ ماہِ منیر
دم بخود فوج کھڑی تھی وہاں مثلِ تصویر
دوربینوں سے تھے سرگرمِ نظارہ بے پیر
دیدباں چپ تھے تو بیتاب تھا لشکر کا امیر
طبل خاموش کہ احوال سنیں، راز سنیں
ہنہناتے تھے نہ گھوڑے بھی ، کہ آواز سنیں

(۸۷)

دوربیں کے خطِ آخر پہ تھا اک شعلۂ نور
کبھی تارا، کبھی خورشید، کبھی جلوۂ طور
آنکھیں کمزور مگر فرض نظارے کا ضرور
تھی چکاچوند قریں کچھ نظر آتا تھا نہ دور
چشمِ اول میں کئی عکس جو ہر بار آئے
دیدبانوں نے کہا احمدؐ مختار آئے

(۸۸)

ہو بہو چہرہ وہی، چال وہی، ڈھال وہی
قَابَ قَوْسَیْنْ کہا جس کو خط و خال وہی
نمکیں حسن وہی، عطر فشاں بال وہی
تیغیں چھٹ چھٹ کے یہ چلائیں کہ اقبال وہی
قتل سادات پہ رانڈوں نے صدا دی ہوگی
قبر کیا دور تھی فریاد یہ سن لی ہوگی

(۸۹)

پہلے ہی کرتا تھا سادات کے صدموں کا خیال
آج کمبل کی جگہ پشت مبارک پہ ہے ڈھال
نظر آتے ہیں جواں غیظ سے رخسار ہیں لال
بچ سکے کون جو رحمت ہو طلبگارِ جدال
مرگ کے جوگ میں کیا طالعِ دہر آیا ہے
قلعۂ حلم کو ڈھاتا ہوا قہر آیا ہے

(۹۰)

ناگہاں چاک ہوا صورتِ دل پردۂ خاک
آ گیا آنکھ کے آغوش میں کارِ ادراک
دفعتاً جلوے سے خیرہ ہوئی چشمِ نمناک
پڑھا گیتی نے درود اور فلک نے لولاک
آسماں بولے قیامت کا زمانہ آیا
سمجھا خورشید کہ رجعت کا زمانہ آیا

(۹۱)

خمِ گیسو تھا کہ اجمالِ تفاصیل دُجیٰ
تھیں جبیں کی شکنیں مسطرِ تفسیر ضحیٰ
سر کا عمامہ ، فلک ، زیر فلک ، صبح و مسا
خمِ ابرو ہے صراط آنکھیں درِ خلد کی جا
مردمِ چشم پہ ابرو خطِ باریکِ صراط
مرتضیٰ جیسے بچانے کو ہوں نزدیکِ صراط

(۹۲)

چشمِ اکبرؑ پہ غزل کہہ دوں میں دیوانہ نہیں
کعبہ سے ربطِ چراغ درِ بت خانہ نہیں
لغزشِ مست نہیں، نشۂ رندانہ نہیں
جام ، امرت کا نہیں، زہر کا پیمانہ نہیں
باعثِ خلق ہے نرگس ہے نہ یہ جادو ہے
نونِ کُن آنکھ ہے اور مرکز کاف ابرو ہے

(۹۳)

کوثرِ چشم پہ افتادہ شرابی چہرہ
خطِ سبزہ پہ دمکتا ہے شہابی چہرہ
دوشِ احمدؐ پہ ہے قرآں کہ کتابی چہرہ
لالہ پڑ جائے سپید اتنا گلابی چہرہ
نظر بد جو پڑے جان کے لالے پڑ جائیں
آنکھیں آ جائیں جو نرگس کی نگاہیں لڑ جائیں

(۹۴)

جھومتا جھامتا لٹکے ہوئے گیسو کا شباب
باڑھ پر تیغ کہ ہلتے ہوئے ابرو کا شباب
سامری جان دے وہ دیدۂ جادو کا شباب
خیبرِ نو کا طلبگار ہے بازو کا شباب
خطِ بینی کا ہے مقصود کہ پائندہ رہے
چہرہ سے معجزۂ شق قمر زندہ رہے

(۹۵)

چوڑے سینے کا شباب اور بھری گردن کا شباب
چھریاں چل جائیں وہ ابھری ہوئی چتون کا شباب
چاندی میلی ہو ہے وہ دیدۂ روشن کا شباب
جیسے دو کلیوں میں کھنچ آیا ہے گلشن کا شباب
موتی چور آنکھوں میں موتی سا وہ پانی توبہ
ہم تو ہم آپ بھی کہتی ہے جوانی توبہ

(۹۶)

ایک ایک انگلی میں ہے پنجۂ حیدرؑ کا شباب
خیمہ سے لائے ہیں ہمراہ بہتّر کا شباب
بھولا بھالا نہیں میدان میں اکبر کا شباب
تجربہ کرکے پھرایا ہے پیمبرؐ کا شباب
شقِ مہ جس نے کیا اس کی سواری آئی
مہر لرزاں ہے کہ اب کی مری باری آئی

(۹۷)

قدِ رعنا پہ عیاں سروِ گلستاں کا شباب
تیر پیرآئے کلیجوں میں وہ مژگاں کا شباب
افقِ صبح دمیدہ لبِ خنداں کا شباب
پھانسیاں ڈال دے گردن میں گریباں کا شباب
طبعِ پاکیزہ و شفاف جو آب دریا
آستیں کی شکنیں ہیں کہ شبابِ دریا

(۹۸)

بچپنا پتلی میں، زلفوں میں سیاہی کا شباب
چشم و پیشانی روشن مہہ و ماہی کا شباب
پشتِ لشکر پہ نہاں اس کی تباہی کا شباب
اپنی طاقت پر اکڑتا ہے سپاہی کا شباب
رخ کی رنگت سے ہوئی باڑھ بھی پانی ایسی
باڑھ تلوار کی مڑ جائے جوانی ایسی

(۹۹)

ہاشمی و قرشی زور شجاعت کا شباب
رخ پہ چھایا ہوا اندازِ نبوت کا شباب
جائے خوں تن میں سمایا تھا امامت کا شباب
دین و دنیا کا جو مرکز وہ قیامت کا شباب
حسنؑ و حیدرؑ و احمدؐ شہؑ والا کا شباب
پانچ زینوں سے تھا اونچا قد بالا کا شباب

(۱۰۰)

چشمِ بد دور، کہے دیکھنے والا، وہ شباب
خانۂ سید بیکس کا اُجالا وہ شباب
گھر سے زینبؑ نے اکیلا نہ نکالا وہ شباب
جس کو سیدانیوں نے گود میں پالا وہ شباب
ہے جو اجڑے ہوئے خیمے کا ستارا وہ شباب
اب اکیلا ہے جو لیلیٰ کا سہارا وہ شباب

(۱۰۱)

آئے جب دشت میں مانندِ غضنفر آگے
باپ کے سینہ سپر صورتِ حیدرؑ آگے
جاں نثارِ رہِ تکبیر کا تھا سر آگے
نام اللہ کا پیچھے رہا اکبرؑ آگے
پشتبانی یوں ہی دنیا میں بہ کد کرتے ہیں
پیچھے رہتے ہیں کسی کی جو مدد کرتے ہیں

(۱۰۲)

وہاں چرچے رہے، شبدیز ادھر روک لیا
علی اکبرؑ نے باندازِ دگر روک لیا
گانٹھ کر باگ کو بے خوف و خطر روک لیا
دم میں اڑتا ہوا وہ برق سیر روک لیا
ڈر تھا کیا بڑھتے اگر ظلم کے بانی آگے
پشت پر ماں کی دعائیں تھیں، جوانی آگے

(۱۰۳)

نا گہاں کوفہ کی جانب سے اٹھا ایک غبار
زلزلہ خیز و سیہ ریز بسانِ شبِ تار
سینہ تاریک و بلا پیچ ، مثالِ کہسار
جو ادھر دیکھتے تھے مڑ گئے اس سمت سوار
تیرہ و خیرہ وہ میدان ہوا جاتا ہے
شک تھا فوجوں کو کہ خود ابن زیاد آتا ہے

(۱۰۴)

سچ ہے گو صبح سے ہے گرم یہ میدانِ جہاد
مگر اب اور ہی کچھ ہوگئی ہے شانِ جہاد
نہر پر قتل ہوا شیرِ نیستانِ جہاد
خاتمِ زیں پہ ہے وہ لعلِ بدخشان جہاد
فوج کا سامنا اُس وارث شمشیر سے ہے
درجہ دوسرا جس شیر کا شبیرؑ سے ہے

(۱۰۵)

خانۂ حسنِ ثقیف، احمدی ایوانِ جلال
ایک میں، شیر کی ننہیال ہے، اک ہے ددھیال
فارسانِ ثقفی اب بھی ہیں اس فوج کی ڈھال
دیکھ کر جانب اکبرؑ کہیں بدلے نہ خیال
فوج پر تیغ ، جری تول گیا ہے رن میں
راستا جانے کا حر کھول گیا ہے رن میں

(۱۰۶)

کچھ مکدر نظر آتے ہیں امیرانِ ثقیف
منہ گریبانوں میں ڈالے ہیں جوانانِ ثقیف
ڈاڑھیاں ہاتھوں سے تھامے ہیں بزرگانِ ثقیف
سب کو ہے فکر کہ ہو جائے نہ کم شانِ ثقیف
شوقِ شاہی بھی ہے ذوقِ رسن و دار بھی ہے
یہ وہی نسل ہے جس نسل میں مختارؒ بھی ہے

(۱۰۷)

وہی مختار جو یہ کہتا ہے تقریروں میں
مر نہیں سکتا میں گو بیٹھا ہوں شمشیروں میں
نام حیدرؑ کا لئے جاؤں گا تعذیروں میں
کتنا آزاد ہے جکڑا ہوا زنجیروں میں
بنِ مرجانہ کے زنداں میں نہ میں جاں دوں گا
حکمِ مولا ہے شہیدوں کا میں بدلہ لوں گا

(۱۰۸)

وہی خوددار جسے بیعت غاصب سے ہے عار
اتنا مضبوط حکومت سے ہے قصدِ پیکار
کہتا ہے صاف کہ ماروں گا میں ہفتاد ہزار
مالکِ علم لدُنیّ سے سنے ہیں اسرار
صادق القول کی خالق سے شکایت کر دوں
قتل ہوں وقت سے پہلے تو قیامت کر دوں

(۱۰۹)

دلدہی کو انھیں لوگوں کی خود آتا ہے امیر
ڈر ہے یہ ٹھیک کہ آپس میں نہ ہو دار و گیر
پر نہ لشکر سے بنے، بگڑے اگر یوں تقدیر
گھر میں تو پھوٹ ہو اور سر پہ علیؑ کی شمشیر
حاکمِ شام نہیں لشکرِ بے پیر کے ساتھ
ہوگا اللہ ہی محبوب کی تصویر کے ساتھ

(۱۱۰)

انھیں باتوں میں ہٹی گرد جو حسبِ معمول
فوج کے ساتھ دکھائی دیا اک نامعقول
اسپِ فربہ تھا جہاز اور قد اس کا مستول
دوش پر ڈھیلی زرہ، فیل پہ جس طرح سے جھول
ناز بیجا سرِ ابرو تھا شکن دیتا ہوا
گھوڑا ڈالے ہوئے اور نیزے کو کن دیتا ہوا

(۱۱۱)

ٹھاٹھ وہ آب ہو عفریت کا جس سے زُہرا
ڈھال کا پشت پہ چہرے پہ جھلم کا پہرا
دم دکھانے کے لئے گاڑ کے نیزا گہرا
درمیانِ صفِ فوج و علی اکبرؑ ٹھہرا
فوج والوں میں کہ شبیرؑ کے ہو پیاروں میں
پوچھا غازی سے کہ ہو کس کے طرفداروں میں

(۱۱۲)

ایک تلوار بہتر کے لئے لائے ہیں ہم
سرِ شبیرؑ کے لانے کی قسم کھائیں ہیں ہم
گرچہ خود شام سے احکامِ وغا پائے ہیں ہم
ہاتھ جوڑے بنِ مرجانہ نے تو آئے ہیں ہم
ملکِ رَے ہے ثمرِ فتح یہ معلوم نہیں
بندہ پرور میں بنِ سعد کا محکوم نہیں

(۱۱۳)

چاپلوسی ہے نہ رامش گرِ دولت ہم ہیں
نہ جبیں سائے شبستانِ خلافت ہم ہیں
سالکِ مسلکِ اربابِ شجاعت ہم ہیں
بَل پہ تلوار کے خواہانِ حکومت ہم ہیں
جس میں دم خم نہ ہو، کیوں مانیں سپاہی اس کی
جس کے قبضہ میں ہو تلوار، ہے شاہی اس کی

(۱۱۴)

نہ طرفدارِ ستمگر، نہ ہی خواہِ شہید
باپ کی فکر بھی رکھتے نہیں فرزند شہید
دل میں ہے ملک ستانی کی تمنائے شدید
سدِّ رہ ہو تو ابھی کاٹ لیں ہم فرقِ یزید
صاحبِ تیغ سپاہی ہوں ، نمک خوار نہیں
آبرو بیچ کے عہدے کا طلبگار نہیں

(۱۱۵)

ماننے والا میں قانونِ الٰہی کا نہیں
صحِ شمشیر کا قائل ہوں، سیاہی کا نہیں
مرغِ زریں ، قفس عہدۂ شاہی کا نہیں
دون کی لینا دھرم سچے سپاہی کا نہیں
ارث تھوڑی ہے کسی کی یہ حکومت لے لوں
زَد پہ دو ہاتھ لگا دوں تو خلافت لے لوں

(۱۱۶)

مسکرا کر کہا اکبرؓ نے کہ ماشاء اللہ
ایسے ہی ہوتے ہیں پیرو جو ہوں ہادی گمراہ
سستا سودا نگۂ حرص میں کتنا ہے گناہ
نہ طرفداریٔ عزت نہ ہوا خواہیٔ شاہ
کہہ و مہہ کو طلبِ سلطنت شام ہوئی
اہلِ حق یوں ہوئے محروم، ہوس عام ہوئی

(۱۱۷)

آپ کی شان بتاتی ہے کہ طرار ہیں آپ
خود غرض، عُربدہ جو، خائن و مکار ہیں آپ
طالبِ حق ہیں نہ جنت کے طلبگار ہیں آپ
شام والوں میں ہیں، غدار کے غدار ہیں، آپ
اپنوں پر تیغ اٹھا دادِ شجاعت لے لے
یہی موقع ہے بنِ سعد سے بیعت لے لے

(۱۱۸)

اپنا کیا پوچھنا مشہور ہیں جراروں میں
دیرِ اعراب کو کعبہ کیا دو واروں میں
کوہِ فاراں پہ جو چمکے ، ہیں اُنھیں تاروں میں
جب سے پیدا ہوئے، ہیں حق کے طرفداروں میں
کب قلم رک کے سرِ سطرِ ورق چلتا ہے
اپنے قدموں کے نشاں دیکھ کے حق چلتا ہے

(۱۱۹)

گو نہیں دولتِ روما و مَدَائن گھر میں
کیمیا جس کو کہیں ، ہیں وہ دفائن گھر میں
سارے لاہوت کے پیدا ہیں قرائن گھر میں
اب بھی ہیں لُولُوء و مرجاں کے خزائن گھر میں
لاکھ کٹ جائے مگر رنگِ چمن باقی ہے
تا ابد نسلِ حسینؑ اور حسنؑ باقی ہے

(۱۲۰)

تا ذبیحِ بنِ خلیل اوجِ نسب ہم سے ہے
ہم عرب سے ہیں بلند، آلِ عرب ہم سے ہے
حج اکبر ہو کہ اصغر ہو، یہ سب ہم سے ہے
ہم نے توڑا ہے ہُبل، وحدتِ رب ہم سے ہے
سبک اتنے کہ سرِ دوش پیمبرؐ ٹھہرے
وزنی اتنے ہیں کہ قرآں کے برابر ٹھہرے

(۱۲۱)

جو اَرَسطو نہ ہو کیا جاہِ سکندر جانے
جوہری وہ نہیں گوہر کو جو پتھر جانے
دور کتنا ہے کنارا یہ شناور جانے
ہم کو پہچان لے ، تو شانِ پیمبرؐ جانے
شہر حکمت کے ہیں در، یہ ہے جگہ حیدرؑ کی
جس نے دیکھا نہ ہو دَر، اس کو خبر کیا گھر کی

(۱۲۲)

کہاں نازل ہوا قرآں کسے تاویل آئی
شرعِ دیں کس کے یہاں ناسخِ انجیل آئی
کعبہ ڈھانے کو یمن سے جو صفِ فیل آئی
کس کی امداد کو افواجِ ابابیل آئی
آج تک اَبْرَہہ پر بابِ حرم ہنستا ہے
اپنی اقلیم میں اللہ کا گھر بستا ہے

(۱۲۳)

متصرف کیا کعبہ پہ امارت نے ہمیں
مالک کل کیا حیدرؑ کی ولادت نے ہمیں
اپنی آیات بنایا یدِ قدرت نے ہمیں
صفحۂ دہر پہ لکھا خطِ صورت نے ہمیں
صوری و معنوی انداز میں پورے ہم ہیں
چلتے پھرتے ہوئے قرآن کے سورے ہم ہیں

(۱۲۴)

پوچھو اژدر سے جو گہوارے میں تھی طاقتِ دست
ہم نہتّوں سے ہوئی فیل نشینوں کو شکست
تم تو کیا چیز ہو سلطانِ حبش ہوگیا پست
اپنے سر لے کے نہ واپس گئے اکلیل پرست
رات اندھیری تھی، چمکتے ہوئے گوہر ہم تھے
لشکرِ فیل کی ظلمت میں سکندر ہم تھے

(۱۲۵)

ہفت اقلیمِ جہان، ہفت بحورِ عالم
کاخِ نُہہ ، طاق فلک، کرسی و عرشِ اعظم
شش جہت ، چار عناصر ہوں کہ ہوں ہشت ارم
یہ ہے وہ ملک کہ جس ملک کے سلطان ہیں ہم
ہم سا سلطان زمانے میں کہیں آج نہیں
لطف یہ، تخت کے اور تاج کے محتاج نہیں

(۱۲۶)

لوحِ محفوظ سے فرمانِ شہی لائے ہیں
مسندِ خاصِ نبوت پہ جگہ پائے ہیں
کون اٹھائے ہمیں ، احمدؐ کے ہمیں جائے ہیں
ہم بشر کے نہیں ، اللہ کے بٹھلائے ہیں
پاش پاش اہلِ عداوت کی حکومت کردیں
ہاتھ پکڑے نہ ہو قدرت تو قیامت کردیں

(۱۲۷)

اس نے گھبرا کے کہا یہ کہو سلطان ہو تم
حکم، جنات پہ جاری ہے، سلیمانؑ ہو تم
حامئ آدمؑ و سرکوب بنی جان ہو تم
کہا اکبرؑ نے جو منکر ہو تو شیطان ہو تم
کٹ گیا ، تیغِ زباں کے جو یہ جوہر دیکھے
اس نے قبضہ پہ نظر ڈال کے تیور دیکھے

(۱۲۸)

نظروں میں تولتا دکھلائی دیا جب وہ شریر
ذوالفقارِ علوی بن گئی ماتھے کی لکیر
کاٹھی سے کھینچ لی اکبرؑ نے بھی اپنی شمشیر
شپ سے تلوار کھنچی آئی صدا یا شبیرؑ
چشمِ حیراں میں جو شمشیر نظر آنے لگی
آئینہ خانہ میں تصویر نظر آنے لگی

(۱۲۹)

قبضہ سیارہ تھا اور تیغ کا پھل برق نظیر
قدِ رعنا وہ روپہلا، وہ سنہری تحریر
اس طرح ضو گئی جوہر کی سوئے فوجِ کثیر
دھوپ میں شیشۂ آتش کی پڑے جیسے لکیر
جن پہ چار آئینہ تھے رن میں وہ سینے تڑ تے
عمرِ سعد کی کلغی کے نگینے تڑ قے

(۱۳۰)

دست بر قبضہ ہے یوں سبطِ نبیؑ مرسلؐ
سرِ ظلمات ، خضرؑ جیسے لئے ہوں مشعل
میان کی چشم غلافی کا جو چھوٹا کاجل
چشمِ مخمور کا ڈورا بنا شمشیر کا پھل
آنکھ شمشیر پہ کیا ڈالے سپاہی توبہ
دھار پر باڑھ جوانی کی ، الٰہی توبہ

(۱۳۱)

یوں سرِ زینِ فرس بیٹھا تھا وہ ماہِ منیر
جیسے منبر پہ پیمبرؐ کی رکھی ہو تصویر
جلوہ گر ہاتھ میں اس طرح سے اونچی شمشیر
جس طرح دستِ پیمبرؐ میں علیؑ یومِ غدیر
سطرِ جوہر ہے کہ با خطِ جلی لکھا ہے
اس کا اللہ عدو ہو جو عدو ان کا ہے

(۱۳۲)

تیرہ دل ، خیرہ نظر ، پاس تھے افواج کے دَل
آگے تھی تیغ کے دھار اور پسِ پشت اجل
قبضہ مصباح تھا اور شعلہ تھا شمشیر کا پھل
دستِ فراشِ رہِ حق میں درخشاں تھا کنول
تھی پئے فوجِ گراں تیرگیٔ دل اپنی
بن غانم کو نظر آتی تھی منزل اپنی

(۱۳۳)

اس نے جی کرکے تگاوُر کو بڑھایا گھوڑا
اس طرف اشہبِ مشکیں نے نظر کو موڑا
اس نے مہمیز کی ، گھوڑے کو دکھایا کوڑا
اس نے یوں نعل کی ٹھوکر دی کہ گھٹنا توڑا
پہلے ہی کھایا وہ ہچکولہ کہ اوسان گئے
جو نظرباز تھے انجامِ وغا جان گئے

(۱۳۴)

اتنے میں آپ نے ہتوانس کی حمزہؓ کی سپر
ایک نعرہ کیا یا قالعِ بابِ خیبر
سینے پر ماری سپر شانے کی زَد دکھلا کر
ہٹ گیا ، پٹھے پہ گھبرا کے وہ کھائی ٹکر
مہم آسان نہیں ، دل میں لعیں جان گیا
کمسنی ہی میں یہ سب جانتے ہیں جان گیا

(۱۳۵)

اسلحہ خانۂ احمدؐ کی جو چمکی شمشیر
باپ کے پاؤں پہ جھکتی ہوئی پہنچی تنویر
درِ خیمہ پہ کمر تھام کے اٹھے شبیرؑ
دیکھا اک پل کے مقابل میں ہے وہ ماہِ منیر
گھوڑا گانٹھے ہوئے نزدیکِ عدو جاتے ہیں
نیزہ وہ تانے ہے، یہ تیغ کو چمکاتے ہیں

(۱۳۶)

رنگِ رخ زرد ہوا دیکھ کے میداں کا سماں
پیاس بھڑکی ہوئی اور اسلحہ لوہے کا گراں
تجربہ کار وہ مکار یہ نوخیز جواں
کہیں اکبرؑ کے کلیجے میں نہ در آئے سناں
اسی دن کے لئے شاید کہ انھیں پالا ہو
جس کا وعدہ ہے یہی سا نہ کہیں بھالا ہو

(۱۳۷)

سر اٹھاکر کہا واقف ہے تو ربّ اعلیٰ
ڈوبے ہاں خون میں اکبرؑ کا یہ قد بالا
ہاں دلِ شیر کے سینے سے نکالے بھالا
اپنے وعدہ سے یہ بندہ نہیں ٹلنے والا
غیر لے خاص تری نذر یہ دستور نہیں
پہلواں مجھ پہ کرے فخر یہ منظور نہیں

(۱۳۸)

اس طرف باتیں یہ کرتے تھے امامِ دو سرا
ایستادہ درِ خیمہ پہ ادھر تھیں لیلا
زرد رخ ، مضطر و بیتاب جوشہ کو دیکھا
پوچھا زندہ تو ہے میداں میں مرا ماہ لقا
بولے شہ جینے کی ہم ان کے دعا کرتے ہیں
اک یلِ معرکہ دیدہ سے وغا کرتے ہیں

(۱۳۹)

پیاسے ہیں آپ کے، ناشاد ہیں، اس سے ہوں ملول
کہاں یہ خار، کہاں گلشن بے خار کا پھول
جاؤ خیمہ میں کہ فرما گئے ہیں مجھ سے رسولؐ
حق میں فرزند کے مادر کی دعا ہے مقبول
کرو خالق سے دعا خیمہ کے اندر لیلا
میرے غازی و نمازی کی ہو مادر لیلا

(۱۴۰)

سن کے یہ حکم محل میں گئی وہ نیک خصال
اور زینبؑ سے کیا گود کو پھیلا کے سوال
بی بی ﷲ دعا کیجئے با حُزن و ملال
لوٹ لے نیزہ نہ ، اکبرؑ کا یہ اٹھارواں سال
شادمانی کو نہ اندوہستانی آئی
چھیننے کو مری گودی سے جوانی آئی

(۱۴۱)

کہہ کے یہ ہاتھ اٹھائے طرفِ ربِّ مبین
کہا رو کر کہ غریبوں کا نہیں کوئی معین
علی اکبرؑ کو بچا، چین مرے دل کا نہ چھین
کہا تُتلا کے سکینہؑ نے کہ آمین آمین
بھائیوں پر مرے کیوں چرخ، ستم توڑتا ہے
ایک بیمار ہے، اک جھولے میں دم توڑتا ہے

(۱۴۲)

کہا لیلیٰ نے کہ سائل ہیں صدا کرتے ہیں
التجا لائے ہیں، کب تیرا گلا کرتے ہیں
تجھ سے پاتے ہیں تو امیدِ عطا کرتے ہیں
آئی زہراؑ کی صدا ہم بھی دعا کرتے ہیں
راج تیرا رکھے، پردہ رہے، اور جاہ بچائے
دل جلی کوکھ کو تیری مرے اللہ بچائے

(۱۴۳)

نا گہاں خیمہ میں اس جا گئی آہ و شیون
جس جگہ رانڈ بنی بیٹھی تھی اک شب کی دلہن
اشکوں سے منہ پہ جمے بال کہ تھا چاند گہن
سر تو خم، ہچکیاں آنے سے لرزتا ہوا تن
چادرا اوڑھے سپید، اٹھی کمر تھامے ہوئے
ساتھ فضہ چلی ہاتھوں سے جگر تھامے ہوئے

(۱۴۴)

ماں کے پہلو میں کھڑے ہو کے بہ تہذیب وادب
رخ سے گھونگھٹ کو الٹ کر بصد آلام و تعب
بولیں اکبرؑ کے سوا فوج میں کوئی نہیں اب
رانڈ کا بھائی ہے یہ اس کو بچا لے یا رب
لاشِ نوشاہ پہ اُلٹا گیا سہرا اپنا
میں کہاں بیٹھ کے کاٹوں گی رنڈاپا اپنا

(۱۴۵)

یاں دعاؤں پہ دعائیں تھیں، بُرا تھا احوال
وہاں دشمن کو دبائے ہوئے تھا شاہ کا لال
خود پر تیغ تھی یوں کوہ پہ جس طرح ہلال
دن کو اندھا تھا لعیں بکھرے تھے لیلیٰ کے جو بال
نیزہ خالی گیا، جی اِس سے لعیں ہارتا تھا
فرس اِن کا یہ چڑھا سینے پہ سر مارتا تھا

(۱۴۶)

علی اکبرؑ نے پسِ پشت جھکا کر تلوار
دانتوں میں داب کے اپنے لبِ نازک اک بار
کرکے مضبوط رکابوں پہ بھروسے کا قرار
کھینچ کر نعرۂ تکبیر کیا زور کا وار
آہنی ڈھال کو دو کرکے سروہی نکلی
گڑگڑاہٹ ہوئی بادل سے جو بجلی نکلی

(۱۴۷)

ساغرِ خود و سبوئے سر و مینائے گلو
کشتئ سینہ و میخانۂ بطنِ بد خو
ہوئے دو ٹکڑے تو بادے کی طرح اُبلا لہو
خونِ دشمن سے کیا تیغ نے کہنی سے وضو
خود ہی تکبیر کہی لوہے سے لڑ کر اُس نے
سجدۂ شکر کیا زینِ فرس پر اُس نے

(۱۴۸)

وہ پڑا ہاتھ کہ خود خونِ رواں نے کہا واہ
فوج کے گرز و سناں، تیر و کماں نے کہا واہ
کرسی و عرش و ملائک نے جہاں نے کہا واہ
سجدے سے سر کو اٹھاتے ہوئے ماں نے کہا واہ
سرِ مغرور پہ جو بیتنا تھا بیت گیا
بی بیو! شکر کرو میرا جری جیت گیا

(۱۴۹)

ہوا دو ٹکڑے لعیں مرحبِ خود سر کی طرح
صاف رستا ہوا سینہ جو کھلا در کی طرح
توڑ کر قلعۂ تن قلعۂ خیبر کی طرح
فوجِ دشمن پہ جری پل پڑا حیدرؑ کی طرح
کہتی تھی بپھری جوانی بڑھو حیدرؑ کی طرح
پورے لشکر کو اٹھا لو درِ خیبر کی طرح

(۱۵۰)

گھوڑا چلتا تھا جو سَن سَن تو سروہی شَپ شَپ
برق انداز تھی کلغی کے نگینوں کی تڑپ
دشمنِ جاں کبھی گھوڑا کبھی تلوار کی جھَپ
کبھی سینہ کی ٹُھمک اور کبھی بازو کی چھڑپ
خوں اُگلتا تھا جوانوں کا پرا میداں میں
جس کو ٹھوکر دی وہ سیدھا نہ ہوا میداں میں

(۱۵۱)

شاہِ دلدل کا نبیرہ تھا سرِ پشت اسوار
تیغ، ناخن سے ، فرس نعل سے کرتا تھا شکار
تھوتھنی جس پہ پڑی شق ہوا اس کا رخسار
کھڑا ہو جاتا تھا دو پاؤں پہ رن میں ہر بار
خود ٹھوکر سے پسے جاتے تھے سرداروں کے
نعل کاندھوں پہ چمکتے تھے ستمگاروں کے

(۱۵۲)

تھی زمیں دشت کی افواجِ ستمگر سے بھری
مایۂ ناز اِدھر فوج ، اُدھر بے جگری
ابتدا جنگ کی تھی لڑتا تھا بڑھ بڑھ کے جری
دہنے سے تیغ لگاتے تھے تو بائیں سے پھری
قصد اس جا تھا، نہ دھوپ آسکے جس جا رن میں
دھنستے جاتے تھے شجر کاٹتے کجلی بن میں

(۱۵۳)

قتل اکبرؑ کو کہن سال و شباب ایک ہوئے
کاندھے سے کاندھے جُڑے، خانہ خراب ایک ہوئے
ساز ، گرمی سے کیا، اہلِ عذاب ایک ہوئے
اِس طرف اشہب و شمشیر و شباب ایک ہوئے
روکتا کون انھیں سدِّ سکندر کی طرح
سینۂ فوج میں دھنستے گئے نشتر کی طرح

(۱۵۴)

جان تو تیغ نے لی اور اجل چور بنی
ناب ، شمشیر کی مہندی بھری اک پور بنی
پہلی صف ٹوٹ گئی دوسری کمزور بنی
صفِ اول کی درار اس کے لئے گور بنی
صفِ اول جو گری پشت کے اسوار ہٹے
کم ہوئی تیر کی زَد دور کماندار ہٹے

(۱۵۵)

صفِ ثانی کے وسط میں جو کھڑا تھا سردار
منتظر حملے کا تلوار سنبھالے ہشیار
اس کے دَہنے پہ فرس ڈال کے آیا جرار
بائیں پر گھوم کے چلتی ہوئی ماری تلوار
ہاتھ میں تیغ رہی خاک میں مغرور ملا
بند ہوکر جو کھلی آنکھ تو سر دور ملا

(۱۵۶)

کر دیا تیغ نے پاتے ہی اشارہ حملہ
ایک کے بعد دوبارہ تھا سہ بارہ حملہ
ہر طرف حملہ تھا اڑتا ہوا پارا حملہ
کہتے جاتے تھے کہ کیوں دیکھا ہمارا حملہ
دیکھوں کیوں کر طبقے فوج کے اب رہتے ہیں
میری تلوار کو جبرئیل کا پر کہتے ہیں

(۱۵۷)

دستِ شمشیرِ گلو گیر صفِ ثانی تھا
صف سوم میں عیاں رنگ پریشانی تھا
خواب سرداروں کو سب کبرِ ہمہ دانی تھا
جن کے ثابت تھے گلے ان کا لہو پانی تھا
دہشتِ تیغ سے آگے نہ قدم بڑھتا تھا
دل میں یہ ہول سمائی تھی کہ دم چڑھتا تھا

(۱۵۸)

کوئی کہتا تھا کہ کیا آنچ ہے اُف ری تلوار
کوئی کہتا تھا کہ بجلی سے بنا ہے رہوار
کوئی کہتا تھا زرا دیکھنا شانِ اسوار
کچھ تو سمجھے تھے جو سرور نے بنایا سردار
سچ ہے دم جس میں ہو، دیہیم و سریر اس کا ہے
سکہ جو ڈال گئی فوج، امیر اس کا ہے

(۱۵۹)

ایکا ایکی جو ہوا فوج کے کٹ جانے سے غل
شور سے اسلحہ کے دب گئی آوازِ دُھل
گرد اُٹھی ، چھپ گیا خورشید کا چہرہ بالکل
درِ خیمہ سے کچھ آگے بڑھے شاہِ دلدل
دی صدا نعروں کی آواز نہیں آتی ہے
بیٹا! تم کیسے ہو ماں خیمہ میں گھبراتی ہے

(۱۶۰)

دور تک لاشوں کے انبار ہیں ماشاء اللہ
وسطِ فوج میں سرکار ہیں ماشاء اللہ
لوہا مانے ہوئے سردار ہیں ماشاء اللہ
آپ تو حیدرِؑ کرار ہیں ماشاء اللہ
نعرہ کرتے رہو تا زیست کی پہچان رہے
آپ کے ساتھ مری روح ہے، یہ دھیان رہے

(۱۶۱)

کہا اکبرؑ نے رہو دل کو سنبھالے بابا
کہیں دَب سکتے ہیں اس گود کے پالے بابا
سب پیادے تو گئے پھینک کے بھالے بابا
تھوڑی ہی دیر کے مہماں ہیں رسالے بابا
فتح ہے پاس جو مل جائے مدد رب کی مجھے
ایک بار اور دعا چاہئے زینبؑ کی مجھے

(۱۶۲)

کہاں عباسؑ ہیں ہاتھوں کی صفائی دیکھیں
کہئے اماں سے کہ لیتا ہوں ترائی دیکھیں
غش سے ہو جائیں جو ہشیار تو بھائی دیکھیں
کہئے عابدؑ سے کہ خادم کی لڑائی دیکھیں
جب بیاں فوجوں کی یثرب میں تباہی ہوگی
بھائی کی ، سامنے صغرا کے گواہی ہوگی

(۱۶۳)

شہ نے صغرؑا کا سنا نام تو نہوڑا لیا سر
ام لیلیٰ کو دیا جا کے پیامِ اکبرؑ
ماں نے چونکا کے یہ عابدؑ سے کہا خوش ہوکر
سیر دیکھو مرے دلبند! وہ بھاگا لشکر
خوں شریروں کا دمِ تیغ سے کھَولا دیکھو
یوں غریبوں کی مدد کرتا ہے مولا دیکھو

(۱۶۴)

نیّرِ چرخِ چہارم جو ہوا جلوہ نما
پردۂ گرد قناتوں کی طرح رن میں ہٹا
نور سے تازہ امامت کے جو چمکا صحرا
سامنے آ گئے یہ چیر کے دشمن کا پرا
کہا خورشید سے ذرّوں کی صفت بڑھتی ہے
آپ کو دیکھ کے بازو کی سکت بڑھتی ہے

(۱۶۵)

خادمِ خاص ہیں سرداروں سے ہم لڑتے ہیں
بھول کر پیاس کو غداروں سے ہم لڑتے ہیں
دیکھئے سیر، ستمگاروں سے ہم لڑتے ہیں
ناز چتون پہ ہے تلواروں سے ہم لڑتے ہیں
اہلِ یثرب سنیں ہاتھوں کی صفائی میری
یاد رکھیئے گا سنانے کو لڑائی میری

(۱۶۶)

کہہ کے یہ ایڑ دی سرپٹ ہوا خوش گام سمند
گھوڑے پر آپ بلند ہاتھ میں شمشیر بلند
تھا، نہ ممکن کہ پس و پیش سے ہوا ان کو گزند
آگے تھا تیغ کا پھل پشت پہ گیسو کی کمند
حُسنِ گیسو سے سروہی کا جمال آگے تھا
رات آتی تھی پس پشت، ہلال آگے تھا

(۱۶۷)

خودِ مصقول چمکتا ہوا بانکا بانکا
وہ گریبان و گلو شام و سحر کا ٹانکا
نعرۂ شیر، شغالوں کو بنا تھا ہانکا
آستیں سے جو کھلا ہاتھ، اجل نے جھانکا
شیر کی طرح رواں تیز، صفِ آہو پر
ماں کے باندھے ہوئے تعویذ مرے بازو پر

(۱۶۸)

صفیں تلواروں کی اس لالہ بدن نے توڑیں
کُہنیاں سینکڑوں کی ہاتھ کے کَن نے توڑیں
تیغیں کاندھے پہ جو تھیں قبضہ کے گھَن نے توڑیں
اور جو باقی بچیں ، ابرو کی شکن نے توڑیں
تیر، مژگاں تھے اجل رن میں خطاکاروں کو
ذبح کر کر دیا چِلّے پہ کمانداروں کو

(۱۶۹)

پھر نہ چھوڑا اسے سردار جسے جان لیا
یوں لڑے فوج نے شہزورِ عرب مان لیا
تیغ کی نوک پہ قدداروں کو جب تان لیا
کہا ہم بیٹے ہیں شبیرؑ کے پہچان لیا
ساتھ فوجوں کے پئے نظمِ مزید آ جاتا
لطف تو جب تھا جو میداں میں یزید آ جاتا

(۱۷۰)

نہ نقیبوں میں رہا زور، نہ کڑکیت ڈٹے
پھینک کر برچھے لرزتے ہوئے برچھیت ہٹے
تیغ پر آب سے لشکر کے جو رو دار کٹے
کائی کی طرح ابلتے ہوئے پانی سے پھٹے
چپ ہوئے طبل، رہا دم نہ ستمگاروں میں
ڈنکے تلوار کے بجنے لگے نقاروں میں

(۱۷۱)

تیغ کی دھار نے شہنا کا گلا کاٹا تھا
نہ گمک طبل کی جھانجوں کا نہ جھنّاٹا تھا
اسپ بھاگے تھے چڑھی سانسوں کا فراٹا تھا
جہاں لشکر میں تھے میلے، وہاں سنّاٹا تھا
ریختہ جسم کے حصوں سے جو منہ موڑ چلے
خون بہتا ہوا کہتا تھا ہمیں چھوڑ چلے

(۱۷۲)

خود اک بھول گیا، ایک سپر چھوڑ گیا
ناخلف باپ کوئی لاشِ پسر چھوڑ گیا
خشک لب لے گیا اور دیدۂ تر چھوڑ گیا
وہ سبکدوش گیا ، رن میں جو سر چھوڑ گیا
بھاگنے کا نہ سبب اہلِ ہوس جانتے تھے
تنِ بے سر کو ، پڑا مال فرس جانتے تھے

(۱۷۳)

کچھ سجھائی جو نہ دیتا تھا بہم لڑتے تھے
چوبِ خیمہ سے سرِ اہل ستم لڑتے تھے
حشر تھا چلنے میں قدموں سے قدم لڑتے تھے
ٹکریں کھاتے تھے آپس میں علم لڑتے تھے
راستا روکے تھے گرگر کے بھگوڑے ہر سو
ٹھوکریں کھاتے تھے بھاگے ہوئے گھوڑے ہر سو

(۱۷۴)

کہیں مغفر، کہیں زرہیں، کہیں بیراگے تھے
ڈیروں سے خانہ بدوشانِ عرب بھاگے تھے
خیموں کے ٹکڑے ہواؤں میں بہت آگے تھے
اب طنابوں کی جگہ اُلجھے ہوئے تاگے تھے
گھر لُٹے، کوہ جو رتبے میں تھے، وہ کاہ بنے
بارگاہوں کے ستوں سب الفِ آہ بنے

ساقی نامہ (۱۷۵)

جائے صف رہ گئی تھی خون کی لالی خالی
کیف و بادہ سے ہوئے چشمِ سفالی خالی
دشت یوں صاف تھا جس طرح ہو تھالی خالی
ساقیا نہر کا ساحل بھی ہے خالی خالی
وقتِ دید آ گیا، ارمان مرے جاگ گئے
جن سے پردہ تھا وہ بدنامِ وفا بھاگ گئے

(۱۷۶)

جانتے ہیں کہ مکرم ہے معظم ساقی
تو نے چھلکایا ہے خمخانۂ آدمؑ ساقی
تلوے تھے مہرِ نبوت سے مقدم ساقی
قدر کر قدر ہیں ہم سے بھی بہت کم ساقی
سادہ سودائے محبت سے ہوئے سر ساقی
کون اب بیچ کے خوں پیتا ہے ساغر ساقی

(۱۷۷)

کیفِ امروزہ سے مدہوش ہیں جینے والے
ساحلِ غیر پہ ہیں تیرے سفینے والے
مر گئے دھار سے شمشیر کی پینے والے
سیدوں میں نہیں آثار مدینے والے
جام لیں چڑھ کے سرِدار یہ امید نہیں
گرچہ زیدی ہیں مگر ولولۂ زید نہیں

(۱۷۸)

کیا غمِ نار اگر دل ہوں دہکنے والے
قفسوں میں نہ ہوئے بند چہکنے والے
کرکے سو حیلے بہک جائیں بہکنے والے
نہ چھکے موت کے ساغر سے، نہ چھکنے والے
کچھ سمجھتے نہیں کوثر کی حقیقت ساقی
تشنہ کامانِ مئے چشمِ مروت ساقی

(۱۷۹)

انگبینِ مگس آلودہ ہے بھائی تم کو
ہم کو وہ راس کہاں راس جو آئی تم کو
جام، دنیا میں مبارک رہیں بھائی تم کو
خاک مذہب کی ہمیں اور طلائی تم کو
ہاں سنہری پیئیں نازاں ہوں زمانے والے
خاک پر مست ہیں اکسیر بنانے والے

(۱۸۰)

بادہ میں چھوڑ دوں بے دینوں کے سمجھانے سے
ہوش کا بوجھ کہاں اُٹھتا ہے دیوانے سے
اب خبر جائے نہ باہر ترے میخانے سے
یوں ڈبو دے کہ نہ پھر ابھروں میں پیمانے سے
ساقیا فکرِ کفن کیا، جو ہو احساں تیرا
تو سلامت رہے بس ہے مجھے داماں تیرا

(۱۸۱)

نہ ہٹایا ہمیں در سے ترے جاگیروں نے
رکھ دیئے سُجے، دیا کام نہ تسخیروں نے
(چمنستان) سیاست کے بڑے پیروں نے
کبھی تلواروں نے پرکھا کبھی زنجیروں نے
آگ میں جل کے نہ پگھلے کسی گمراہ سے ہم
کیونکہ ہیں معدنِ فولادِ ید اللہ سے ہم

(۱۸۲)

میکدہ تیرا سلامت ہے تو گھر کیا ہوگا
نام پر تیرے نہ ترشے گا تو سر کیا ہوگا
نہ دھواں بن سکا تو سوزِ جگر کیا ہوگا
سرمۂ دیدۂ اربابِ نظر کیا ہوگا
خوش نہ جلاد ہوں میخوار کو زخمی کر کے
میں پیئے جاؤں گا زخموں کے کٹورے بھر کے

(۱۸۳)

کوثری ہم ہیں، کوئی رندِ خرابات نہیں
امر معروف پہ سر دینا کوئی بات نہیں
نہیِ مُنکَر پہ نہ ڈٹ جائیں، تو سادات نہیں
کربلائی ہیں غمِ مرگِ مفاجات نہیں
ساغرِ تشنہ لبی منہ نہ بناکر پینا
ہم نے سکھلایا ہے ہونٹوں کو چباکر پینا

(۱۸۴)

ہو نجس ہاتھ میں تو بادۂ کوثر نہ پئیں
جام جھوٹا ہو تو محلولۂ گوہر نہ پئیں
قبضہ دکھلائیں مگر جامِ مئے تر نہ پئیں
سیر یوں دل ہے کہ چلّو میں اٹھاکر نہ پئیں
راہِ باقی پہ کبھی رہرِو فانی نہ گیا
نام سَقّا ہوا گو مشک میں پانی نہ گیا

(۱۸۵)

اس صلہ میں کہ فقط سولہ پہر چھوڑ دیا
بادہ خانوں میں تبرک ہوا حصہ میرا
نام سے نذر کے ہے بادہ کشوں میں چرچا
نام لینے سے مرے بڑھتا ہے شربت کا مزا
سب لیا چھوڑ کے سب، ہیں یہ دلیلیں اب تک
ڈھونڈھتی ہیں مجھے رستوں کی سبیلیں اب تک

(۱۸۶)

لاکھوں اقرار تھے پنہاں مرے انکاروں میں
سرد دنیا کو کیا ، لُوٹ کے انگاروں میں
جذبۂ فیض ، دُر افشاں ہوا غمخواروں میں
اب تو بٹنے لگی مئے مفت کی بازاروں میں

سَرد یوں دشمنوں کا تاؤ ہوا کرتا ہے
نام پر پیاسوں کے چھڑکاؤ ہوا کرتا ہے

(۱۸۷)

جو عدم میں ہو وہ دنیا کا پتا کیا جانے
خنکی چشمۂ تسلیم و رضا کیا جانے
بندۂ حرص نہ پینے کا مزا کیا جانے
تشنگیٔ علی اکبرؑ کا صلا کیا جانے

مرتبے دیکھنا ہم صورتِ پیغمبرؐ کے
آپ لائے ہیں علیؑ ساغر کوثر بھر کے

(۱۸۸)

دھوپ کو چاندنی سمجھے ہوئے وہ ماہِ منیر
خستہ تن، تازہ تواں، تشنہ لب و سیر ضمیر
ریل کر فوج کو میدان میں تا حدِ اخیر
نگراں ہے طرفِ کعبۂ بابِ شبیرؑ

سینہ چوڑا کئے شمشیرِ دو دم تولے ہوئے
بھائی کو دیکھتے ہیں بندِ قبا کھولے ہوئے

(۱۸۹)

سر اٹھائے ہوئے یاں کہہ رہے ہیں عابدؑ زار
اے مرے شیر! یہ بھوک اور یہ ترا عزمِ شکار
تو دوائے دلِ بیمار ہے میں تیرے نثار
یوں کیا شاد کہ کم ہوگیا بھائی کا بخار
مدح سب کر رہے ہیں والدہ بھی، سرور بھی
فکر گھٹ جانے سے کم ہوگیا دردِ سر بھی

(۱۹۰)

دیر سے دور ہو، فرقت میں نہ اب تڑپاؤ
جن سے فوجوں کو بھگایا ہے وہ بازو لاؤ
چوم لے بھائی سر و سینہ جو نزدیک آؤ
دل میں بھی آئے تراوٹ جو گلے مل جاؤ
گھر میں سب شاد ہیں اب اشک فشانی بھی نہیں
تم کو انعام دیں کیا؟ گھر میں تو پانی بھی نہیں

(۱۹۱)

واہ اک حملہ میں میدان سے لشکر ، سر کا
فوج میں گھس کے لڑے اور نہ کھایا چرکا
نہر ہاتھ آئے ، تو غم جائے ہمارے گھر کا
سن لو احوال ، خطرناک ہے اب اصغرؑ کا
کیا کہیں منہ سے کہ ہے رنجِ عطش پیاروں کا
رنگ اڑا جاتا ہے شبیرؑ کے رخساروں کا

(۱۹۲)

بھائی سے بھائی اِدھر دشت میں تھا محو کلام
اور مشیت پہ نظر کرکے تھے خاموش امامؑ
ناگہاں جمع ہوا بھاگا ہوا لشکرِ شام
چل چکے تیر تو آگاہ ہوا وہ گلفام
زخم ایک آدھ جو ناوک کا لگا، ٹال دیا
کرکے تسلیم بزرگوں کو فرس ڈال دیا

(۱۹۳)

اپنی حد سے جو گذر آئی تھی تلوریوں کی صف
قلب پر ان کے گرا، شیر صفت شہ کا خلف
باگ چھوٹی ہوئی رہوار کی ، شمشیر بکف
سرِغناؤں پہ نظر صورتِ سلطانِ نجف
سامنے فوج پہ وہ گیسوؤں والا آیا
پشت پر برچھیوں والوں کا رسالا آیا

(۱۹۴)

شمر چلایا صفیں راست کرو، طبل بجاؤ
تیر اندازوں کو میدان کے ٹیلوں پہ چڑھاؤ
گھر چکا شیر بلندی سے، خدنگ اس پہ لگاؤ
سنگ اندازوں کا تلوریوں کے پیچھے ہو جماؤ
مانتے کب ہیں اگر زخمِ جسد آلے ہیں
کوئی جیتے گا نہ سر مکھ، یہ علیؑ والے ہیں

(۱۹۵)

کان کے پاس جو بجنے لگے قرنا و دُہل
گھیر لو گھیر لو ہر سمت ہوا فوج میں غُل
متوجہ ہوا مجمع کی طرف شاہ کا گُل
دیکھا نیزوں کے قفس میں ہوں بسانِ بلبل
میں اکیلا ہوں اِدھر نیزہ بھی، تلوار بھی ہے
سنگ باری بھی ہے اور تیروں کی بوچھار بھی ہے

(۱۹۶)

فتح اب بھی ہے مری ان پہ مگر چھائے گا کون
تا بہ شبیرؑ تمنا مری پہنچائے گا کون
کٹ چکی فوج، مدد کو مری اب آئے گا کون
سب کو تو شہ نے اُٹھایا مجھے لے جائے گا کون
باپ بوڑھا ہے مرے غم سے حزیں ہے مادر
بھائی بیمار ہے اور پردہ نشیں ہے مادر

(۱۹۷)

دل میں یہ سوچ رہا تھا ابھی وہ ماہ لقا
کہ پڑا چاند سے سینے پہ کسی کا نیزہ
چاہتے تھے کہ کریں ڈانڈ کو نیزوں کی دُوتا
کہ پسِ پشت سے سر پر لگی شمشیرِ قضا
دلِ نازک کے قریں تیرِ ستم کھا کے گرے
نیزہ کھینچا تھا کہ میدان میں تھرا کے گرے

(۱۹۸)

پیاس میں خون کے بہہ جانے سے طاقت ہوئی کم
بہت آہستہ سے فرمایا تصدق ہوئے ہم
حسرتِ دید ہے آنکھوں میں اٹک جائے نہ دم
آیا جائے تو چلے آیئے یا شاہِ امم
کہئے عابدؑ سے دلِ سرورِ خوش خو تھامیں
خود عصا تھام کے ناچار کا بازو تھامیں

(۱۹۹)

اِس طرف کہہ کے یہ بیہوش ہوا وہ گل فام
باپ تک رن کی ہوا لے گئی اکبرؑ کا پیام
غش ہوئے حضرت سجادِؑ حزین و ناکام
گرچہ دل بیٹھ رہا تھا مگر اُٹھ بیٹھے امام
بولیں لیلیٰ کہاں آمادہ ہو جانے کے لئے
کہا جاتا ہوں جواں شیر کو لانے کے لئے

(۲۰۰)

کہا زینبؑ نے کہ بھائی مرے نزدیک تو آؤ
گذری کیا فاتح و جرار پہ کچھ حال سناؤ
کہوں کس منہ سے جواں لال کی میت کو اٹھاؤ
چادرِ فاطمہ زہراؑ سے کمر باندھتے جاؤ
سال اٹھارواں ہے شیرِ ژیاں ہیں اکبرؑ
کس طرح تم سے اٹھیں گے کہ جواں ہیں اکبرؑ

(۲۰۱)

شہ نے فرمایا کہ میداں سے لئے آتے ہیں ہم
جمع تم رکھو درِ خیمہ پہ اطفالِ حرم
ہم سے گر آ نہ سکا گھر میں ہمارا ضیغم
بھائی کی لاش کو لے آئیں گے بچے باہم
تم میں سے کوئی مدد کرنے نہ آئے گھر سے
پردہ بہنوں کا زیادہ ہے اہم اکبرؑ سے

(۲۰۲)

کہہ کے یہ دشت کو راہی ہوا مولائے جہاں
کبھی دہنے کبھی بائیں بتحیر نگراں
تھی صدا اے علی اکبر ہو کہاں رن میں تپاں
سرخرو تم ہوئے زہراؑ سے، زرا دیکھ لے ماں
بعدِ عباسؑ نہ پھر درد کمر نے چھوڑا
نورِ عین آپ تھے، اب ساتھ نظر نے چھوڑا

(۲۰۳)

انتظار اتنا کرو پاس میں آ لوں پیارے
گود میں گرم زمیں سے میں اٹھا لوں پیارے
پوچھ دوں چہرے کی گرد اشک بہا لوں پیارے
ایک بار اور کلیجے سے لگا لوں پیارے
کوئی اب پوچھنے والا نہیں بیٹا میرا
نیزہ تم کھائے ہو دکھتا ہے کلیجا میرا

(۲۰۴)

کہا اکبرؑ نے کہ اے سروِ بہارِ عالم
منتظر دیدِ پدر کے تہہِ اشجار ہیں ہم
نخلِستاں کی طرف آیئے یا شاہِ امم
اب دوبارہ دیں صدا اتنا بھی باقی نہیں دم
زخمِ نیزہ سے قیامت کی کھٹک ہوتی ہے
سانس لیتا ہوں تو سینے میں چمک ہوتی ہے

(۲۰۵)

شاہ بالیں پہ جو پہنچے تو قیامت دیکھی
خون میں سر کے، بھری چاند سی صورت دیکھی
بات کر سکتے نہیں اتنی نقاہت دیکھی
خاک میں ملتی ہوئی شکلِ نبوت دیکھی
چھوڑ کر اسپ سرِ فرشِ زمیں بیٹھ گئے
گود میں رکھ لیا سر سرورِ دیں بیٹھ گئے

(۲۰۶)

کہا اکبرؑ نے کہ میں ہوتا ہوں رخصت بابا
گھر میں لے چلئے جو ہو آپ میں طاقت بابا
آ گئی سر پہ مرے وعدہ کی ساعت بابا
چھو لوں اماں کے قدم دل میں ہے حسرت بابا
دیکھ کر اپنوں کو دنیا سے گذرنا اچھا
حلقۂ اہلِ محبت میں ہے مرنا اچھا

(۲۰۷)

شہ نے فرمایا مری گود میں لو آؤ چلو
میں لئے چلتا ہوں خیمہ میں! نہ گھبراؤ چلو
سانسیں آہستہ لو، اس طرح نہ تھراؤ چلو
جو اٹھانے کا نہ تھا بوجھ وہ اٹھواؤ چلو
زندہ آغوش میں صحرا سے پہنچ جاؤگے
گھر میں جذبِ دلِ لیلیٰ سے پہنچ جاؤگے

(۲۰۸)

الغرض لے چلے اس شیر کو سمجھاتے ہوئے
باتیں کرتے ہوئے دل راہ میں بہلاتے ہوئے
پاؤں تھمتے ہوئے، رکتے ہوئے، تھراتے ہوئے
کاندھے پر لاش اٹھائے ہوئے، بل کھاتے ہوئے
نہ بڑھا جب وہ غمِ روح گسل بیٹھ گیا
سامنے گھر نظر آنا تھا کہ دل بیٹھ گیا

(۲۰۹)

طرفِ خیمہ نظر کرکے پکارے سرور
فضہؑ پہنچا دے خبر آ گیا میرا دلبر
لینے کو بھیج دیں بچوں کو، کہاں ہیں خواہر
مجھ سے اب تا بہ مکاں آ نہ سکیں گے اکبرؑ
یوں کسی بندے کو میت کوئی لانا نہ پڑے
لاش فرزند کی دشمن کو اٹھانا نہ پڑے

(۲۱۰)

شہ کی آواز سنی، نکلے حرم سے بچے
غرقِ خوں دیکھ کے بھائی کے جسد سے لپٹے
قدم اکبر کے اگر ایک نے کاندھے پہ رکھے
اک چلا بھائی کا سر ننھی سی گودی میں لئے
بچے یوں گھیرے ہیں، یوں لاش جری جاتی ہے
جیسے دولہا کو لئے ساتھ برات آتی ہے

(۲۱۱)

آئے خیمہ میں جو اکبرؑ، تھا قیامت کا سماں
پہلوؤں میں جو تھیں بہنیں، سرِ بالیں پھوپھیاں
دور سے دیکھ کے تھیں لونڈیاں سرگرمِ فغاں
سینے پر ہاتھ رکھے دیکھتی تھی سانس کو ماں
کہتی تھیں پاؤں پہ گر کر مرے دلبر بولو
ابھی زندہ ہو تو پیارے علی اکبر بولو

(۲۱۲)

گھر میں آئے تھے مجھے دیکھنے، الفت کے نثار
جو کہا تھا وہ کیا، تیری شجاعت کے نثار
چاند بھی ماند ہے، ہے ہے تری صورت کے نثار
درد میں یاد رہی ماں، تری الفت کے نثار
میری آغوش سے چپ چپ نہ سدھارو بیٹا
کہہ کے اماں مجھے اک بار پکارو بیٹا

(۲۱۳)

سن کے لیلیٰ کی صدا ہوش میں آئے اکبرؑ
دیکھا غازی نے مرے گرد کھڑا ہے گھر بھر
مسکراتے ہوئے زینبؑ کے قدم پر رکھا سر
ہاتھ پھیلائے لرزتے ہوئے سوئے مادر
نبض کو ہاتھ سے اکبر نے بہ غم چھوڑ دیا
ماں نے سینے سے لگایا تھا کہ دم توڑ دیا

(۲۱۴)

کہا زینبؑ نے جو رنگ اور ملا صورت کا
اک تبسم میں صلہ دے گئے کل خدمت کا
آرزو یہ تھی کہ وقت آئے گا جب رحلت کا
تم چراغ آ کے جلاؤ گے مری تربت کا
چھوڑ کر ہم کو گئے منتیں تھیں جن کے لئے
واری ہم نے تمہیں پالا تھا اسی دن کے لئے

(۲۱۵)

گال پر گال رکھے کہتی تھی کبریٰ رو کر
چھوڑا اس رانڈ بہن کو مرے بھیا کس پر
پہلے سسرال لٹی کٹ گیا نو شاہ کا سر
میکا اب ہو گیا برباد سدھارے اکبرؑ
میرا وارث بھی چھٹا، سر پہ برادر نہ رہا
بیوہ تکیہ کرے کس گھر پہ، کوئی گھر نہ رہا

(۲۱۶)

یہ صدا ماں کی ہے، ہے ہے گلِ رعنا اکبرؑ
آپ سے فخر تھا دنیا میں ہمارا اکبرؑ
ماں تھی ہم شکلِ پیمبرؐ کی یہ دکھیا اکبرؑ
کیا لکھوں آئے اگر نامۂ صغرا اکبرؑ
لفظیں سکھلا دو مرے دل کے سہارے اکبرؑ
لکھا جائے گا کہ دنیا سے سدھارے اکبرؑ

(۲۱۷)

شاعرؔ اب ختم کرو مرثیہ ہے وقتِ دعا
عالمِ علمِ سرایا و خفایا ہے خدا
آج بھی ہے جدل بے گنہ و اہل خطا
مجھ کو درکار کوئی چیز نہیں تیرے سوا
دے دے دشمن کو، نظر میں مری دنیا کیا ہے
تو جو بازو مرا تھامے ہے تو پروا کیا ہے

(۲۱۸)

نہ مجھے فکر کچھ اپنی ہے، نہ فکرِ اولاد
زن و فرزند یہ میرے نہیں، تیرے ہیں عباد
میرے ناموس پر الزام، نئی ہے بیداد
یا رب اس حال میں ایوبؑ نے کی تھی فریاد
عدل پر تیرے زمانے کی عقیدت ہوجائے
حشر سے پہلے نمایاں تری قدرت ہو جائے

(ماخوذاز ماہنامہ شعاعِ عمل لکھنؤ ستمبر ۲۰۰۹ء)

مرثیہ ”فقہ و شمشیر“

(بند ۱۱۲/) سنہ تصنیف ۱۹۸۶ء

مصنف

شاعر اہلبیت مولوی سید قائم مہدی نقوی ساحر اجتہادی، کراچی، پاکستان

مرثیہ

فقہ و شمشیر (بند ۱۱۲)

شاعر اہلبیت مولوی سید قائم مہدی نقوی ساحرؔ اجتہادی

(۱)

تو ہی بس نقش گرِ لوح و قلم ہے یارب
تجھ سے ہے علم، جو بندوں کا بھرم ہے یارب
علم کی بزم میں اپنا جو حشم ہے یارب
مجھ سے بے علم پہ تیرا یہ کرم ہے یارب
پستیِ جہل سے میں نے سفر آغاز کیا
تو نے منبر کی بلندی سے سر افراز کیا

(۲)

علم کے رنگ سے سادہ جو چمن ہے میرا
گفتگو کیسے ہو ایسے جو چلن ہے میرا
فقہ و شمشیر جو موضوعِ سخن ہے میرا
امتحاں آج بلا شبہ کٹھن ہے میرا
نام سے تیرے ہو آغاز، نکھار آجائے
علم کے پھول شگفتہ ہوں، بہار آجائے

(۳)

فقہ اک علم کی منزل ہے جو سر کرنا ہے
بے ہنر ہوتے ہوئے عرضِ ہنر کرنا ہے
علم کے گہرے سمندر میں سفر کرنا ہے
یہ سفر کر نہیں سکتا ہوں، مگر کرنا ہے
پیش آغازِ سخن کر کے رقم بسم اللہ
یا علیؑ! کہہ کے چل اے میرے قلم، بسم اللہ

(۴)

اب اٹھایا جو قلم، طبع میں اک لہر آئی
نظم کے جذبۂ خوابیدہ نے لی انگڑائی
دل نے جبریلِ تخّیل سے خبر یہ پائی
لیجئے! حق نے عنایت کی نظر فرمائی
منزلِ فن میں اب اعجازِ ہنر کھلتا ہے
کعبۂ فکر میں اک علم کا در کھلتا ہے

(۵)

علم تنویرِ ازل، رحمتِ غفار ہے علم
جنسِ عرفاں کے لئے درہم و دینار ہے علم
قامتِ فن کے لئے جبہ و دستار ہے علم
نوعِ انساں کے لئے عقل کا معیار ہے علم
عقل، بے علم نہ بینش ہے نہ دانائی ہے
علم سے عقل کی کونین میں دارائی ہے

(۶)

زندگی گلشنِ بے رنگ ہے، علم اس کی بہار
زندگی فطرتِ سیماب ہے، علم اس کا قرار
زندگی شاہدِ نادار ہے، علم اس کا سنگار
زندگی بادۂ بے کیف ہے، علم اس کا خمار
رزمِ ہستی میں یہی ڈھال بھی تلوار بھی ہے
دھوپ میں غم کی یہی سایۂ دیوار بھی ہے

(۷)

علم (ہی) لوح و قلم کاتبِ تقدیر بھی ہے
علم فانوس بھی ہے، نور بھی تنویر بھی ہے
علم تخیّل بھی، تقریر بھی، تحریر بھی ہے
علم اعزاز بھی، انعام بھی، توقیر بھی ہے
منزلِ ''کُن'' میں انہوں نے جو قدم رکھا ہے
علم نے حضرتِ آدمؑ کا بھرم رکھا ہے

(۸)

امتحاں نور کا اور خاک کا جب حق نے لیا
عالم نور میں اس خاک کے پتلے کے سوا
کُلِّ اسماء کا علم اور کسی کو بھی نہ تھا
حکمِ سجدہ کا سبب اب یہ فرشتوں پہ کھلا
بہرِ تعظیم سجود ان کی طرف علم سے ہے
محفلِ قدس میں آدمؑ کا شرف علم سے ہے

(۹)

طلبِ علم فریضہ ہے ہر اک مومن کا
طالبِ علم ہوں، ایماں ہے خدا پر جن کا
اس میں کچھ قید نہ کچھ دخل ہے سال و سن کا
گلشنِ علم سے چن لیجئے تنکا تنکا
طلبِ علم سے بڑھ کر کوئی نیکی ہی نہیں
کوئی اچھائی اس اچھائی سے اچھی ہی نہیں

(۱۰)

علم سے محفلِ عالم میں معزز ہے بشر
ہم نشینوں میں ہوا علم ہی سے یہ برتر
دولتِ علم سے مفلس بھی جو بھر لیتا ہے گھر
اس کو ہر بزم میں ملتی ہے جگہ مسند پر
علم ، افلاس کو عظمت کی قبا دیتا ہے
علم ، انسان کا قد اور بڑھا دیتا ہے

(۱۱)

افقِ حرص پہ جب علم کی چھا جائے شفق
علم کے نور سے ہر طمع کا دل ہوتا ہے شق
دور ہو جاتا ہے ناداری و غربت کا قلق
علم ، انسان کو دیتا ہے قناعت کا سبق
یہ وہ دَھن ہے جو غریبوں کو دھنی کرتا ہے
علم ہم جیسے فقیروں کو غنی کرتا ہے

(۱۲)

بخش دے علم جو اولاد کو ترکہ میں پدر
بس یہی دولتِ اسلاف ہے سب سے بہتر
علم ، فرزند کو مل جائے وراثت میں اگر
خاک ہیں پھر تو یہ سب سیم و زر ولعل و گہر
یہ وہ دولت ہے جو ہاتھ آئے تو کب کھوتی ہے
اس سے بہتر کوئی میراث نہیں ہوتی ہے

(۱۳)

یہی میراث تھی جو حضرتِ غفرانمآبؒ
اپنی نسلوں کو عطا کر گئے بے حد و حساب
علم کا ایسا چمن چھوڑ کے اٹھے وہ جناب
جس کے ہر نخل کی ہر شاخ پر اگتے ہیں گلاب
اِن کے شجرے میں رہی کوئی نہ خالی ڈالی
پھول کھلتے رہے اس باغ میں ڈالی ڈالی

(۱۴)

اِس گلستاں کے سبھی گل تھے شگفتہ شاداب
حضرتِ کلبِ حسین[1] آپ ہی تھے اپنا جواب
منبرِ علم کی زینت تو وقارِ محراب
جن کی پیری تھی زلیخائے خطابت کا شباب
مطلعِ علم پہ جب وہ قمر آرا چمکا
صبحِ اقبالِ فصاحت کا ستارا چمکا

(۱۵)

اسی سورج کا اجالا اسی مہتاب کا نور
کلبِ[۲] عابد ساوہ خوش خلق وخوش اطوار وغیور
پیکرِ علم و عمل، صدق و صفا، فہم و شعور
خدمتِ شرع سے آقائے شریعت مشہور
منبرِ علم پہ رتبہ تھا دوبالا ان کا
تھا سرِ شامِ غریباں بھی اجالا ان کا

(۱۶)

مجتہد، ذاکرِ شبیرؑ، فقیہِ دوراں
باعمل ، عالمِ دیں، علم کی عظمت کا نشاں
ناخدا کشتی ملت کا، حریفِ طوفاں
جس پہ ہو رشک ملائک کو بھی ، ایسا انساں
ان کے چہرے پہ جھلک دیتی تھی عظمت ان کی
کچھ فرشتوں سے تھی ملتی ہوئی صورت ان کی

(۱۷)

منبرِ علم تھا ان کو جو تجلّی گہہِ طور
رفعتیں ان کی قدمبوس تھیں حسبِ دستور
عظمتیں ساتھ تھیں، کہتی ہوئی، سرکار، حضور
اس پہ نخوت تھی نہ غرّہ نہ تکبّر نہ غرور
بڑھ کے چلتے تھے تو اک رہبرِ عالی کی طرح
جھک کے ملتے تھے تو پھولوں بھری ڈالی کی طرح

(۱۸)

گفتگو میں وہ متانت وہ لطافت وہ مٹھاس
بندھ جاتی تھی جسے سن کے دلِ مُردہ کی آس
دل محبت سے بھرا درد شناس اور حسّاس
غیر پر آئے مصیبت تو وہ ہوتے تھے اداس
دوسروں کے لئے دکھ سہنے کو سکھ جانتے تھے
سب کے دکھ درد کو وہ اپنا ہی دکھ جانتے تھے

(۱۹)

قائد ایسے کہ قدم راہِ قیادت میں اٹل
عابد ایسے کہ عبادت تھا ہر اک ان کا عمل
بے نیاز اتنے کہ خدمات کا چاہا نہ بدل
سیر چشم اتنے کہ سونے کو بھی سمجھا پیتل
ہوسِ زر نے جھکایا نہ کبھی سر ان کا
بیچ دریا میں بھی دامن نہ ہوا تر ان کا

(۲۰)

متحد ہونے کا ہر شیعہ و سنی کو پیام
مقصدِ زیست تھا یہ بہرِ شکوہِ اسلام
جو ہزاروں سے نہ ہو پائیں وہ تنہا کئے کام
ذات میں اپنی جماعت تھے جماعت[۳] میں امام
سرخرو جس سے جماعت ہوئی، کام ایسے تھے
قوم کو مر کے جلایا ہے، امام ایسے تھے

(۲۱)

حسنِ سیرت سے اٹھایا جو گیا ان کا خمیر
بن گئے ''احسنِ تقویم'' کی روشن تصویر
روزِ اوّل سے شہادت جو تھی ان کی تقدیر
ہو گئے راہِ مودت میں فدائے شبیرؑ
الفتِ آلِ محمدؐ میں جو مر جاتے ہیں
قولِ صادقؑ سے شہادت کی سند پاتے تھے

(۲۲)

ان کے کردار میں جو حُسن جو زیبائی تھی
ان کے افکار میں جو دَم، جو توانائی تھی
ان کے جلوؤں سے جو ہر بزم میں رعنائی تھی
علم ہی کی تو یہ سب انجمن آرائی تھی
کلبِ[1] صادق نے بھی میراث یہی پائی ہے
یہی دولت ہے جو تا کلبِ[2] جواد آئی ہے

(۲۳)

علم کی راہ میں منزل کوئی یک گام نہیں
یہ سفر سخت ہے جس میں کہیں آرام نہیں
ہر من و تو کے لئے علم کا انعام نہیں
علم اللہ کی ہے خاص عطا، عام نہیں
مال و دولت تو خدا سب کو دیا کرتا ہے
علم لیکن فقط اپنوں کو عطا کرتا ہے

(۲۴)

کون اپنے ہیں، خدا علم میں جن کا ہے کفیل
کم سے کم یہ کہ سوا لاکھ ہیں رتبہ میں جلیل
ایک آدمؑ ہیں کہ ہیں علم کی عظمت کی دلیل
ایک وہ ہیں کہ جنہیں حق نے کہا اپنا خلیل
ایک موسیٰ ہیں، وہ توریت کے لانے والے
ایک ہیں خضرؑ، وہی، راہ دکھانے والے

(۲۵)

ایک داوٴد کہ علم اِن کا ہیں نعماتِ زبور
ایک عیسیٰؑ ہیں کہ جھولے میں بھی یہ علم و شعور
دی شہادت کہ مری ماں ہیں ہر اک رجس سے دور
میں تو اللہ کی قدرت کا اک ادنیٰ ہوں ظہور
نورِ وحدت بھی ہوں اور علم کی قندیل بھی ہوں
میں پیمبرؑ بھی ہوں اور صاحبِ انجیل بھی ہوں

(۲۶)

بعد عیسیٰؑ کے ہوئے اور بھی دنیا میں ولی
جن کی پیشانیوں سے علم کے جلوے تھے جلی
ایک ضو تھی جو کئی حسن کے سانچوں میں ڈھلی
پھر صحیفوں میں بھی آیا یہی نورِ ازلی
سب سے آخر میں یہ قرآنِ مبیں میں چمکا
ایک پیغمبرِؐ اُمّی کی جبیں میں چمکا

(۲۷)

کون پیغمبرؐ اُمّی، وہ محمدؐ سا بشر
جس کا دل علمِ لُدّنی کا چھلکتا کوثر
جس کو کعبہ سے ملا علم کا جب اک پیکر
گود میں لے کے، زباں اس کے دہن میں دیکر
نطق میں شہدِ فصاحت کا مزہ گھول دیا
لب ذرا سے جو کھلے، علم کا در کھول دیا

(۲۸)

جس کو استادِ ازل سے ہو تلمذ، وہ بشر
لوحِ محفوظ کے ہر لفظ پہ رکھتا ہے نظر
اس کو اس طرح کا اُمّی نہ کہیں اہلِ خبر
جس نے دنیا میں پڑھا کچھ نہ کتابیں رٹ کر
مکتبِ قدس سے جو عرش مقام آتا ہے
ایسے اُمّی پہ صحیفوں کا سلام آتا ہے

(۲۹)

علم کا نور ہے منجملۂ انوارِ عظیم
علم انساں کے لئے لطفِ خداوند کریم
میرے اس قول میں ممکن ہی نہیں ہے ترمیم
علم میں عین علیؑ کا تو محمدؐ کی ہے میم
غور کیجئے تو یہ نکتہ بھی بڑے کام کا ہے
علم میں لام جو ہے ''لام'' وہ اسلام کا ہے

(۳۰)

بے شک اسلام کے پیکر میں دل و جان ہے علم
لے کے اسلام جو آیا ہے وہ فرمان ہے علم
جس میں تاکید ہے اِقرأ کی وہ قرآن ہے علم
عہدِ بوجہل میں اسلام کی پہچان ہے علم
اے زہے بانئ اسلام کہ ذوالعلم ہیں یہ
وہ ابوجہل اگر ہے تو ابوالعلم ہیں یہ

(۳۱)

فطرسِ فکر، ترا شہپرِ پرواز ہے علم
دینِ احمدؐ! ترا سرمایہ صد ناز ہے علم
اے بشر! تیرے لئے باعثِ اعزاز ہے علم
اے رسولِ عربیؐ! آپ کا اعجاز ہے علم
شکلِ قرآں میں جو آیا ہے وہ علم آپؐ کا ہے
خود جو خالق نے سکھایا ہے وہ علم آپؐ کا ہے

(۳۲)

ابجدِ علم میں پوشیدہ ہے یہ رازِ جلی
اس کے اعدادِ صفر[۱] چھوڑ کے چودہ ہیں سبھی
چار اور ایک کریں جمع تو ہوں پانچ یہی
اب بتائے تو حساب اس کے علاوہ کوئی
جب یہ پھیلا ہے تو چودہ میں سمایا ہے علم
اور سمٹا ہے تو پھر پانچ میں آیا ہے علم

(۳۳)

پانچ میں ایک محمدؐ سا نبیؐ، اک حیدرؑ
ایک ہے علم کا شہر ایک ہے اس شہر کا در
فاطمہؑ، شبرؑ و شبیرؑ دلِ پیغمبرؐ
علم کا مرکز و محور ہے انہیں پانچ کا گھر
علم ملتا ہے جہاں میں تو یہاں ملتا ہے
یہ ''سلونی'' کا مزہ اور کہاں ملتا ہے

(۳۴)

علم کے نور کا مظہر ہیں نبیؐ اور قرآں
علم کا گنجِ نہاں، قلبِ شہؐ کون و مکاں
علم کا منبعِ اصلی ہے محمدؐ کی زباں
علم کا مرکزِ اوّل ہے رسولِؐ دو جہاں
علم کو پیکرِ انوار میں ڈھالا جس نے
اپنی آغوش میں خود علم کو پالا جس نے

(۳۵)

علم خالق کی امانت ہے، امیں پیغمبرؐ
علم دولت ہے، خزانہ ہے دلِ خیرِ بشرؐ
شجرِ علم ہے ''کُن'' اور محمدؐ ہیں ثمر
عالمِ علم ، عرض ہے تو نبیؐ ہیں جوہر
کس نے اس کے شرفِ علم کو پہچانا ہے
جس کے نائب کو نصیری نے خدا مانا ہے

(۳۶)

علم کی بادِ صبا آپ کی ہر موجِ نفس
رہروِ علم کو قدموں کی صدا بانگِ جرس
راہِ معراج میں علم آپ کا رف رف سا فرس
آپ کے علم کا عالم میں وہ شہرہ ہے کہ بس
علم کے مشرق ومغرب میں وہ نام آپ کا ہے
حاملِ وحیِ الٰہی بھی غلام آپؐ کا ہے

(۳۷)

علم کا نور محمدؐ کی جبیں سے ہے عیاں
علم کے نور سے روشن ہے چراغِ قرآں
اہرمن جس سے ہر اک دور کا لرزاں لرزاں
علم وہ نور ہے جس نور کا خالق یزداں
علم کے نور کو نورِ ازلی کہتے ہیں
علم کے مصدرِ اعلیٰ کو علیؑ کہتے ہیں

(۳۸)

وہ علیؑ علم نے جس ذات سے عزت پائی
علم کی شمع نے جس نور سے طلعت پائی
علم نے جس کی جبیں چوم کے رفعت پائی
علم نے جس کے قدم چھوکے فضیلت پائی
اس کی مدحت میں کوئی حرفِ جنوں خیز لکھوں
بات لکھوں تو کوئی ولولہ انگیز لکھوں

(۳۹)

میں کہ اک جہل کا پیکر بھی، خطاکار بھی ہوں
اُس کے شایاں ہو جو وہ حرف کہاں سے لاؤں
اس سے پہلے کہ میں اس ذات کی توصیف لکھوں
''رَبِّ زِدْنِی'' کی صداعلم کی سرکار میں دوں
دل سے جو سائلِ دربارِ علیؑ ہو جاؤں
اک رمق علم جو پاؤں تو ولی ہو جاؤں

(۴۰)

علم اک رتبۂ عالی ہے اور اعلیٰ ہیں علیؑ
علم اذہان کی صحت ہے، مسیحا ہیں علیؑ
علم آباد ہے جس میں وہی دنیا ہیں علیؑ
علم مولائی ہے اور علم کے مولا ہیں علیؑ
آپؑ کے در پہ ملک شاد بھی آباد بھی ہیں
آپ جبریلؑ کے مولاؑ بھی ہیں، استاد بھی ہیں

(۴۱)

اوج مولاؑ کا شہنشاہِ اُمم سے پوچھو
علم کی شان ہے کیا، لوح و قلم سے پوچھو
علم و مولاؑ کا حشم، ربطِ بہم سے پوچھو
ابنِ عباسؓ پکاریں گے کہ ہم سے پوچھو
علم پھیلے تو یہ قرآن، جلی ہوتا ہے
ایک نقطہ میں جو سمٹے تو علیؑ ہوتا ہے

(۴۲)

علم اک حرفِ جلی، علم کا دفتر ہیں علیؑ
علم اک روح ہے جس روح کا پیکر ہیں علیؑ
علم آئینہ ہے جس کا، وہ سکندر ہیں علیؑ
علم اک موج ہے جس کی، وہ سمندر ہیں علیؑ
اس کی گہرائی میں اتریں نہ زمانے والے
ڈوب جاتے ہیں یہاں تھاہ لگانے والے

(۴۳)

علم وہ خواب ہے جس خواب کی تعبیر علیؑ
علم وہ حسن ہے جس حسن کی تصویر علیؑ
علم ایمان ہے، ایمان کی تفسیر علیؑ
علم تقدیرِ بشر، علم کی تقدیر علیؑ
جب سے منسوب علیؑ سے ہے فسانہ اس کا
کائنات اس کی ہے، وقت اس کا، زمانہ اس کا

(۴۴)

علم دنیا میں ہیں سو طرح کے بے حد و شمار
حکمت و منطق و تفسیر و حدیث و اخبار
طب، تواریخ، طلسمات تمدن بکنار
یہ ہے سائنس تو اس سمت ادب کی ہے بہار
یوں تو ہر علم کی کونین میں دارائی ہے
ہاں مگر فقہ نے اک خاص جگہ پائی ہے

(۴۵)

فقہ اس گلشنِ عالم میں شریعت کی بہار
فقہ قرآن کی تعلیم، محمدؐ کا شعار
فقہ احکام میں اجماع، تعقل بکنار
فقہ انسان کی عظمت کا خدائی معیار
فقہ قرآن کی تہذیب سکھا دیتی ہے
خاک کو اشرفِ مخلوق بنا دیتی ہے

(۴۶)

فقہ نے ہم کو بتائے ہیں عبادت کے اصول
جس طرح کر گئے تعلیم امامؑ اور رسولؐ
ہوں اگر ان کے مطابق تو سب اعمال قبول
ورنہ بے روح کے سجدوں سے تو حاصل نہ حصول
وہ عبادت جو ادا ہوتی ہے ارکان کے ساتھ
ربط بس اس کا ہوا کرتا ہے قرآن کے ساتھ

(۴۷)

فقہ اللہ کا انساں کو ہے وہ خاص انعام
جو بتا دیتی ہے کیا شے ہے حلال اور حرام
پھر خروج اور جہاد، اس میں مجاہد کا مقام
ذکرِ رب، طاعتِ حق، حسنِ عمل، صدقِ کلام
حق کا اظہار بھی ہے فرض کی تعلیم بھی ہے
حسنِ کردار بھی ہے، زیست کی تنظیم بھی ہے

(۴۸)

فقہ پابندیٔ احکامِ خدا، نفس سے جنگ
اس کی قامت پہ قبائے ہوسِ جاہ ہے تنگ
شیشۂ کبر و رعونت پہ یہ اک ضربتِ سنگ
دل کے آئینہ سے دھو دیتی ہے یہ کفر کا زنگ
فقہ انساں کو علاجِ دلِ بیمار بھی ہے
ظلم کے حلق پہ چلتی ہوئی تلوار بھی ہے

(۴۹)

فقہ ہے شرع کے ماخذ کا مکمل ادراک
دل بھی ہوجاتا ہے پاک اس سے، خیالات بھی پاک
اس کے عالمِ کا عمل اُسوۂ شاہؐ لولاک
اس کو ترویجِ شریعت میں کوئی خوف نہ باک
کسی جابر نہ شہنشاہ سے ڈرتا ہے فقیہہ
فقہ کا حکم جو ہوتا ہے وہ کرتا ہے فقیہہ

(۵۰)

وہ فقیہہ آپ جسے میثمؒ دوراں کہئے
عصرِ حاضر کا جسے بوذر و سلمانؑ کہئے
دین کی رُوح، صداقت کی رگِ جاں کہئے
دشمنِ حق کے لئے خنجرِ بُرّاں کہئے
اپنے قدموں پہ سرِ کبر جھکایا جس نے
کجکلاہی کی رعونت کو مٹایا جس نے

(۵۱)

وہ خمینیؒ، وہ مجاہد، وہ فقیہہ دوراں
رہبرِ راہِ عمل، علم کی عظمت کا نشاں
اس کی آواز تھی یا عصرِ شہادت کی اذاں
اس کی گفتار تھی یا بول رہا تھا قرآں
وہی قرآں اسے پیغامِ بقا ہو جیسے
اسی قرآن کے سائے میں پلا ہو جیسے

(۵۲)

جس کو سب معنی محدود میں کہتے ہیں امامؒ
تھا حقیقت میں وہ مولائے زمانہ کا غلام
سر بلند اس کی قیادت سے ہوا ہے اسلام
اس کی عظمت کو سلام، اس کی قیادت کو سلام
لا کے اسلام کو باطل کے مقابل اس نے
کر دیا وقت کے طوفان کو ساحل اس نے

(۵۳)

اس کی تخلیق کا مقصد جو تھا باطل سے جہاد
انقلاب اس کی رگ و پے میں ہوا تھا آباد
قول میں اپنے اٹل، عزم میں اپنے فولاد
راہ سے اس کو ہٹا سکتا نہ تھا استبداد
اٹھ کے جو سطوتِ شاہی کا بھرم توڑ دیا
اس کے قدموں تلے دارائی نے دم توڑ دیا

(۵۴)

کر کے ہر مادّی طاقت کا سراسر انکار
اس نے خالق پہ بھروسے کو بنایا تھا شعار
اس کے مقصد میں مزاحم جو ہوا استکبار
کھینچ لی عزمِ حسینی کی بس اس نے تلوار
زلزلہ بن گیا وہ ظلم کے ایوانوں کا
اس نے رخ پھیر دیا جبر کے طوفانوں کا

(۵۵)

اس کے افکار سے جو علم کے کھِلتے تھے کنول
تھے وہی تو رہِ تاریکِ عمل میں مشعل
تھا عمل اس کی نگاہوں میں جو ہر عقدہ کا حل
علم ہی نے تو عطا کی تھی یہ تحریکِ عمل
وہی تحریک جو قرآن کی آیات میں تھی
قوتِ علم وہی تو ہے جو اس ذات میں تھی

(۵۶)

ہے حدیثوں میں جہاں فقہ کے بارے میں بیاں
صادقِ آلِؑ محمدؐ کا ہے ارشاد وہاں
سب سے پاکیزہ عمل پیشِ خداوندِ جہاں
دین کے علم کی تحصیل ہے بے ریب و گماں
جس سے احساں کا ارادہ وہ کیا کرتا ہے
دین کا علم اسے اللہ عطا کرتا ہے

(۵۷)

یہ بھی آیا ہے اگر فقہ کی تحصیل نہ کی
پھر تو رحمت کی نظر ہوگی نہ محشر میں کبھی
بس اسی قول سے یہ بات سمجھ میں آئی
ہے یہی علم جو کنجی ہے درِ جنّت کی
راہِ بخشش کا قیامت میں پتا دیتا ہے
حشر میں رحمتِ خالق کو صدا دیتا ہے

(۵۸)

باقرؑ علم کے اس قول میں حجت ہی نہیں
علم دیں چھوڑ کے خالق کی اطاعت ہی نہیں
اور بغیر اس کی اطاعت کے مودت ہی نہیں
بے اطاعت کے مودت میں صداقت ہی نہیں
دامنِ صدق کو چھو سکتا نہیں ہاتھ اس کا
''ہم کو برداشت کسی حال نہیں ساتھ اس کا''

(۵۹)

لطف کی بات یہ ہے فقہ میں جب غور کیا
اس کے اعدادِ جمل سے بھی وہی راز کھلا
پہلی منزل میں کئے جمع تو آئے چودہ
ان کو یکجا جو کیا پانچ کا جلوہ دیکھا
خلقتِ خلق ہے جیسے شہِؐ لولاک کے ساتھ
فقہ وابستہ ہے یوں پنجتنِ پاکؑ کے ساتھ

(۶۰)

فقہ اک علم ہے اور علم کو لازم ہے عمل
صرف پڑھ لینے سے تو مسئلے ہوتے نہیں حل
بے عمل ، علم سے آجاتا ہے ایماں میں خلل
بے عمل فاضل و افضل بھی ہے جاہل ، اجہل
بے عمل ہو تو مذمت کا سزاوار بھی ہے
مجرم علم بھی، خالق کا گنہ گار بھی ہے

(۶۱)

ہاں مگر شرط ہے اعمال ہوں اعمالِ حَسن
یعنی اعمال حدِ فقہ میں ہیں مُستحسن
ہے نماز افضلِ اعمال، بہر طور احسن
فرض ہے سب پہ یہ تامرحلۂ دار و رسن
کبھی اس کے لئے سورج بھی پلٹ آتا ہے
کبھی سجدے میں گلا تیغ سے کٹ جاتا ہے

(۶۲)

روزہ و حج بھی ہیں اعمالِ حَسن، فقہ نہاد
خمس ہو یا کہ زکوٰۃ ان سے بھی جنت آباد
سب سے افضل ہے اگر فقہ کی حد میں ہو جہاد
قول ، پیغمبرؐ صادق کا ہے اس قول پہ صاد
ایک ضربت نگہ حق پہ جو چڑھ جاتی ہے
دونوں عالم کی عبادت سے وہ بڑھ جاتی ہے

(۶۳)

فقہ کی رو سے جہاد، ایک دفاعی تدبیر
ظلم سے اس کا اٹھایا نہیں مذہب نے خمیر
جارحیت کے خلاف اس کی بڑی ہے توقیر
اس کو درکار ہے بازوئے قوی اور شمشیر
جنگ بے اسلحہ ہوگی تو اجل لازم ہے
فقہ کے علم کو شمشیرِ عمل لازم ہے

(۶۴)

فقہ و شمشیر کے رشتہ کی علیؑ ہیں وہ مثال
جن کا دونوں پہ ہے قبضہ بہ حدِ اوج و کمال
بزم میں موجِ صبا، رزم میں شمشیرِ جلال
سرِ منبر وہ ''سلونی'' سرِ میداں وہ قتال
بزم بھی ان کا حشم، رزم میں توقیر ان کی
فقہ بھی مِلک ہے، شمشیر بھی جاگیر ان کی

(۶۵)

فقہ میں بعدِ نبیؐ، ثانئ حیدرؑ ہی نہیں
ایک در شہر میں ہے اور کوئی در ہی نہیں
ان سے میدانِ عمل میں کوئی بہتر ہی نہیں
جز علیؑ اور کوئی فاتحِ خیبرؑ ہی نہیں
ان کے خطبات نے دنیا میں بہت نام کیا
ان کی تلوار نے غزووں میں بڑا کام کیا

(۶۶)

اے زہے قوتِ بازوئے رسولِ اکرمؐ
واہ کس شان سے رکھتے ہیں یہ میداں میں قدم
بدر و صفّین و اُحد، خندق و خیبر کی قسم
رزم میں دیکھنے کی چیز ہے مولاؑ کا حشم
جس کا ''لاسیف'' قصیدہ وہ نشانی ان کی
''لافتیٰ'' جس کی سند ہے وہ جوانی ان کی

(۶۷)

مرحبا صلِّ علیٰ زورِ خدادادِ علیؑ
ضامنِ فتح تھا بس پنجۂ فولادِ علیؑ
جنگ کا طول دلاتا جو رہا یادِ علیؑ
وِرد کی احمدؐ مختار نے تب نادِ علیؑ
فتحِ خیبر کو اِدھر تیغِ یداللہ کھنچی
سینۂ دشمنِ ایماں سے اُدھر آہ کھنچی

(۶۸)

سَن سے کاٹھی سے چلی سر سے سروں پر آئی
حق نگر حق کے لئے خودنگروں پر آئی
موت کی بن کے خبر بے خبروں پر آئی
تیغِ انصاف تھی، بیداد گروں پر آئی
آرزو جس نے بھی کی قہرِ الٰہی کے لئے
ہو گیا دو وہ امامتؑ کی گواہی کے لئے

(۶۹)

خود پر آئی جو مرحب کے، تو سر تک پہنچی
یاں پڑاؤ نہ کیا، قلب و جگر تک پہنچی
ایک ہی جست میں یہ حدِ سفر تک پہنچی
منزلیں مارتی جبریلؑ کے پر تک پہنچی
اس کی ضربت کی صدا چرخ کے اُس پار گئی
فرش پر تیغِ چلی، عرش پہ جھنکار گئی

(۷۰)

جب بھی کھنچتی تو یہ اعدا پہ جھپٹ کر آتی
فوج پر فوج کو دم بھر میں الٹ کر آتی
چھوڑ کر بھاگنے والوں کو پلٹ کر آتی
ایک اک دشمنِ ایماں سے نپٹ کر آتی
گو ہر اک رشتۂ جاں کاٹ کے چھوڑا اس نے
فقہ و شمشیر کے رشتہ کو نہ توڑا اس نے

(۷۱)

یہ سدا حق کے تقاضوں کے سبب چلتی ہے
جنگ جب حق کے لئے ہوتی ہے تب چلتی ہے
خواہشِ نفس کی تکمیل کو کب چلتی ہے
فقہ کی حد میں چلا کرتی ہے جب چلتی ہے
چھوڑ دے گر کوئی میدان تو رک جاتی ہے
نسل میں دیکھ لے ایمان تو رک جاتی ہے

(۷۲)

زیر کر کے اسے بیٹھے ہی تھے سینہ پہ ابھی
نفسِ معصوم سے کی عمرو[1] نے اک بے ادبی
جنگ تھی حق کے لئے اپنے لئے جو وہ نہ تھی
سینۂ شوم سے فی الفور اتر آئے علیؑ
جبرِ فطرت سے جو یوں بچ کے گذر سکتا ہے
تیغ کو فقہ کا پابند وہ کر سکتا ہے

(۷۳)

ہیں علیؑ تابہ قیامت جو فقیہوں کے ولی
ہے یونہی حضرت عباسؑ کا رتبہ بھی جلی
ان کے بابا ہیں علیؑ فقہِ نبیؐ جن سے چلی
ہے فقہِ بنی ہاشم یہ جگر بندِ علیؑ
ان کا بھی قول و عمل ہے اثرِ علمِ رسولؐ
یہ درِ علم علیؑ ہیں وہ درِ علمِ رسولؐ

(۷۴)

صاف آئینۂ فقہِ علوی ہیں عباسؑ
خلق میں اور فقیہوں کے ولی ہیں عباسؑ
باپ کے دل کو جو ارماں تھا وہی ہیں عباسؑ
علم میں عینِ علیؑ، عینِ علیؑ ہیں عباسؑ
مسندِ علم کی شان اور بھی دونی کرتے
زیب دیتا جو یہ دعوائے سلونی کرتے

(۷۵)

علم کی شان علیؑ، علم کی شوکت عباسؑ
علم کا تاج علیؑ، علم کا خلعت عباسؑ
وہ شجاعِ ازلی، عینِ شجاعت عباسؑ
وہ یداللہ، یداللہ کی طاقت عباسؑ
سرِ مسند بھی ہے میداں میں بھی توقیران کی
فقہ میراث ہے، شمشیر ہے جاگیران کی

(۷۶)

وارثِ زورِ شہہؑ قلعہ شکن ہیں عباسؑ
ضیغمِ شیرِ خدا، شیر فگن ہیں عباسؑ
قلبِ اعدائے شہؑ دیں کی چبھن ہیں عباسؑ
فاتحِ بدر کے ماتھے کی شکن ہیں عباسؑ
صورتِ تیغِ یداللہ ہیں ابرو ان کے
قوتِ بازوئے شبیرؑ ہیں بازو ان کے

(۷۷)

فاتحِ خیبر و صفین کی گودی کے پلے
سیرتِ حیدرِ کرارؑ کے سانچے میں ڈھلے
دیکھتے دیکھتے پروان چڑھے پھولے پھلے
ذوالفقارِ اسداللہ کے سائے کے تلے
مرحبِ عصر، پھر اب تجھ پہ عتاب آیا ہے
دیکھ پھر فاتحِ خیبر پہ شباب آیا ہے

(۷۸)

ضیغمِ بیشۂ حق، شیرِ نیستانِ علیؑ
نورِ کونینِ وفا، نیّرِ تابانِ علیؑ
پیکرِ صدق و صفا، روحِ وفا، جانِ علیؑ
رزم گاہِ حق و باطل ہو تو ہم شانِ علیؑ
دشمنِ آل پہ یہ مثلِ علیؑ غالب ہیں
کیوں نہ ہوں، یہ بھی تو اولادِ ابو طالبؑ ہیں

(۷۹)

دبدبہ ان کا مدینہ میں یہ تھا غیروں پر
سورما کوئی ملا سکتا نہ تھا ان سے نظر
نام سے ان کے لرزتے تھے دلاور تھرتھر
آپ کو دیکھ کے پھٹ جاتے تھے شیروں کے جگر
ان کے بگڑے ہوئے تیور جو نظر آتے تھے
وقت کے مرحب وعنتر بھی لرز جاتے تھے

(۸۰)

تیغ ان کی دلِ اغیار میں در آتی تھی
نگہِ گرم جو پڑتی تھی تو گرماتی تھی
ہاتھ قبضہ پہ جو پڑتا تھا یہ بل کھاتی تھی
ڈاب کی اوٹ سے آنکھیں انہیں دکھلاتی تھی
سورماؤں پہ وہ ہیبت سی بٹھا دی اس نے
گھر سے نکلی نہیں اور دھوم مچا دی اس نے

(۸۱)

ان کی تلوار ابھی ڈاب سے نکلی ہی نہ تھی
ہو سکی تھی نہ کسی جنگ میں شرکت اس کی
وقتِ صفین و جمل آپ کا بچپن تھا ابھی
پھر بھی جرأت کا یہ عالم تھا کہ اللہ غنی
ان کی شمشیر کے جوہر نہ کھلے تھے اب تک
اس پریزاد کے شہپر نہ کھلے تھے اب تک

(۸۲)

یہ وہ شمشیر ہے جو عرش سے آئی تو نہیں
صورتِ معجزہ عباسؑ نے پائی تو نہیں
اس کی تخلیق میں اعجاز نمائی تو نہیں
یہ یہیں کی ہے، فرشتوں نے بنائی تو نہیں
ہاتھ نے قابلِ صد ناز بنایا ہے اسے
دستِ عباسؑ نے اعجاز بنایا ہے اسے

(۸۳)

ذوالفقار اور ہے عباسؑ کی تلوار ہے اور
اور اس کی جھنک، اس تیغ کی جھنکار ہے اور
وہ حسیں اور طرح کی یہ طرح دار ہے اور
شوخ و شنگ اور ہے وہ اور یہ دلدار ہے اور
وہ کہ زیبِ کمرِ حیدرِ کرارؑ ہوئی
اس کا اعزاز کہ عباسؑ کی تلوار ہوئی

(۸۴)

ذوالفقارِ اسدُاللہ کا پرتَو اس میں
شمعِ دستِ ملک الموت ہے وہ، لَو اس میں
موت کی راہ چمک اٹھتی ہے، وہ ضو اس میں
بجلیاں کوٹ کے بھر دی گئیں سو سو اس میں
میان سے گر یہ نکل آئی تو آفت ہوگی
یہ وہ فتنہ ہے کہ جاگے تو قیامت ہوگی

(۸۵)

اسی تلوار سے تھا فوجِ حسینؑ کا حشم
شوکتِ لشکرِ اسلام تھا اس کا دم خم
یہی تلوار تھی تسکینِ دل اہلِ حرم
اک تحفظ کا سا احساس تھا سب کو ہر دم
اس کے دم سے تھا قوی قلبِ جناب زینبؑ
اسی تلوار کا سایہ تھا نقابِ زینبؑ

(۸۶)

جب یہ سایہ نہ رہا سر پہ، تو آفت آئی
دشت میں آلِ محمدؐ پہ مصیبت آئی
آگ خیموں کو لگا دینے کی ساعت آئی
چادریں لوٹ لئے جانے کی نوبت آئی
چھن گئی چہرۂ اقدس سے نقابِ زینبؑ
ہائے یہ فوجِ شقی، ہائے جنابِ زینبؑ

(۸۷)

ہائے وہ وقت کہ عباسؑ نے رخصت چاہی
شاہِ کونینؑ سے سقائی کی عزت چاہی
پانی لانے کی شہِ دیں سے اجازت چاہی
اپنے مقصد میں سکینہؑ سے بھی نصرت چاہی
شاہزادی ہو، غلاموں پہ نوازش کر دو
پانی لے آئیں جو بابا سے سفارش کر دو

(۸۸)

بس یہ سنتے ہی بھڑک اٹھی جو معصوم کی پیاس
رو پڑی تھام کے دامانِ قبائے عباسؑ
کم سنی میں بھی سکینہؑ کو تھا اس کا احساس
اپنے وعدوں کا سدا سے مرے عمّو کو ہے پاس
کر کے وعدہ جو سوئے نہر چچا جائیں گے
مشک بھر کے ابھی دریا سے وہ لے آئیں گے

(۸۹)

اس قدر آس جو ٹوٹے ہوئے دل نے پائی
خشک ہونٹوں پہ تصور میں تری سی آئی
تشنگی نے یہ رہِ حُسنِ طلب دکھلائی
ایک سوکھا ہوا مشکیزہ اٹھا کر لائی
سوکھے ہونٹوں سے تو بچی نے نہ مانگا پانی
چشمِ حسرت سے صدا آئی کہ، بابا پانی

(۹۰)

حال دیکھا جو سکینہؑ کا تو گھبرائے حسینؑ
عرض کی حضرتِ عباسؑ نے ہو کر بے چین
اب تو سقائی کا دیں اذن امامِؑ کونین
ورنہ خادم کو نہ بخشیں گے شہِؑ بدر و حنین
پانی گر لا نہ سکا نہر سے، مر جاؤں گا
اپنے ہی خون کے دریا میں اتر جاؤں گا

(۹۱)

مجھ کو پانی کے لئے حکم اگر ہو جائے
جاں نثاری کی مہم خیر سے سر ہو جائے
گھاٹ پر تابہ قیامت مرا گھر ہو جائے
نہر میری ہے، یہ دنیا کو خبر ہو جائے
خوب ہو، آپ کا سقہ میں اگر ہوں آقاؑ
میں بھی تو ساقیٔ کوثر کا پسر ہوں آقاؑ

(۹۲)

کون روکے گا مجھے، فوج میں جرأت یہ کہاں
پسرِ سعدِ ستمگار میں ہمت یہ کہاں
نیزہ و ناوک و شمشیر میں طاقت یہ کہاں
مجھ سے سر بر ہوں وہ، کفار کی قسمت یہ کہاں
خود کروں عرض تو یہ اپنی بڑائی ہوگی
لوگ دیکھیں گے جو دریا پہ لڑائی ہوگی

(۹۳)

مجھ کو تعلیم کئے جنگ کے بابا نے ہنر
میری تلوار کے دیکھے گا زمانہ جوہر
گو ابھی تک یہ نہ نکلی کسی میداں میں، مگر
اس کی ہیبت سے لرزتے ہیں دلیروں کے جگر
یہ کھنچی جب تو قدم سب کے اکھڑ جائیں گے
اس کے منھ آئے تو چہرے ہی بگڑ جائیں گے

(۹۴)

اپنے دامن پہ یہ جوہر کے سجائے گی چراغ
موت کی راہ کے رہرو کو دکھائے گی چراغ
خود ہی اعدا کے لہو سے یہ جلائے گی چراغ
خود ہی دامن سے سرِ شام بجھائے گی چراغ
پھر نہ دنیائے ضلالت میں سویرا ہوگا
حشر تک شام کی قسمت میں اندھیرا ہوگا

(۹۵)

میرے آقا، نہیں اس تیغ کو اب ضبط کی تاب
بچے بے آب ہیں، کس کام کی پھر اس کی یہ آب
قتلِ اطفالِ حسینی پہ ہے دل اس کا کباب
لشکرِ شام سے ہر ظلم کا لے گی یہ حساب
میرے جذبات کی گودی میں پلی ہے یہ بھی
میرے احساس کے پیکر میں ڈھلی ہے یہ بھی

(۹۶)

سب گئے دہر سے، میں رن کو نہ جاؤں کب تک
اب نظر مادرِ قاسمؑ سے چراؤں کب تک
سامنے زینبؑ مضطر کے نہ آؤں کب تک
ولولہ جنگ کا سینہ میں دباؤں کب تک
دامنِ ضبط بس اب چھوٹ رہا ہے آقاؑ
اب تو ہر بندِ قبا ٹوٹ رہا آقاؑ

(۹۷)

پھر کہا ہوگا یہ شاید کہ شہِؑ نیک خصال
کہیں دل میں مرے آقا کے نہ آئے یہ خیال
آپ ہی پیاس کی شدت سے مرا جی ہے نڈھال
اس لئے عہدۂ سقائی کا کرتا ہوں سوال
خواہشِ نفس کے طوفاں میں کنارا ڈھونڈا
میں نے اپنے لئے بچی کا سہارا ڈھونڈا

(۹۸)

میرے آقا! کچھ اب ایسی تو مجھے پیاس نہیں
کیا تقاضائے وفا کا مجھے احساس نہیں
بے وفا اور میں! اے غیرتِ الیاسؑ نہیں
حرف آجائے وفا پر تو میں عباسؑ نہیں
ہوں خطاکار ارادے جو دگر ہوں میرے
یوں بھروں مشک کہ ناخن بھی نہ تر ہوں میرے

(۹۹)

بس یہ سننا تھا کہ گھبرا گئے مظلوم امامؑ
لبِ خاموش سے بھائی سے کیا پھر یہ کلام
تم نے کیا کہہ دیا مجھ سے یہ مرے نیک انجام
جانتا ہوں کہ ہیں ''عبّاسؑ و وفا'' ایک ہی نام
شک مجھے ہو جو وفاؤں پہ تمہاری بھائی
ابھی مر جائے سکینہؑ مری پیاری بھائی

(۱۰۰)

تم کو میداں کی اجازت نہیں دی میں نے مگر
اس کی ہے وجہ، کہ انجام پہ ہے میری نظر
کتنے غم سہہ چکا، کچھ اور سہے گا یہ جگر
لاشے لا لا کے مگر ٹوٹ گئی میری کمر
چوٹ اک تم بھی مرے دل پہ لگاؤ بھائی
ہے جو تم کو یہی منظور تو جاؤ بھائی

(۱۰۱)

اذن دینے میں تمہیں مجھ کو یہ مشکل ہے کمال
ملنا پانی کا تو ممکن نہیں بے جنگ و جدال
اک طرف ہے مجھے اس امتِ عاصی کا خیال
اک طرف آپ کا یہ غیظ، یہ غصّہ یہ جلال
گر نہ دوں تیغ تو الزامِ ہلاکت آئے
تم کو تلوار جو دے دوں تو قیامت آئے

(۱۰۲)

مجھ کو منظور کچھ امت کی تباہی تو نہیں
قوم مٹ جائے، یہ مرضیِ الٰہی تو نہیں
میرا مقصودِ نظر سطوتِ شاہی تو نہیں
میں نے دنیا کی حکومت کبھی چاہی تو نہیں
مجھ کو کیا، کوئی ہو سلطان، کوئی راج کرے
شرط یہ ہے کہ شریعت کو نہ تاراج کرے

(۱۰۳)

یہ تو ظاہر ہے کہ اس جنگ کا مقصد کیا ہے
حفظِ ایماں کے سوا ان سے ہمیں کد کیا ہے
سوچو! تلوار چلانے کی یہاں حد کیا ہے
جنگ کے باب میں تعلیم اب و جد کیا ہے
جنگ ہو حق کے لئے نفس کا دربند رہے
جب بھی شمشیر چلے فقہ کی پابند رہے

(۱۰۴)

تم کو جانا ہے تو اس طرح سے جانا ہوگا
نفس کو حق سے الگ رکھ کے دکھانا ہوگا
اپنے غصہ پہ بھی قابو تمہیں پانا ہوگا
ولولہ جنگ کا سینہ میں دبانا ہوگا
حق کو جذبات کی سولی پہ نہ چڑھنے دوگے
فقہ کی حد سے نہ شمشیر کو بڑھنے دو گے

(۱۰۵)

سب کو معلوم ہے تم شیرِ الٰہی کے ہو شیر
ہو شجاعوں کے شجاع اور دلیروں کے دلیر
تیغ کھینچو گے تو پھر کشتوں کے لگ جائیں گے ڈھیر
بات تو جب ہے کرو ولولۂ جنگ کو زیر
جان دینا ہے ہمیں حق کی حفاظت کے لئے
یہ کوئی وقت ہے اظہارِ شجاعت کے لئے

(۱۰۶)

جاؤ اب نفس سے کرتے ہوئے میداں میں جہاد
اپنے ہی دل سے کرو جنگ مرے نیک نہاد
میں بھی، بابا بھی تمھیں دیں گے شجاعت کی داد
دشت میں لاش پہ اماں بھی کریں گی فریاد
گھر میں روئے گی سکینہؑ بھی تڑپ کر بھائی
سر سے زینبؑ کے بھی گر جائے گی چادر بھائی

(۱۰۷)

لو وہ عباسؑ چلے رن کو اجازت جو ملی
یوں مگر تابعِ فرمانِ حسینؑ ابنِ علیؑ
جیسے زنجیروں میں جکڑا ہوا ضیغم کوئی
تیغ تو کھینچ لی، حسرت نہ نکالی دل کی
عزم تھا پیاسوں کو سیراب جو کرنے کے لئے
جنگ بھی کی تو فقط مشک کو بھرنے کے لئے

(۱۰۸)

لے کے پانی وہ پھرے وقت کی رفتار کے ساتھ
فرض اب مشک بچانا بھی ہے پیکار کے ساتھ
لو غضب ہے، وہ کمیں گاہ کے اک وار کے ساتھ
ہاتھ غازی کا گرا کٹ کے وہ تلوار کے ساتھ
وہی تلوار سپر تھی جو ابھی سب کے لئے
اک تحفظ کی ضمانت تھی جو زینبؑ کے لئے

(۱۰۹)

وہ تحفظ نہ رہا جب تو ستم وہ ٹوٹے
لٹ گئے سب چمنِ فاطمہؑ کے گل بوٹے
ماں سے، پھوپھیوں سے علی اکبرؑ و اصغرؑ چھوٹے
قتل شبیرؑ ہوئے، فوج نے خیمے لوٹے
چین اس پر بھی نہ پایا جو ستم گاروں نے
آگ خیموں کو لگا دی وہ جفاکاروں نے

(۱۱۰)

دیکھو جلتے ہوئے خیمہ میں وہ بیمار کے پاس
پوچھنے آئی ہیں زینبؑ یہ بصد حسرت و یاس
اے مرے لال، امامِ دو جہاں، شرعِ اساس
فقہ کی رو سے ہے کیا حکم، کہ ہے وقتِ ہراس
پردہ رکھنے کو انہیں خیموں میں جل جائیں ہم
یا کھلے سریوں ہی بلوہ میں نکل جائیں ہم

(۱۱۱)

لو وہ خیمہ سے نکل آئے سب از حکمِ امامؑ
بے ردا زینبؑ و کلثومؑ ہیں اور مجمعِ عام
اس مصیبت سے ہے آفاق میں ہر سو کہرام
کوئی دیتا ہے صدا لے کے یہ عباسؑ کا نام
آگ پانی کو لگا دو، یہاں آؤ عباسؑ!
شمر آتا ہے سکینہؑ کو بچاؤ عباسؑ!

(۱۱۲)

کیا کرے آہ، جو فریاد پہ جا بھی نہ سکے
تیغ کو دستِ بریدہ سے اٹھا بھی نہ سکے
پنجۂ ظلم سے بچی کو چھڑا بھی نہ سکے
سیلیوں سے جو سکینہؑ کو بچا بھی نہ سکے
تھی عجب کرب میں اس پیکرِ احساس کی لاش
ہر طمانچے پہ تڑپ جاتی تھی عباسؑ کی لاش

❁❁❁

(بندنمبر ۱۴) ذاکر شام غریباں عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین عرف کبن صاحب اعلی اللہ مقامہ، جو پورے برصغیر میں مرجعِ خواص وعام تھے۔

(بندنمبر ۱۵) آقائے شریعت صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحب اعلی اللہ مقامہٗ جو ہندوستانی مسلمانوں کے عظیم لیڈر تھے اور بابری مسجد پر ان کے موقف اور حکومتِ ہند کے سامنے اس مسئلے پر ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات کی مؤثر اور بے باک نمائندگی نے ان کو بلا امتیاز سارے مسلمانوں کا مقبول ترین رہنما بنا دیا تھا۔

(بندنمبر ۲۰) آقائے شریعت لکھنؤ کے امام جمعہ وجماعت تھے،

(**بندنمبر ۲۲**) آقائے شریعت کے چھوٹے بھائی نامور عالم اور مقرر ڈاکٹر کلب صادق صاحب قبلہ، آقائے شریعت طاب ثراہ کے بڑے صاحبزادے اور جانشین یعنی قائد ملت مولانا سید کلب جواد صاحب قبلہ

(**بندنمبر ۳۲**) عربی میں تلفظ صفر بالکسر ہے مگر اردو میں زبانوں پر بالکسر دو فتحِ دوم ہے اور یوں ہی فصیح ہے۔

(**بندنمبر ۲۷**) عمرو ابن عبدود عامری جو جنگ خندق میں حضرت علیؑ کے مدمقابل آیا اور شکست کھائی۔ بے ادبی کے واقعہ کو مولانا روم نے یوں کہا ہے:ؔ

او خدو انداخت بر روی علیؑ
افتخارِ ہر نبی و ہر ولی

❁❁❁

مرثیہ

درفضائلِ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام

وسلطان العلماء سید محمد نقوی رضوان مآبؒ

وسید العلماء سید حسین علیین مکان

فرزندانِ مجددشریعت حضرت غفران مآبؒ

وبادشاہِ متشرع ثریاجاہ نواب امجد علی شاہ اودھ

از دفتر ماتم جلد اول (بند ۶۴)

مصنف

خدائے سخن مرزا سلامت علی دبیرؔ اعلیٰ اللہ مقامہ

مرثیہ در فضائلِ معصومینؑ و سلطان العلماء سید محمد رضوان مآبؒ و سید العلماء سید حسین علیین مکان فرزندانِ مجددِ شریعت حضرت غفران مآبؒ و بادشاہِ متشرع، ثریا جاہ نواب امجد علی شاہ اودھ

خلاقِ مضامین مولانا مرزا سلامت علی دبیرؔ اعلیٰ اللہ مقامہ

(۱)

طغرا نویسِ ''کُن فیکوں'' ذوالجلال ہے
فرمانِ حق میں سلطنتِ بے زوال ہے
بندے سے ہو خدا کی ثنا یہ محال ہے
اس جا زبان ، طوطیِ سدرہ کی لال ہے
عالم کو اپنے زور کا عالم دکھادیا
ظلمت کو نور خاک کو آدم بنادیا

(۲)

خورشید کا غروب، قمر کا طلوع ہے
آخر ہوئی جو شب تو سپیدا شروع ہے
ہر ایک سوئے قبلۂ طاعت رجوع ہے
ظاہر ہے ماہِ نو سے کہ صرفِ رکوع ہے
لطف و غضب سے چہرے سفید و سیاہ ہیں
قدرت پہ اُس کی شام و سحر دو گواہ ہیں

(۳)

ابری ہے مشق خامۂ قدرت ہر اک سحاب
دھوتا ہے اس کو خادمِ باراں بہ آب و تاب
ابری کے خشک کرنے پہ سرگرم آفتاب
ہر نقطہ مثلِ اخترِ تابندہ انتخاب
جاری جو نقش بندِ ازل نے قلم کیا
کیا خوب شش جہت کا مسدس رقم کیا

(۴)

اے جلّ شانۂ وہ غفورالرحیم ہے
ہم سب ہیں درد مند وہ کُل کا حکیم ہے
رحمان و مستعان و رؤف و حلیم ہے
اس کے سوا بھلا کوئی ایسا کریم ہے
ایماں بھی دے، مراد بھی دے، عزو جاہ بھی
روزی بھی بخشے خلد بھی بخشے، گناہ بھی

(۵)

ماہی کو آب، ماہ کو بخشا ہے قرصِ نان
تاروں کو نقل، شمس کو تنویر آسمان
نرگس کو آنکھ، غنچہ کو گل، سرو کو زبان
پتھر کو لعل، کوہ کو بخشی شکوہ و شان
قطرے کو دُر عطا کیا ذرّے کو زر دیا
کیا خشک و تر کو فیض سے آسودہ کر دیا

(۶)

کیا کیا بیاں کروں میں عنایاتِ کبریا
پیدا پیمبروںؑ کو پئے رہبری کیا
ہم کو محمدِؐ عربی سا نبیؐ دیا
بسم اللہ صحیفۂ فہرستِ انبیاؑ
آگے جو انبیائے ذوی الاقتدار تھے
محبوبِ کردگار کے وہ پیش کار تھے

(۷)

آفاق بہرہ ور ہوا حضرت کی ذات سے
آگا ہ ذات نے کیا حق کے صفات سے
تصدیق حلم رب کی ہوئی بات بات سے
رفتار نے لگا دیا راہِ نجات سے
سیکھے طریقے قربِ خدا کے حضور سے
گمراہ آئے راہ پہ نزدیک و دور سے

(۸)

سینوں سے سب کے دور ہوا دردِ بیدلی
باقی رہی نہ پیروں میں سستی و کاہلی
معراج ان کے ہاتھ سے اعجاز کو ملی
واں چاند ٹکڑے ہو گیا انگلی جو یاں ہلی
انگلی سے دو قمر کو کیا کس جلال سے
غل تھا کہ قفل چاند کا کھولا ہلال سے

(۹)

سرتا قدم لطیف تھا پیکر، مثالِ جاں
اس وجہ سے نہ سایہ بدن کا ہوا عیاں
قالب میں سایہ ہوتا ہے پر روح میں کہاں
سایہ انہیں کا ہے یہ زمینوں پہ آسماں
معراج میں جو واردِ چرخِ نہم ہوئے
سائے کی طرح راہ سے جبریل گم ہوئے

(۱۰)

سایا میں ڈھونڈتا تھا رسولِ غیور کا
سائے کے بدلے مل گیا مضمون نور کا
قالب جو بَن چکا ملک و جن و حور کا
تقسیم شیعوں میں ہوا سایہ حضور کا
سائے سے اِن کے شیعوں کے پرنور دل بنے
دل بن چکے تو دیدۂ حق بیں کے تل بنے

(۱۱)

انداز ایک سائے کا ہر جا نیا ہوا
ظلمت میں خضر کے لئے آبِ بقا ہوا
جنت میں چشمِ حور کا وہ طوطیا ہوا
اوجِ ہوا میں شاہوں کی خاطر ہما ہوا
بالعکس یہ مقولے ہیں اہلِ شعور میں
اندھیر ہے جو سایہ ہو خالق کے نور میں

(۱۲)

سایہ بدن کا پاسِ ادب سے جدا رہا
محبوب سے ہمیشہ وصالِ خدا رہا
یہ عاشقِ خدا بھی خدا پر فدا رہا
سائے سے اپنے دور رسولِ ہدؐا رہا
دیکھو یہ باغِ نظم جو رغبت ہو سیر کی
پر چھائیں تک نہیں یہاں مضمونِ غیر کی

(۱۳)

مصرف میں اک عبا کو شب و روز لاتے تھے
آدھی تو اوڑھتے تھے اور آدھی بچھاتے تھے
سائل کو اپنا قوت، خوشی سے کھلاتے تھے
امت کے بھوکے رہنے کا خود رنج کھاتے تھے
ناداروں کا قلق سے افاقہ پسند تھا
اپنا اور اپنی آلؑ کا فاقہ پسند تھا

(۱۴)

لوحِ جبیں پہ سنگ لگا بد دعا نہ کی
بیگانوں کے گلے سے زباں آشنا نہ کی
اور عین عارضے میں نظر جز خدا نہ کی
بخشی شفا مریضوں کو اپنی دوا نہ کی
شکرانہ عافیت پہ ، تحمل بلا پہ تھا
ہر حال میں نبیؐ کو توکل خدا پہ تھا

(۱۵)

آدم ہے قبلہ اور ہے مسجود ہر ملک
کرسی ہے ان کی منبر تُہ زینۂ فلک
جاروبِ صحنِ خانہ ہے جبریل کی پلک
حوروں کی آنکھیں فرش ہیں عرش عُلا تلک
لطفِ خدا کا مومنوں پر اختتام ہے
ایسا نبیؐ ہے اور علیؑ سا امامؑ ہے

(۱۶)

اہلِ عطا میں تاجِ سرِ ہل اتا یہ ہیں
اغیار لاف زن ہیں شہِ لا فتا یہ ہیں
خورشیدِ انورِ فلکِ اِنّما یہ ہیں
کافی ہے یہ شرف کہ شہِ قُل کفا یہ ہیں
ممتاز گو خلیل رسولانِ دیں میں ہیں
کاشف ہے لو کشف یہ زیادہ یقیں میں ہیں

(۱۷)

باطل ہر ایک مذہبِ دیر ینہ کر دیا
سینوں سے غم، دلوں سے جدا کینہ کردیا
لبریز حُبِ حق سے ہر اک سینہ کردیا
آئینِ دین و شرع کا آئینہ کر دیا
روشن ہے یہ حدیث رسولِؐ غیور سے
پیدا ہوئے ہم اور علیؑ ایک نور سے

(۱۸)

حق سے کیا علٰیحدہ باطل کو یک قلم
کعبے سے بت، یقین سے شک، عدل سے ستم
وحدت سے شرک، خیر سے شر، دیر سے حرم
عصیاں سے توبہ، کفر سے دیں، بخل سے کرم
ثابت ہر ایک قطع سے توحید کو کیا
چن چن کے مشرکوں کو تہِ تیغ دو کیا

(۱۹)

مولا علیؑ ، امامؑ علیؑ ، مقتدا علیؑ
دستِ خدا علیؑ ہے زبانِ خدا علیؑ
ہم کیا ہیں انبیاؑ کا ہے مشکل کشا علیؑ
مشکل میں سب کے منھ سے نکلتا ہے یا علیؑ
ہر سمت بے عصا جو رواں چرخِ پیر ہے
باعث یہ ہے کہ نامِ علیؑ دستگیر ہے

(۲۰)

کعبے کو فخر اس شہ گردوں نشیں سے ہے
ممتاز وہ ولادتِ سلطانِ دیں سے ہے
بیشک شرف مکان کا ذاتِ مکیں سے ہے
کرسی کا پایہ اوج پہ عرشِ بریں سے ہے
پر حقّ خانہ زادیِ حق کیا ادا کیا
مسجد میں روزہ دار نے سر کو فدا کیا

(۲۱)

کعبہ میں زیبِ دوشِ نبیؐ یہ امام ہے
ہمنام حق کا مہرِ نبوت مقام ہے
زیرِ نگیں جہاں ہے، زمانہ غلام ہے
روشن اِسی نگینے سے خاتم کا نام ہے
پوشیدہ حکمِ حق سے پیمبرؐ جو ہو گئے
تکیہ خدا پہ کر کے یہ بستر پہ سو گئے

(۲۲)

تھا قابلِ ولادت حیدرؑ نہ کو ئی گھر
کعبہ کیا خلیل نے تعمیر سر بسر
پایا خدا کے ہاتھ کو راغب جو تیغ پر
آئی زمیں پہ عرش سے شمشیرِ شعلہ ور
قابل خدا کے ہاتھ کے بس ذوالفقار ہے
نُہ قبّہَ فلک سے چمک جس کی پار ہے

(۲۳)

گیارہ اماموں کے ہیں پدر شاہؑ ذوالفقار
پر بارھواں امام ہے مہدیؑ نامدار
غیبت میں ان کے فیض سے ایماں ہے برقرار
بدلی میں آفتاب ہے اور دن ہے آشکار
یوں اہل حق نے ان کو امامِ ہدا کیا
بن دیکھے جس طرح سے خدا کو خدا کیا

(۲۴)

گو شیعوں پر ازل سے ہے افضالِ ذوالمنن
پر اب محیطِ اعظمِ رحمت ہے موج زن
اس عہد کی بہار ہے غیرت دہِ چمن
شکرِ خدا سے غنچوں کا لبریز ہے دہن
یہ یُمنِ تاجداریِ ظلّ الٰہ ہے
امجد علی سا شاہِ فلک بارگاہ ہے

(۲۵)

شاہوں کی زیب ہوتی ہے تخت و کلاہ سے
پر حسنِ تاج و تخت ہے اس بادشاہ سے
گویا خمیر لب کا ہے ذکر الٰہ سے
مالوف سجدہ سر سے ہے سر سجدہ گاہ سے
سلطانِ کربلا کی ولا صاف دل میں ہے
سجے کی طرح یادِ خدا آب و گل میں ہے

(۲۶)

عالم پناہ، شاہِ زمان و ابوالظّفر
انجم سپاہ و بدر نگین و فلک سیر
پرہیزگار و منصف و فیاض و دادگر
مستجمعِ جمیعِ فضائل، ملک سیر
شاہی کو بے عبادتِ حق بد سمجھتے ہیں
سجادۂ نماز کو مسند سمجھتے ہیں

(۲۷)

ہر اک صفت میں فخرِ سلاطینِ ما سلف
یکتائے عہد، گوہرِ شہوار نُہ صدف
آدم کا یہ خلف ہے خلف کا ہے یہ شرف
سرتاجِ شیعیانِ جنابِ شہِ نجف
دُرِ یتیم ، معدنِ خوشگوہری یہ ہیں
خورشیدِ آسمانِ بلنداختری یہ ہیں

(۲۸)

بازار ہو کہ شہر، محل ہو کہ بوستاں
ہر جاہے روئے دل سوئے معبودِ انس و جاں
صانع نے رو بقبلہ بنایا ہے ہر مکاں
اس گھر سے اہل بیت کا اخلاص ہے عیاں
ممتاز اس قدر ہیں خدا کی جناب میں
آیا ہے لفظِ قبلۂ عالم خطاب میں

(۲۹)

سنکر سوال دیتے ہیں یوں سیم و زر شتاب
جس طرح سے سلام کا بیساختہ جواب
داد و دہش ہے دولتِ دنیا کی بے حساب
خمس و زکوۃ سے بھی زمانہ ہے فیضیاب
حضرت کے اس عطیہ پہ ہم جان دیتے ہیں
بیدینوں کو یہ دین اور ایمان دیتے ہیں

(۳۰)

سچ سے رازِ حق سرِ دست آشکارہ ہے
ہردم مشیرِ شاہِ زماں استخارہ ہے
پردے میں امرونہیِ خدا کا اشارہ ہے
دانا کو دل سے ان کی اطاعت گوارا ہے
ظاہر میں بادشہ کی رضا پر عمل کیا
باطن میں خاص حکمِ خدا پر عمل کیا

(۳۱)

یہ جنسِ معدلت سے ہے معمور ہر دکاں
دلال کی جگہ نہیں سودے کے درمیاں
ہر شے کا فائدے سے مبدل ہوا زیاں
سَم رشکِ زہر مہرہ ہے اور نیش، نوشِ جاں
اس عہد میں فساد کا زورِ بدن گیا
فتنہ بدل کے اپنا اثر عطر بن گیا

(۳۲)

خارِ جفا سے راستوں کو صاف کردیا
نوشیرواں کو قائلِ انصاف کردیا
بس عین عدل قاف سے تا قاف کردیا
دنیائے دوں کو تابعِ اشراف کردیا
چہرہ ستم کا ہے نظری اہلِ دید میں
اب ظلم چھپ کے بیٹھا ہے قبرِ یزید میں

(۳۳)

وہ دن گئے کہ کر تی تھی اندھیر چاندنی
اب قصرِ زخم میں ہے بچھانے کی چاندنی
سوزن برائے بخیہ کرن چاند کی بنی
رہزن ہر ایک راہ میں بھولے ہیں رہزنی
ہر فعلِ نا سزا کی سزا بے دریغ ہے
رہزن کے کوچے کاٹنے کو راہِ تیغ ہے

(۳۴)

ہر شب ہے روزِ عید عجب روزگار ہے
انصاف سربلند ہے کیا تاجدار ہے
اقبال یارِ شہر ہے کیا شہریار ہے
اس لطف پر یہ رحمتِ پروردگار ہے
عالم وہ ہیں کہ قدرتِ رب آشکار ہے
ہاتھوں سے جن کے مذہبِ حق پائدار ہے

(۳۵)

اوّل جنابِ مجتہد العصر والزماں
بسمِ اللہِ صحیفۂ آیاتِ عزّ و شاں
خضرِ زمانہ مرجعِ سادات و مومناں
سلطانِ عالماں، سندِ معنی و بیاں
چشم و چراغ، مجلس عالم جمال میں
خاص الخلاصۂ بنی آدم کمال میں

(۳۶)

بابش علیؑ و ختم رسلؐ جدِ امجد است
اسمش جناب حضرتِ سید محمدؐ است
در راستی چو حرفِ نخستینِ ابجد است
بالا نشینِ منبر و ایوان و مسند است
ایمن شد است شہر ز طورِ جمال او
اے من فدائے نور چراغ کمال او

(۳۷)

ناجی وہی ہیں ان سے جنہیں اعتقاد ہے
وہ اعتقاد شیعوں کو زادالمعاد ہے
ارشاد وہ بجا ہے کہ اللہ شاد ہے
خیرالجہاد اِن کے لئے اجتہاد ہے
شیعوں کو کہئے قبلہ شناس اس بیان سے
کہتے ہیں ان کو قبلہ و کعبہ زبان سے

(۳۸)

بعد ان کے سیدالعلماء مجمعِ علوم
خاصانِ ذوالجلال میں کالبدر فی النجوم
اک طبعِ پاک اور شغلِ نیک کا ہجوم
اس پر بھی ہے وفورِ نوازش علیٰ العموم
دنیا کے فخر، دین کے بھی زیب و زین ہیں
وجہِ حسن یہ ہے کہ سمّیِ حسینؑ ہیں

(۳۹)

معنیٔ حلم و لفظ حیا، آیۂ کرم
تقویٰ و زہد و عدل و ورع سر سے تا قدم
انصاف کھا رہا ہے مرے قول پر قسم
مطلوب دادِ نظم ہے نے شہرۂ رقم
واقف ہے کبریا کہ دروغ و ریا نہیں
مقصد کوئی رضائے خدا کے سوا نہیں

(۴۰)

قدرت خدا کی، شکلِ بشر میں فرشتہ ہے
کیسا فرشتہ ان کو پیمبر سے رشتہ ہے
رگ رگ بدن کی سبحۂ طاعت کا رشتہ ہے
جاری بلادِ شرع میں ان کا نوشتہ ہے
دامن قلم کا پاک حروفِ غلط سے ہے
روشن سوادِ کشورِ دیں ان کے خط سے ہے

(۴۱)

یہ دونوں مقتدا ہیں، یہ دونوں ہیں خضرِ راہ
بحرینِ علم و فضل و جلال و وقار و جاہ
سعدینِ برجِ صنع خدا، قدرتِ الٰہ
اور مشرقین ملک ہدایت کے مہر و ماہ
ثابت ہے ان کے حلم سے یہ مؤمنین پر
دو قطب آسمان پہ ہیں دو زمین پر

(۴۲)

حق الیقیں ہے ہم کو کہ پاک ان کی ذات ہے
چشم کرم، مترجمِ عین الحیات ہے
دیدارِ پاک، شرحِ کتاب الصلات ہے
اخلاق وہ کہ مطلبِ تہذیب بات ہے
روشن ہے اُن پہ جو ہیں مقر، اصل وفرع کے
جوشن ہیں دو یہ بازوئے ایمان و شرع کے

(۴۳)

اس عہد میں جلال و وقار و شرف ہے کیا
قدر ان کی عہدِ مہدیؑ ہادی میں دیکھنا
اب گوشِ دل لگا کے سنیں راسخ الولا
رویائے معتبر کا سناتاہوں ماجرا
اس خوابِ شب سے صبحِ یقیں آشکارہ ہے
ہر گوشِ اعتقاد کا یہ گوشوارہ ہے

(۴۴)

حاجیٔ کعبہ، زائرِ معبودِ پنجتن
مرزا علی، ولیِ علی عمدۂ زمن
یوں زمزمِ مقال سے تر کرتے ہیں دہن
ہجرت کے تھے ہزار و دو صداور ساٹھ سن
صبحِ مرادِ نیمۂ شعباں کی رات تھی
آب و ہوائے کعبہ سے تازہ حیات تھی

(۴۵)

روشن ہوئی جو مشعلِ پر نورِ آفتاب
آیا حرم سے وادیٔ تنعیم میں شتاب
بخشی بدن کو غسلِ طہارت سے آب و تاب
احرام باندھتے ہی کھلا عقدۂ ثواب
لبیک زن رواں سوئے بیت الحرم ہوا
یاں تک کہ داخلِ حرمِ محترم ہوا

(۴۶)

عمرِ کہن ہوئی عملِ عمرہ سے جدید
پھر وہ پڑھیں دعائیں کہ جو ہیں بہت مفید
پڑھتے ہیں جو شبِ عرفہ حاجیِ سعید
اور بعد ازاں زیارتِ شاہنشہِ شہیدؑ
جس شاہ کا جہاز تباہی میں آ گیا
کعبہ سے عرفے کو جو سوئے کربلا گیا

(۴۷)

باقی تھی نصف رات کہ آیا میں اپنے گھر
اور بعض ادعیہ وہ پڑھے خواب گاہ پر
جن کے اثر سے خواب سعید آتے ہیں نظر
اور ہوتے ہیں جمالِ ائمہؑ سے بہرہ ور
پڑھتا ہوا دعائیں یہ بندہ تو سو گیا
لیکن نصیب خواب کا بیدار ہو گیا

(۴۸)

کیا دیکھتا ہے خواب میں بندہ خدا گواہ
آندھی ہے وہ سیاہ کہ اللہ کی پناہ
آتا ہے یاد حشر کا دن خلق ہے تباہ
میرا بھی بند بند ہے لرزاں دمِ نگاہ
ناگہ گھٹا کے پردے میں حق کا کرم بڑھا
آگے نہ پھر ہوائے سیہ کا قدم بڑھا

(۴۹)

بارانِ رحمت ابدی دُر فشاں ہوا
اور کوئی شخص کعبے سے اس دم عیاں ہوا
آکر غریب خانہ پہ رطب اللساں ہوا
اے بے خبر! ظہورِ امامؑ زماں ہوا
کیا کیا محب رکابِ امامِ امم میں ہیں
میں نے کہا کہاں؟ وہ پکارا حرم میں ہیں

(۵۰)

بندہ چلا حرم کو اسی طرح با حواس
یعنی بدن میں تھا وہی احرام کا لباس
مسجد میں جا کے پایا مسلمانوں کو اداس
دیکھے گروہ ، چار مصلوں کے آس پاس
ہر فرقہ اپنے حادیِ مرشد کے سات ہے
اور انتظارِ حکمِ شہِ کائنات ہے

(۵۱)

بندہ نے اس خیال میں ہر سو اٹھایا سر
یارب ترے علیؑ کے موالی ہیں یاں کدھر
ناگہ عجم سے کچھ علماء آئے واں نظر
ہیں جمع زیرِ منبرِ اقدس اِدھر اُدھر
فی الفور اس گروہ میں میں خستہ دل گیا
یہ حق شناس حق کی جماعت میں مل گیا

(۵۲)

پوچھا امامِ عصرؑ کو تو سب نے یہ کہا
جس مدرسہ میں محکمۂ عدل ہے بپا
دوڑا میں اس طرف کو تو یہ غلغلہ اٹھا
آتا ہے کوئی شخص بحکمِ شہِ ھدا
دیکھا تو صاف رحمتِ باری نمود ہے
کعبہ میں سیدالعلماء کا ورود ہے

(۵۳)

کپڑے سفید، سبز عصا ہاتھ میں نمود
خادم بھی ایک ساتھ ہے انکے دمِ ورود
پاس اس کے دست پاک ہے اور شانۂ کبود
کنٹھا وہ خوشنما کہ پڑھیں جس پہ سب درود
ساعت وہ نیک جس سے عیاں خوش دلی ہوئی
وقتِ ظہور سے وہ گھڑی تھی ملی ہوئی

(۵۴)

احقر جو دست بوس، ہوا اس جناب کا
فرمایا تم بھی پہنچے بتائیدِ کبریا
بندے نے کی یہ عرض کہ اے میرے پیشوا
خادم کا اعتقاد تو پہلے ہی سے یہ تھا
کیا شاد اس گھڑی دلِ رنجور ہوگیا
حضرت جو پاس آئے تو غم دور ہوگیا

(۵۵)

آہستہ آپ نے یہ کہا اے خوش اعتقاد
اس دم کیا ہے قبلہ و کعبہ نے تجھ کو یاد
واں سے جو مدرسے میں گیا بندہ شاد شاد
دیکھی ترقیِ قمرِ برجِ اجتہاد
ہمسائگی ہے مہدیؑ عالی مقام سے
کل فاصلہ ہے اک درجہ کا امام سے

(۵۶)

ارشاد مجھ سے قبلہ و کعبہ نے یہ کیا
تنہا ہیں سیدالعلماء ان کے پاس جا
ہمراہ ہوں فصیحؔ بھی اس دم تو ہے بجا
ناگاہ گوش زد ہوئی بالا سے یہ صدا
کافی خدا ہے ان کی حمایت کے واسطے
بھیجا ہے ان کو ہم نے ہدایت کے واسطے

(۵۷)

ہیں آج وہ غنی مددِ خاص و عام سے
پایا ہے حکم نائبِ خیرالانام سے
تلقین کو گئے ہیں رضائے امامؑ سے
عقدے کھلیں گے سب شہِ مرداں کے نام سے
کانوں میں یہ صدا تھی کہ جو آنکھ وا ہوئی
اور ساتھ ہی اذانِ سحر جا بجا ہوئی

(۵۸)

کیوں مومنو! سنا علما کا جلال و جاہ
خوش باطنوں کو اس میں نہ شک ہے نہ اشتباہ
پر وہم و وسوسہ کو ہے جن کے دلوں میں راہ
دیکھیں نظائر اس کے، کریں غور سے نگاہ
لازم ہے سعی، قربِ الٰہی کے واسطے
توقیع ہے مفید، گواہی کے واسطے

(۵۹)

واضح یہ اک دلیل ہے توقیع کے سوا
یوں حالِ میر باقرِ داماد ہے لکھا
حیرت تھی ان کو چند مسائل میں بارہا
ایک قافلے نے شُقہٴ مُہری انہیں دیا
ہر مسئلہ کا اس میں مفصل جواب تھا
سطریں کرن تھیں اور ورق آفتاب تھا

(۶۰)

پڑھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے تعظیم کے لئے
سر پر کبھی دھرا اسے بوسے کبھی لئے
راقم کے نام کے جو نشاں مہر نے دیئے
سید نے پتلیوں کے نگینے فدا کئے
شُقہ عجب طرح کا ملا کاروان سے
گویا کہ آئی وحیِ خدا آسمان سے

(۶۱)

پوچھا تو اہلِ قافلہ نے یہ کیا کلام
گھر اپنے کربلا سے پھرے جبکہ خاص وعام
رستے میں اک جوان نے ہم کو کیا سلام
یہ نامہ دے کےہم کو بتایا تمہارا نام
صولت میں شیرِ حق تھے سراپا جواں تھے وہ
یہ مسکرا کے بولے امامِ زماںؑ تھے وہ

(۶۲)

اب شیعوں کی جناب میں میرا ہے یہ سوال
جن کے سبب سے مرتبہ بخشے یہ ذوالجلال
کیا قہر ہے ذلیل کریں اس کو بد خصال
مہلت نہ حج کی پائے رسولِؐ خدا کا لال
کیوں عرشِ کبریا نہ گرا اِس گناہ پر
تلوار بوسہ گاہِ رسالت پناہ پر

(۶۳)

خاصانِ ذوالجلال اور انبوہِ عام میں
سیدانیاں مدینہ کی بازارِ شام میں
سرننگے اہل بیت، عزائے امامؑ میں
اور اہلِ کوفہ شادیوں کے اہتمام میں
عاشور کا وہ دن ہے کہ سب خلق روتی ہے
کعبے میں ہائے آج تلک عید ہوتی ہے

(۶۴)

بس اے دبیرؔ طول سخن کو نہ دے زیاد
آباد لکھنؤ کو رکھے خالقِ عباد
والیِ ملک، حافظِ جاں ہے بعدل و داد
عالم ہیں وہ کہ حافظِ ایمان و اعتقاد
یا رب ظہورِ مہدیؑ ہادی شتاب ہو
دیدار سے ہر ایک محب فیضیاب ہو

❀❀❀